بہترین مناظرے

مؤلف

علامہ محمد محمدی اشتہاردی

مترجم

مولانا کوثر عباس حیدری

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین

لاہور فون: 042-5425372

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

نام کتاب .... بہترین مناظرے

مؤلف .... علامہ محمد محمدی اشتہاردی

مترجم .... مولانا کوثر عباس

اشاعت .... جون 2002ء

تعداد 1000

کمپوزنگ .... محمد حسنین عباس

ہدیہ .... 135 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن ٹھوکر نیاز بیگ لاہور فون: 042-5425372

نقدِ مناظرہ

علم وحکمت مومن کی گمشدہ میراث ہیں جب وہ انہیں پالیتا ہے تو اس کا دل مسرت سے سرشار اور معرفت کا آئینہ دار ہو جاتا ہے اور علم مناظرہ نہایت وسیع و وقیع علم ہے جو ذہن انسانی کو جلا بخشتا ہے تو قلب انسانی کو ضیاء عطا کرتا ہے اور جب مومن حقائق و معارف کا عرفان حاصل کر لیتا ہے تو ہٹ دھرمی کی بجائے راہ راست کو اپناتا ہے کیونکہ ہر عاقل و دانشمند کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب حق دلائل و براہین کے ساتھ واضح اور عیاں ہو جائے تو وہ غلط راستوں پر فخر و مباہات کی بجائے منہاج الصالحین پر گامزن ہو' قران کریم میں ارشاد رب العزت ہے۔

''جو لوگ بات کو غور سے سنتے ہیں اور پھر بہترین قول کی پیروی کرتے ہیں'' (زمر ۱۰۰)

دین حنیف قولِ سدید اور امرِ حمید و مجید ہے۔ ماخذ و منابع عقلیت و منطقیب کے شاہکار ہیں۔ قرآن بجائے خود برھان ہے تو احادیث پیغمبرؐ خرد سامان۔ تعلیمات آئمہؑ بھی مذہب کی بنیاد عقل پر رکھتی ہیں اور ہر بات کو عقل سے پرکھتی ہیں۔

انبیائے کرام نے حکم خداوندی کے اہل کفر سے مناظرے فرمائے' آئمہ معصومینؑ نے بھی اپنے اپنے ادوار میں اسی روش کو اختیار کیا اور علمائے حقہ نے بھی اسی صراط مستقیم پر اتباع معصومینؑ کی۔ دور حاضر میں یہ مرحلہ اور بھی آسان ہو گیا کیونکہ فلسفہ و سائنس کی ترقی نے معقولات کی ترویج کی تو تاریخ و ادب نے منقولات سے دانشگاہوں اور مکاتب کو مالا مال کر دیا۔ آج فن مناظرہ اپنے عروج پر ہے۔ البتہ یہ مناظرے علمی اور حلمی ہیں۔ ہم خرافات اور بحث برائے بحث کو خارج از علم مناظرہ سمجھتے ہیں۔ علمی مناظرے مشکلات اور پیچیدگیوں کے قاطع اور نئے جذبہ امید کے موجد ہوتے ہیں۔ کشف حجابات سے انسان فکری اعتبار سے توانا اور قلبی اعتبار سے مسرور ہو جاتا ہے۔

کتاب ہذا میں شامل انبیائے کرام' آئمہ اور علماء ہر سہ کے مناظرے علم وحکمت کے سمندر ہیں' جن میں غوطہ زنی کر کے حق و حقانیت کے جواہر تلاش کیے جا سکتے ہیں' اور پھر ان جواہر کو استعمال میں لا کر صاحبان شعور خود بھی جوہری بن جاتے ہیں۔ الہام نزول کرتا ہے' وجدان متحرک ہوتا ہے اور فکر و نظر کو فروغ ملتا ہے۔ علامہ محمد محمدی اشتہاردی نے ''صد و یک مناظرہ جالب و خواندنی'' کی ترتیب و تدوین سے ایران میں تہلکہ مچا دیا تو مولانا کوثر عباس حیدری نے اس کارواں دوراں، اور

خوبصورت اردو ترجمہ کر کے اردو بولنے والے کروڑوں عوام کیلئے حقیقت شناسی کا سامان مہیا کر دیا۔

ان مناظروں کی ہر کڑی دلنشین اور ہدایت آفرین ہے جو کام تیروں تلواروں سے ناممکن ہے وہ کام لفظوں اور جملوں کے پاکیزہ ہتھیاروں سے لیا گیا ہے جو خوشبو کی طرح مسام جاں میں سما جاتے ہیں۔ عقائد و مذاہب کی قبولیت اور مقبولیت کا انحصار ہمیشہ مناظرہ پر رہا ہے اور اگر کوئی کور باطن ذہن قبول نہ بھی کرے تو علمی وراثت و ثقافت کا فروغ ہی اتمام حجت کا باعث بن جاتا ہے جیسے کہ قران ببانگ دہل کہہ رہا ہے۔

"قل هاتوا برها نكم ان كنتم صادقين" (البقرہ)

"مخالفوں سے کہو کہ اگر وہ سچے ہیں تو دلائل پیش کریں۔"

فرمان پیغمبرؐ ہے:

"لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے دعوت دو اور ان سے شائستہ انداز میں بحث و تکرار کرو۔"

مختصراً ہمارے ادارے نے علمی ثقافت کے فروغ نیز اتمام حجت اور دعوت حق کے لیے اس کتاب کے اردو ترجمہ کو شایان شان سے شائع کیا ہے۔

الداعی الی الخیر

علامہ ریاض حسین جعفری

سرپرست ادارہ منہاج الصالحین

لاہور

فہرست

علم المناظرہ

علم المناظرہ نہایت مقبول، معتبر اور مفید علم ہے جس میں عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ بحث و تفہیم کے ذریعے حقیقت جوئی کی جاتی ہے۔ تلاش حق کا یہ علم صداقت کے حصول میں ممد و معاون ہوتا ہے اور اس طرح راہ راست کا تعین کر کے منزل مقصود تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہر نو مولود دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اصلی و حقیقی دین فطرت کی تلاش ہی اس کا مطمع نظر اور مقصد حیات ہوتا ہے چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ علم المناظرہ مقصد زندگی کے حصول کو حیطہ امکان میں لانے والا نور عرفان ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔

بدقسمتی سے دور بنی امیہ اور بنو عباس میں اس علم کا ایسا غلط استعمال کیا گیا کہ یہ علم دنگا وفساد، خرافات وخرامات اور قتل و غارت کا علم بن کر رہ گیا۔ نااہل، نابنجار اور نام نہاد ملاؤں نے اسے تفرقہ بازی اور شرانگیزی کا علم بنا کر رکھ دیا اور آنے والے ادوار میں یہ سخن باطل اور حرف ممنوع کا روپ دھار گیا۔ دراصل یہ اس علم کی غلط تفہیم اور غلط استعمال کا نتیجہ تھا جو جہالت اور بزدلی کے علاوہ کچھ نہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس مفید ترین علم کے ذریعے آثار قرآنی، اقوال الہامی اور روایات لافانی سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاتا۔ مشاعروں اور مباحثوں کی طرح مناظرے بھی فروغ پاتے اور متلاشیان صداقت کو مقام ہدایت تک پہنچاتے۔ میڈیا یعنی ٹی وی، ریڈیو، اخبارات، انٹرنیٹ پر ان کی نشر و اشاعت اور تشہیر ہوتی اس طرح لوگوں کو حق کو اپنانے اور باطل سے نجات پانے کا موقع میسر آتا۔

علامہ ریاض حسین جعفری سرپرست ادارہ منہاج الصالحین اس لحاظ سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے دیگر موضوعات کی طرح اس موضوع پر بھی توجہ فرمائی اور ایک سو ایک مناظرے کے نام سے فارسی کتاب .... کا ترجمہ کروا کر شایان شان اشاعت کا اہتمام کیا۔ اللہ رب العزت ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور ملت جعفریہ کو علمی خدمت میں ان کی کاوش ہائے فکری و عملی کو دن دگنی رات چوگنی ترقی حاصل ہو۔

نبی اکرمؐ کے مناظروں کے چند نمونے

قارئین یقیناً اس مبسوط کتاب سے مستفید ہوں گے اور انبیاء آئمہ نیز علماء کے مبنی برحق بلکہ حق آشکار اور باطل شکار مناظروں سے اپنے اذہان وقلوب کو منور کریں گے اور یوں یہ سلسلہ روشنی آگے سے آگے بڑھتا جائے گا جو مذہب حقہ اثنا عشریہ کی ترویج وترقی کا ضامن ہوگا۔

محتاج دعا!
شیخ خادم حسین

آپ کا پانچ گروہوں سے مناظرہ

اسلام کے مخالف پانچ گروہوں نے یہ طے کیا کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں شرفیاب ہو کر ان سے مناظرہ کریں۔(۱)

ان میں پہلا گروہ یہودی، دوسرا عیسائی، تیسرا مادی (دہریہ)، چوتھا گروہ ثنویہ (دو خداؤں کا ماننے والا) تھا اور پانچواں گروہ بت پرستوں پر مشتمل تھا۔

یہ لوگ مدینے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور انہیں بحث شروع کرنے کی اجازت دی۔

یہودی گروہ نے کہا۔''ہمارا عقیدہ ہے کہ ''عزیر'' (۲) خدا کے بیٹے ہیں' اگر اس بحث میں ہم حق بجانب ہوئے اور آپ نے ہمارے عقیدے کی تائید کی تو اس طرح ہماری فضیلت ثابت ہو جائے گی کیونکہ ہم آپ سے پہلے اپنے موقف و مذہب میں بچے ہیں اور اگر آپ نے ہماری اس بات کی موافقت نہ کی تو ہم اس بات پر مجبور ہوں گے کہ آپ کی مخالفت کریں''۔

مسیحی گروہ نے کہا:۔''ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں' اور خدا ان سے متحد ہوا ہے۔اب اگر آپ ہماری بات قبول کرتے ہیں تو ہم آپ پر فاتح ہیں اور اگر مخالفت کرتے ہیں تو ہم مجبور ہیں کہ آپ کی مخالفت کریں۔''

مادی گروہ نے کہا:۔''ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ اس دنیا کا کوئی آغاز اور انجام نہیں

---

(۱) یہ داستان امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے۔اس کے اصل راوی حضرت علی علیہ السلام ہیں۔(احتجاج طبری جلد اول ص ۱۶ سے ۲۴ تک)

(۲) حضرت عزیر علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے جن کا عہد حضرت موسیٰ کے بعد مذکور ہے۔ بخت نصر نے جب بیت المقدس پر حملہ کرنے کے بعد انہیں گرفتار کر کے شہر بابل کی طرف ملک بدر کر دیا، وہ ہخامنشی بادشاہوں کی سلطنت کے زمانے میں تقریباً سو سال تک بنی اسرائیل کے درمیان تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ سنہ ۴۵۸ قبل مسیح میں آپ نے بنی اسرائیل کے چند افراد کے ساتھ یروشلم کا سفر کیا اور وہاں پر توریت اور اس کے احکام کے احیاء کیا،

ہے یہ قدیم اور ہمیشہ رہنے والی ہے اگر آپ اس بحث میں ہماری موافقت کرتے ہیں تو ہم آپ سے افضل ہوں گے اور اگر آپ موافقت نہیں کرتے تو ہم آپ کے مخالف ہو جائیں گے۔"

ثنویہ نے کہا:۔"ہمارا اس بات پر عقیدہ ہے کہ اس دنیا کے دو مدبر اور دو مبدء ہیں، پہلا مبدءِ نور ہے اور دوسرا مبدءِ ظلمت ہے، ہم اس موضوع پر آپ سے بحث کرنا چاہتے ہیں اگر آپ اس بحث میں ہمارا عقیدہ قبول کرتے ہیں تو یقیناً ہم آپ سے افضل اور برتر ہیں اور اگر آپ عقیدے کی مخالفت کرتے ہیں تو ہم آپ کے مخالف ہوں گے۔

آخر میں بت پرستوں نے کہا۔

"ہم اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ بت ہمارے خدا ہیں اگر ہمارے اس عقیدے کو آپ قبول کرتے ہیں تو ہم آپ سے افضل اور برتر ہیں اور اگر قبول نہیں کرتے تو ہم آپ کی مخالفت کریں گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے سب کو ایک ساتھ مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"تم لوگ اپنے اپنے عقیدے کا اظہار کر چکے اور اب میری باری ہے کہ میں اپنا عقیدہ بیان کروں" میں اس بات کا عقیدہ رکھتا ہوں کہ خدا واحد و یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، میں اس کے علاوہ تمام خداؤں کا منکر و مخالف ہوں۔

اسی خدا نے جو واحدہ لاشریک ہے، مجھے تمام عالم کیلئے نبی بنا کر بھیجا ہے تا کہ میں اس کی رحمت کا مژدہ لوگوں کو سناؤں اور اس کے عذاب سے لوگوں کو ڈراؤں۔

مجھے دنیا کے تمام افراد کے لیے حجت بنا کر بھیجا گیا ہے، خدا مجھ کو دشمنوں اور منافقوں سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام گروہوں سے بالترتیب مناظرہ کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلا گروہ یہودیوں کا تھا اس لیے پہلے ان کا مناظرہ شروع ہوا۔

(گذشتہ صفحے کا بقیہ) جسے بالکل فراموش کر دیا گیا تھا۔ آخر کار سنہ ۴۳۰ قبل مسیح میں آپ کا انتقال ہوا۔ چونکہ یہودی آپ کو بہت زیادہ چاہتے تھے اس لیے انھوں نے آپ کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا یہاں تک کہ آپ کو خدا کا بیٹا کہہ بیٹھے لیکن اب اس عقیدے کا ماننے والا کوئی نہیں ہے اور یہ عقیدہ ختم ہو چکا ہے۔

یہودی گروہ سے مناظرہ

پیغمبر اکرمؐ: ''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری بات کو بغیر کسی دلیل کے قبول کرلوں؟''۔

گروہ یہود نے کہا۔ ''نہیں''

پیغمبرؐ۔ ''اس بات پر تمہاری کیا دلیل ہے کہ ''عزیر'' خدا کے بیٹے ہیں؟''

یہودی گروہ:۔ ''توریت ہمارے درمیان بالکل ختم ہو چکی تھی، اس کے احکام وقوانین رائج کرنے والا کوئی نہیں تھا لیکن عزیر نے آ کر اسے دوبارہ حیات بخشی، اس لیے ہم ان کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔''

پیغمبرؐ:۔ ''اگر یہ منطق تمہارے لیے دلیل بن سکتی ہے کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں تو جناب موسیٰؑ کے بارے میں تم لوگوں کا کیا نظریہ ہے؟ کیونکہ وہ توریت کے لانے والے ہیں اور اس کے علاوہ وہ اپنے ساتھ بہت سے معجزے بھی لے کر آئے تھے کیا وہ عزیر سے افضل اور برتر نہیں ہیں؟ اور اگر ان کے افضل اور برتر ہونے کا اعتراف کرتے ہو تو ان کے بارے میں کیوں نہیں یہی موقف اختیار کرتے کیونکہ اس بات کے لیے وہ زیادہ مناسب اور بہتر ہیں؟

پھر آپؐ نے فرمایا:۔ کہ کیا بیٹے ہونے سے تمہارا مطلب یہ ہے کہ دوسرے باپ اور بیٹوں کی طرح وہ بھی کسی کی ہمبستری کرنے سے پیدا ہوئے ہیں تو اس صورت میں خدا کو مادی اور جسمانی اور دنیا کا محتاج تصور کرتے ہو اور تمہاری باتوں کا لازمہ یہ ہوا کہ تم اپنے خدا کو خالق تصور کرتے ہو اور اس کو خود اس کی خلقت میں دوسروں کا محتاج بھی تصور کرتے ہو۔

گروہ یہود:۔ ''بیٹے سے مراد یہ نہیں کہ جناب عزیر علیہ السلام کسی کے بطن سے پیدا ہی نہیں ہیں جیسے لوگوں کی ولادت ہوتی ہے۔ بلکہ ہمارا مطلب تو یہ ہے کہ وہ باشرف و قابل احترام ہونے کی وجہ سے خدا کے بیٹے ہیں۔ جس طرح ایک استاد کے چند شاگرد ہوتے ہیں اور ان میں کچھ ممتاز، کچھ رشید شاگرد بھی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے استاد ان شاگردوں کو بیٹا کہہ کے پکارتا ہے، اب یہاں اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ وہ شاگرد استاد کی ہمبستری سے پیدا ہوا ہے کیونکہ وہ تو ایک اجنبی شخص ہے اور اس استاد کا اس سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، اسی طرح خداوند متعال نے بھی عزیرؑ کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارا ہے اور ہم بھی اسی وجہ سے انہیں خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔''

پیغمبر خداؐ۔ ''تمہاری اس دلیل کا جواب بھی وہی ہے جو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اگر تمہاری یہی منطق اس بات کی دلیل بن رہی ہے کہ تم عزیرؑ کو خدا کا بیٹا تصور کر لو تو اس سے زیادہ مناسب اور سزاوار تو یہ ہے کہ عزیرؑ کے بجائے تم موسیٰؑ کو خدا کا بیٹا سمجھو کیونکہ وہ عزیرؑ سے افضل اور برتر ہیں۔ خداوند متعال کبھی کبھی کچھ لوگوں کو خود انہیں کی دلیلوں اور انہیں کے اعتراضوں سے شکست دے دیتا ہے۔ تمہاری دلیلیں اور تمہارے اعتراضات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ تم جناب موسیٰ کو اس سے زیادہ کہو جو جناب عزیرؑ کو کہتے ہو۔ تم نے یہ مثال دی کہ جس طرح استاد کے نزدیک ایک شاگرد محبوب ہوتا ہے تو استاد محبت اور لگاؤ کی وجہ سے اسے بیٹا کہہ کر پکارتا ہے جبکہ استاد سے کوئی رشتہ داری بھی نہیں ہوتی' اس کا مقصد صرف اس شاگرد کے لیے محبت واحترام کا اظہار ہوتا ہے۔ اس بنا پر بھی کہنا مناسب ہوگا کہ اگر ایک شاگرد کو استاد محبت اور احترام کی بنا پر بیٹا کہہ کر پکارتا ہے تو دوسرا شاگرد جو استاد کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے اسے کبھی بھائی کہہ کر پکارے۔ کبھی استاد کہہ کر اور کبھی باپ کہہ کر بھی پکارے کیونکہ اس طرح کی تعبیرات احترام وشرافت کے لیے مناسب ہوا کرتے ہیں۔

اب جس کا احترام اور فعل زیادہ اس کو اسی مناسبت سے پکارا جائے گا۔ اس صورت میں تمہیں چاہیے کہ تم موسیٰ کو خدا کا استاد یا خدا کا مولا کہہ کر پکارو، کیونکہ موسیٰؑ عزیر سے افضل اور برتر ہیں۔ اور اب میں تم سے سوال کرتا ہوں کہ کیا تم اس چیز کو جائز جانتے ہو کہ موسیٰ کو خدا کا بھائی یا خدا کا باپ یا خدا کا استاد تصور کر لیا جائے؟ اور تم جناب موسیٰؑ کو احترام کی وجہ سے'۔ بھائی ، باپ یا میرے استاد'' کہہ کر پکارو؟

یہودی گروہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دندان شکن جواب سے حیرت زدہ ہو کر رہ گیا، ان سے اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا اور آخر کار وہ شکست خوردہ لہجے میں کہنے لگے کہ آپ ہمیں مہلت دیجیے تاکہ ہم اس کے بارے میں تحقیق اور غور کریں۔

پیغمبر خداؐ۔ ''ہاں اگر تم اس موضوع پر پاک دل اور باطنی طہارت سے غور وفکر وتحقیق کرو تو خدا تمہیں یقیناً سچا راستہ دکھا دے گا۔''

فہرست

مسیحیوں سے مناظرہ

اب مسیحی گروہ کی باری تھی آپ نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ "تم لوگ یہ کہتے ہو کہ خداوند قدیم، اپنے بیٹے حضرت مسیحؑ کے ساتھ متحد ہوا ہے، اس بات سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا تمہاری مراد یہ ہے کہ خداوند قدیم تنزل کر کے اپنی ایک حادث مخلوق جناب عیسیٰ علیہ السلام سے متحد ہو گیا، یا اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام جو کہ حادث تھے ترقی کر کے (قدیم ہو گئے اور) خدا سے متحد ہو گئے یا اتحاد سے تمہاری مراد جناب عیسیٰ علیہ السلام کا شرف اور احترام ہے؟

اگر تم پہلی مراد لیتے ہو کہ خدا، وجود قدیم سے بدل کر وجود حادث ہو گیا تو یہ محال ہے کیونکہ عقلاً یہ چیز محال ہے کہ ایک ازلی قدیم شئے سے بدل کر حادث اور محدود ہو جائے، اور اگر تم دوسری مراد لیتے ہو تو یہ بھی محال ہے کیونکہ عقلاً یہ بات بھی ممکن نہیں کہ کوئی حادث اور محدود شئے بدل کر ازلی اور لامحدود ہو جائے۔

اور اگر تم تیسری بات تصور کرتے ہو کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی تمام مخلوقات کی طرح حادث اور محدود ہیں، لیکن خدا کے نزدیک محترم اور ممتاز ہیں تو اس صورت میں بھی وہ قدیم اور خدا کے برابر نہیں سمجھے جا سکتے۔

مسیحی گروہ: "چونکہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو شرف بخشا اور انہیں معجزے اور بہت سے عجیب وغریب امور عنایت کئے اسی لیے اس نے ان کو اپنا بیٹا قرار دیا اور یہ ان کے شرف و احترام کی وجہ سے ہے۔"

پیغمبر اکرمؐ: "یہی باتیں یہودیوں کے ساتھ مناظرے میں ہو چکی ہیں اور اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ کو ان کی فضیلت وشرف کی بنا پر خدا کا بیٹا کہا جانا چاہیے تو عیسیٰ علیہ السلام سے جو شخص افضل اور برتر ہے یا ان کی طرح ہے اسے بھی خدا کا استاد یا خدا کا چچا کہنا چاہیے۔"

مسیحی گروہ اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دے پایا اور قریب تھا کہ اس بحث کا خاتمہ ہو جائے کہ انہیں میں سے ایک مسیحی نے کھڑے ہو کر کہا۔ "کیا آپ ابراہیمؑ کو خدا کا دوست (خلیل اللہ) نہیں سمجھتے؟"

رسول خداؐ: ''ہاں ہم انہیں خدا کا دوست سمجھتے ہیں۔''

عیسائی: ''جس بنیاد پر آپ انہیں خدا کا دوست سمجھتے ہیں اسی بنا پر ہم جناب عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں، تو آپ کیوں ہمیں ہمارے عقیدے سے منحرف کر رہے ہیں؟

رسول خداؐ: ''یہ دو ایسے القاب ہیں جن میں زمین و آسمان کا فرق ہے کلمہ خلیل، اصل میں لفظ ''خلۃ'' سے لیا گیا ہے جو ''ذرہ'' کے وزن پر ہے اور جس کے معنی فقر اور محتاجی کے ہیں۔ توجہ کی بات تو یہ ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام خدا سے بہت زیادہ لو لگائے رہتے تھے اور اپنی عفت نفس کی وجہ سے ہمیشہ ہر شخص سے بے نیاز رہتے تھے، اور اپنی نیاز مندی کا اظہار صرف خداوند متعال ہی کی بارگاہ میں کیا کرتے تھے' جس کی وجہ سے خداوند عالم نے ان کو اپنا خلیل کہا ہے تمہیں چاہیئے کہ جناب ابراہیمؑ اور نمرود کی آگ کا قصہ بغور پڑھو اس واقعے میں تمہیں ملے گا کہ جب جناب ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود میں راکھ کرنے کے لیے منجنیق میں بٹھا کر پھینکا گیا تو اس وقت جناب جبرائیلؑ آپ کی مدد کے لیے آئے اور کہا کہ خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں تا کہ تمہاری مدد کروں' جناب ابراہیمؑ نے کہا میں خدا کے علاوہ کسی دوسرے کی مدد نہیں چاہتا صرف اس کی مدد میرے لیے کافی ہے' اور وہ اچھی مدد کرنے والا ہے، اسی وجہ سے خداوند عالم نے انہیں خلیل کہا۔ خلیل یعنی فقیر و محتاج اور خلق خدا سے بے نیاز۔

اگر یہ سمجھیں کہ لفظ خلیل ''خلۃ'' سے لیا گیا ہے، جس کے معنی باطنی چیزوں میں تحقیق اور خلقت اور حقائق کے رموز و اسرار کی طرف توجہ ہیں یعنی جناب ابراہیمؑ کو اس لیے خلیل کہا گیا ہے کہ وہ خلقت اور حقائق کے رموز اور اسرار سے آگاہ تھے تب بھی اسی طرح کا معنی مراد لینا اس بات کا موجب نہیں بن سکتا کہ انہیں خالق کائنات سے مشابہ قرار دے دیا جائے۔ لہٰذا اگر ان دو وجوں سے جناب ابراہیم علیہ السلام کو خلیل سمجھا جائے تو بہتر ہے' ورنہ ان کے علاوہ کسی اور معنی میں خلیل نہیں ہیں۔ لیکن توالد اور تناسل کے موضوع میں باپ اور بیٹے کا ذاتی رابطہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر باپ اپنے کسی بیٹے کو عاق بھی کر دے اور اس سے اپنا ناتا ہی توڑ لے تو پھر بھی وہ اس کا بیٹا کہا جائے گا۔

اب اگر تمہاری دلیل یہی ہے کہ چونکہ ابراہیم علیہ السلام خلیل خدا ہیں اسی لیے عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں تو تمہیں چاہیے کہ جناب موسیٰؑ کو بھی خدا کا بیٹا کہو بلکہ اسی طرح جس طرح میں نے گروہ یہود سے کہا کہ اگر بیٹا کہنے کی دلیلیں تم لوگوں کے پاس ایسی ہی ہیں تو دوسرے انبیاء کو بھی ان کے

درجات و مراتب کے تفاوت کا لحاظ کرتے ہوئے کسی کو خدا کا چچا اور کسی کو خدا کا استاد کہو۔ لیکن میں نے تمہیں ایسا کہتے کبھی نہیں سنا۔

ایک مسیحی نے کہا: "کتاب انجیل جو جناب عیسیٰؑ پر نازل ہوئی ہے اس میں جناب عیسیٰؑ کہتے ہیں کہ "میں اپنے اور تمہارے باپ کے پاس جارہا ہوں۔" اس عبارت سے تو یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ جناب عیسیٰؑ نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہا ہے۔"

رسول خداؐ: اگر تم انجیل پر عقیدہ رکھتے ہو تو جناب عیسیٰؑ کے اس قول کے مطابق تمہیں تمام افراد کو خدا کا بیٹا کہنا چاہیے' کیونکہ جناب عیسیٰؑ کہتے ہیں کہ "میں اپنے اور تمہارے باپ کے پاس جارہا ہوں" اس جملے کا تو یہی مفہوم ہے کہ ہم بھی خدا کے بیٹے ہیں اور تم لوگ بھی اور تمہارے اس جملے سے کہ جناب عیسیٰؑ نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ثابت کیا تھا' کیونکہ پہلے والے جملے سے تو وہ صرف اپنے آپ کو نہیں بلکہ تمام لوگوں کو خدا کا بیٹا کہہ رہے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امتیازات اور خصوصیتیں بیٹا ہونے کا معیار ہرگز نہیں ہیں کیونکہ جناب عیسیٰؑ کی زبان سے تمام لوگ خدا کے بیٹے کہے گئے ہیں، ان کے کلام میں ایسی کوئی شرط پائی ہی نہیں جاتی اور اسی بنا پر ہم تمام مومنین اور خدا پرست حضرات کو خدا کا بیٹا کہہ سکتے ہیں۔ تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے قول کو نقل کرتے ہو لیکن اس کے خلاف عمل کرتے ہو۔

جناب عیسیٰؑ کے بارے میں جو لفظ باپ اور بیٹا آیا ہے تم اسے کسی دوسرے معنی پر کیوں نہیں عمل کرتے؟ شاید ان کا مطلب اپنے جملے "میں اپنے اور تمہارے خدا کے پاس جا سکتا ہوں" سے معمولی معنی لیا ہو یعنی میں حضرت آدمؑ اور حضرت نوح علیہ السلام جو تمام لوگوں کے باپ ہیں ان کے پاس جارہا ہوں اور خدا مجھے انہیں لوگوں کے پاس لے جارہا ہے، کیونکہ جناب آدمؑ اور نوح علیہ السلام ہم سب لوگوں کے باپ ہیں' اس بنا پر ہم کیوں حقیقی الفاظ اور ظاہری معنی سے دور بھاگیں اور اس کا مطلب نکالیں؟

گروہ مسیحی اس طرح پیغمبرؐ کا مستدل جواب سن کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا کہ ہم نے آج تک آپ کی طرح مہارت سے مناظرہ کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا آپ ہمیں چند دنوں کی مہلت دیں تاکہ ہم آپ کی باتوں کے متعلق غور و فکر کرسکیں۔

منکرین خدا سے مناظرہ

اب نوبت تیسرے گروہ یعنی منکرین خدا تک پہنچی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''تم اس بات کے معتقد ہو کہ اس جہان ہستی کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ کوئی انجام یہ ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی؟''

منکرین خدا: ''ہاں یہ ہمارا عقیدہ ہے کیونکہ ہم نے جس طرح اس جہان ہستی کو وجود میں آتے نہیں دیکھا اسی طرح ہم اسے فنا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکیں گے لہذا ہم یہی فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ موجودات جہانی ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہیں گی۔''

پیغمبر خداؐ: ''کیا تم نے اس جہانی ہستی کی ہمیشگی اور اس کے قدیم وابدی ہونے کو دیکھا ہے؟ اگر کہتے ہو کہ ہم نے دیکھا ہے تو تمہیں چاہیے کہ عقل، فکر اور قوت بدن کے ساتھ ہمیشہ باقی رہو تا کہ تمام موجودات کی ازلیت وابدیت کو دیکھ سکو جبکہ اس طرح دعوی احساس اور حقیقت کے خلاف ہے اور دنیا کے تمام عقلا تمہارے اس دعوے کو جھٹلا دیں گے۔''

منکرین خدا: ''ہم اس طرح کا دعویٰ نہیں کرتے کہ دنیا کے قدیم ہونے اور تمام موجودات کے باقی رہنے کو ہم دیکھیں گے۔''

پیغمبر خداؐ: ''تم اس طرح ایک طرفہ فیصلہ نہ کرو کیونکہ تم خود اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ ہم نے نہ موجودات کو دیکھا ہے اور نہ اس کے قدیم ہونے کو اور اسی طرح نہ ان کے نابود ہونے کو دیکھا ہے اور نہ باقی رہنے کو پھر کس طرح ایک طرفہ اپنی بات کو ثابت کرتے ہو اور تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ چونکہ ان کی بقاء وفنا ہم نے نہیں دیکھا ہے اس لیے یہ قدیم اور ابدی ہیں؟''

اس کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے عقیدے کو باطل اور موجودات کو حادث ثابت کرنے کے لیے فرمایا۔ رسول خداؐ: ''کیا دن اور رات کو تم اس طرح دیکھتے ہو کہ ہمیشہ سے تھے اور ہمیشہ رہینگے؟''

منکرین خدا: ''ہاں۔''

پیغمبر خداؐ: ''آیا تمہاری نظر میں اس بات کا امکان ہے کہ دن اور رات ایک

جگہ جمع ہو جائیں اور ان کی ترتیب درہم برہم ہو جائے؟"

منکرین خدا: "نہیں"

پیغمبر خدا: "یعنی اس کا مطلب یہ ہے دن اور رات ایک دوسرے سے جدا ہیں اور جب ایک کا وقت ختم ہوتا ہے تو دوسرا آجاتا ہے"

منکرین خدا: "جی ہاں ایسا ہی ہے"

پیغمبر خدا: "یعنی تم نے بغیر دیکھے اس بات کا اقرار کر لیا کہ دن اور رات میں جو بھی مقدم ہوتا ہے وہ حادث ہے۔" پھر آپ نے فرمایا: "تمہارے عقیدے کے مطابق دن اور رات کا کوئی آغاز ہے کہ نہیں یا یہ ازلی ہیں؟

اگر تم یہ کہتے ہو کہ دن اور رات کے لیے آغاز ہے۔ تو ہمارا مقصد ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ کہتے ہو کہ دن اور رات کے لیے کوئی آغاز نہیں تو اس بات کا لازمہ یہ ہے ختم اور منتہی ہو جانے والی شئے کے لیے کوئی آغاز نہیں ہے جس کا یہ مطلب ہوگا کہ جس چیز کی انتہا ہوتی ہے اس کی ابتدا نہیں ہوتی (جب دن اور رات کی انتہا ہونے سے اس کی محدودیت ثابت ہوتی ہے تو عقل یہ بھی کہتی ہے کہ ابتدا ہونے کی وجہ سے وہ محدود بھی ہوگی۔ دن اور رات کی محدودیت کی دلیل اس کی انتہا ہے ایک دوسرے سے جدا ہونا اور ایک کے بعد دوسرے کا پھر سے آنا ہے۔)

اس کے بعد آپ نے فرمایا: "تم کہتے ہو کہ دنیا قدیم ہے۔ آیا تم نے اس عقیدے کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہے یا نہیں؟

منکرین خدا: "ہاں خوب جانتے ہیں آپ کیا کہہ رہیں ہے۔"

پیغمبر خدا: "آیا تم یہ دیکھتے ہو کہ موجودات جہان ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جیسا کہ ایک عمارت کے اجزاء (گارہ، مٹی، پتھر، سیمنٹ اور اینٹ) ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور اپنی بقا میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں؟ اور جب اس دنیا کے تمام اجزا اس طرح تھے تو ہم کس طرح اسے قدیم اور ثابت کہہ سکتے ہیں (۱)۔ اور اگر سچ مچ یہ جان لیں کہ یہ تمام ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور محتاج اجزاء قدیم ہیں تو اگر یہ حادث ہوں تو کیسے ہوں گے۔"

منکرین خدا ان تمام سوالات کے جواب دینے سے عاجز تھے اور حدوث کے معنی بیان کرنے کی طاقت ان میں باقی نہیں رہی کیونکہ جو بھی محدوث کے معنی وہ بیان کرتے لامحالہ وہ ان کے

عقیدہ ''قدیم'' پر منطبق ہو جاتا تھا۔اس طرح وہ جواب دیتے دیتے تھک کر کہنے لگے کہ ہمیں تھوڑی مہلت دیجئے تا کہ ہم اس کے بارے میں غور وفکر کرسکیں۔

ثنویہ سے مناظرہ

اب نوبت ثنویہ کی پہنچی جو اس بات کے معتقد تھے کہ اس جہان ہستی کے دو مدبر اور مبدء ہیں ایک نور کا اور دوسرا ظلمت کا۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثنویہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''تمہارے اس دعوے کی کیا دلیل ہے؟''

ثنویہ: ''ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دنیا دو طرح سے تشکیل دی گئی ہے۔ اس میں یا خیر ونیکی یا شر وبدی۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لہذا ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ دونوں خالق الگ الگ ہیں' کیونکہ ایک خالق دو ایسی چیزوں کی خلق نہیں کرسکتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ مثال کے طور پر یہ محال ہے کہ برف گرمی پیدا کرے اور آگ سردی پیدا کرے۔ اسی دلیل سے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس دنیا کے دو خالق اور دو مدبر ہیں ایک نور کا خالق ہے اور دوسرا ظلمت کا۔''

پیغمبر خداؐ: ''کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ اس دنیا میں طرح طرح کے رنگ، مثلاً سیاہ، سفید، پیلا نیلا وغیرہ وجود رکھتے ہیں۔ یہ تمام کے تمام رنگ ایک دوسرے کی ضد ہیں اور کوئی بھی رنگ دوسرے رنگ کے ساتھ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا ہے جس طرح گرم اور سرد ایک دوسرے کی ضد ہیں اور انکا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے۔''

ثنویہ: ''ہاں ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔''

رسول خداؐ: ''تو پھر تم لوگ ہر رنگ کے لیے الگ خدا کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے؟ تم یہی تو کہتے ہو کہ وہ اشیاء جو ایک دوسرے کی ضد ہیں ان سب کا الگ الگ خالق ہے تو تمہیں تمام چیزوں کے لئے الگ الگ خداؤں کا قائل ہونا چاہیے۔''

پیغمبر خداؐ کے اس سوال نے گروہ ثنویہ کے دانت کھٹے کر دیئے اور گہری فکر میں ڈوب گئے

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا: ''تمہارے عقیدے کے مطابق نور اور ظلمت کس طرح یہ دونوں ایک ہی ساتھ اس دنیا کو چلا رہے ہیں، جبکہ نور کی طبیعت بلندی و ترقی ہے اور ظلمت کی طبیعت تنزلی اور پستی ہے؟ کیا دو ایسے مرد جن میں سے ایک مشرق کی طرف جانے والا ہو اور دوسرا مغرب کی طرف جانے والا ہو تمہارے عقیدے کے مطابق کبھی ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں؟''

ثنویہ: ''نہیں ایسا ممکن نہیں ہے''

پیغمبر اکرمؐ: تو پھر کس طرح نور اور ظلمت ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود اس دنیا کو چلا سکتے ہیں؟ کیا اس چیز کا امکان ہو سکتا ہے کہ دنیا دو متضاد عاملوں کے سبب وجود میں آئی ہو؟ یہ بات تو ممکن ہی نہیں ہے

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ نور و ظلمت دونوں ہی مخلوق اور حادث ہیں جن کا مدبر خداوند قدیم ہے۔

گروہ ثنویہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان سوالوں کے جواب نہ دے سکا اور مارے ذلت کے انہوں نے اپنے سروں کو جھکا لیا اور کہا کہ ہمیں مہلت دی جائے تاکہ ہم اس بارے میں غور و فکر کر سکیں۔

بت پرستوں سے مناظرہ

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچویں گروہ (بت پرستوں) کی طرف رخ کر کے فرمایا ''تم کیوں خدائے واحد کی عبادت سے منہ موڑتے ہو، اور ان بتوں کی پوجا کرتے ہو؟''

بت پرست: ''ہم انہیں بتوں کے وسیلے سے خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرتے ہیں۔''

رسول اکرمؐ: ''کیا یہ بت سنتے ہیں؟ آیا یہ بت خدا کے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی عبادت میں اپنا وقت گزارتے ہیں کہ تم ان کے ذریعے خدا کا تقرب حاصل کرتے ہو؟''

بت پرست: ''نہیں، یہ نہ سنتے ہیں اور نہ خدا کی فرمان کی اطاعت اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔''

رسول اکرمؐ: جب تم ان کے تراشنے اور بنانے والے ہو تو ان بتوں کو چاہیے کہ وہ تمہاری عبادت کریں نہ کہ تم ان کی اور جب ایک خدا تمہیں امور و وظائف کے مصالح اور مفاسد سے واقف ہے تو اسے چاہیے کہ تمہیں بت پرستی کا حکم دے جبکہ خداوند متعال کی طرف اس طرح کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔"

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات یہاں تک پہنچ گئی تو بت پرستوں میں آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

بعض نے کہا کہ خداوند عالم ان لوگوں میں حلول کر گیا ہے جن کے یہ مجسمے ہیں اور ان کی پرستش سے ہمارا مقصد ان لوگوں کا احترام ہے۔

بعض دوسرے بت پرستوں نے کہا کہ ہم نے ان بتوں کے ذریعے مطیع اور پرہیز اشخاص (جو خداوند عالم کے مقرب ہیں) کی شبیہ بنا رکھی ہے اور ہم خدا کی تعظیم واحترام کے لیے ان کی پرستش کرتے ہیں۔

اب بت پرستوں کے تیسرے گروہ نے کہا کہ جس وقت خداوند متعال نے جناب آدمؑ کو خلق کیا تھا اس وقت فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدمؑ کو سجدہ کریں ہم انسان اس سے زیادہ مستحق تھے کہ جناب آدمؑ کا سجدہ کریں لیکن چونکہ ہم اس وقت موجود نہیں تھے اس لیے اس سے محروم ہو گئے اسی وجہ سے ہم آج آدمؑ کی شبیہ بنا کر اس کی پرستش کرتے ہیں تا کہ اس محروم سجدہ کی تلافی ہو سکے اور جس طرح فرشتوں نے خدا کا تقرب حاصل کیا تھا اسی طرح ہم بھی اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں اور جس طرح آپ نے اپنے ہاتھوں سے محراب بنایا ہے اور کعبہ کے اطراف اور اس کے مقابل میں خدا کی تعظیم کے لیے سجدہ کرتے ہیں ہم بھی اسی طرح ان بتوں کے سامنے سر جھکا کر خدا کی تعظیم اور احترام کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں دستوں کو الگ الگ اس طرح جواب دیا۔

آپ نے پہلے گروہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔"تم جو یہ کہتے ہو کہ خداوند متعال ہیکل اور مجسمہ کی شکل میں ان بتوں میں حلول کر گیا ہے اور مطیع و فرمانبردار بندوں کی شبیہ بنا کر ان کی پرستش کرتے ہو تو تم نے اپنے اس بیان سے خداوند متعال کی تعریف مخلوقات کی طرح کر دی، کیا تم نے اسے محدود و حادث جان رکھا ہے کیا خداوند عالم کسی محدود اور حادث شئے میں حلول کر سکتا ہے؟

اس بنا پر خدا اور چیزوں میں کیا فرق رہ گیا جو دوسروں میں حلول کرتی ہیں جیسے رنگ، بو، ذائقہ، نرمی، سختی، وزن اور سبکی وغیرہ میں اور اس بنیاد پر تم کس طرح کہتے ہو کہ جس میں خدا نے حلول کیا ہے وہ حادث اور محدود ہے اور خود حلول ہونے والا لامحدود اور قدیم ہے۔ جبکہ اصل اس کے خلاف ہونا چاہیے کہ جس میں کوئی حلول کرے وہ قدیم اور لامحدود ہونا چاہیے اور جو حلول کرے اسے حادث اور محدود ہونا چاہیے۔

اس طرح کیسے یہ بات ممکن ہے کہ جو خدا کائنات کی تمام اشیاء سے پہلے مستقل اور غنی تھا اور کوئی جگہ اور محل نہیں رکھتا تھا تو وہ کیسے کسی جگہ کا محتاج ہو گیا اور اس جگہ میں حلول کر گیا۔ خداوند متعال کو موجودات میں حلول کو جائز کر کے تم نے اپنے عقیدے کے مطابق خدا کو تمام موجودات کی طرح حادث اور محدود کر دیا اور اس مطلب کا لازمہ یہ ہوا کہ خداوند متعال قابل تغیر وزوال ہے کیونکہ جو چیز بھی حادث اور محدود ہوگی وہ قابل تغیر وزوال ہوگی۔ اور اگر تم اس بات کے معتقد ہو کہ حلول کرنا، تغیر وزوال کا موجب نہیں ہوتا تمہیں چاہیے کہ حرکت، سکون اور مختلف رنگوں، سیاہ، سفید، لال، پیلے کو بھی قابل تغیر اور زوال نہ سمجھو۔ اب بتاؤ یہ درست ہے کہ ہر طرح کے عوارض اور حالات خدا پر عارض ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں تم خداوند متعال کو محدود اور حادث موجودات کی طرح توصیف کرتے ہو اور اسے تمام مخلوقات کی طرح شبیہ جانتے ہو؟ اور جب ہیاکل اور مجسموں میں خدا کے حلول کا عقیدہ بے بنیاد اور پوچ ہو تو لامحالہ بت پرستی کا بھی عقیدہ غلط اور پوچ ثابت ہوگا۔

پہلا دستہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس استدلالی بیان سے گہری سوچ میں ڈوب گیا اور کہنے لگا کہ ہمیں کچھ مہلت دیجئے تاکہ ہم اس کے بارے میں فکر کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے دستے کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے فرمایا: "تم مجھے یہ بتاؤ کہ جب تم پرہیزگار بندوں کی صورتوں کے سامنے سر جھکاتے ہو اور ان کے سامنے نماز پڑھتے ہو اور سجدہ کرتے ہو اور ان چہروں کے سامنے سجدہ کے عنوان سے اپنی پیشانیاں ان کے سامنے خم کرتے ہو تو اب یہ بتاؤ کہ خداوند متعال کے لیے کیا خضوع اور خشوع رہ گیا؟

اس سے زیادہ واضح عبارت میں کہ سب سے زیادہ خضوع اور خشوع کی علامت سجدہ ہے اور تم لوگ ان مجسموں کے سامنے سجدہ کرتے ہو تو یہ بتاؤ کہ اس سے زیادہ خضوع اور خشوع کا کون سا طریقہ بچ جاتا ہے کہ جسے تم خدا کے لیے مخصوص قرار دیتے ہو اور اگر یہ کہتے ہو کہ خدا کے سامنے بھی

ہم سجدہ کرتے ہیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور ان بندوں کے مجسموں کو برابر سمجھتے ہو سچ سچ بتاؤ کہ کیا ان بتوں کی تعظیم و احترام خدا کی تعظیم و احترام کے برابر ہے مثال کے طور پر اگر تم ایک حاکم کے نوکر کے برابر اس کا احترام کرو تو کیا یہ احترام جس سے تم بڑے اور چھوٹے کو ایک درجے میں قرار دیتے ہو بڑے کی اہانت نہیں ہے؟

بت پرستوں کا دوسرا دستہ :"کیوں نہیں لامحالہ یہی ہوگا۔"

پیغمبر اسلامؐ:"اس بنا پر تم ان بتوں کی پرستش کر کے (جو تمہارے عقیدے کے مطابق پرہیز گار بندوں کے مجسمے ہیں) درحقیقت خداوند متعال کے مقام وعظمت کی توہین کرتے ہو۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منطقی اور استدلالی بات سن کر یہ لوگ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگے کہ ہمیں کچھ مہلت دیجئے تا کہ ہم اس کے بارے میں غور وفکر کر سکیں۔

اب تیسرے دستے کی نوبت پہنچی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا۔"تم نے اپنی مثال سے اپنے آپ کو مسلمانوں سے تشبیہ دی ہے۔ اس بنا پر کہ بتوں کے سامنے سجدہ کرنا گویا خانہ کعبہ یا آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے جیسا ہے لیکن ان دونوں چیزوں میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے یہ بات کسی بھی طرح قابل قیاس نہیں ہے۔ ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ خدا ہمارا پروردگار ہے اور جس طرح وہ ہمیں اپنی عبادت کا حکم دے گا اسی طرح ہم اس کی عبادت کریں گے اور کسی بھی طرح ہم اس کے فرمان کی حد سے آگے نہیں بڑھیں گے اور نہ ہی کسی طرح کا جعلی طریقہ اس کی عبادت کے لیے معین کریں گے کیونکہ ہم اس بات پر قادر نہیں ہیں کہ اپنی تکالیف اور وظیفوں کو سمجھ سکیں۔ خدا نے اسی وجہ سے بعض چیزوں کو ہم سے چاہا اور بعض چیزوں سے منع کیا ہے اور اس لیے ہم کو کسی بھی طرح سے اپنے حکم کے آگے بڑھنے سے روکا ہے۔ اور چونکہ اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ عبادت کرتے وقت ہمارا چہرہ کعبہ کی طرف ہو اسی لیے ہم اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مطابق پوری دنیا میں کہیں بھی ہوں کعبہ کے طرف رخ کر کے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم اپنے ان اعمال کی بنا پر خداوند عالم کی اطاعت سے ہرگز دور نہیں ہوتے اور خدا نے جناب آدمؑ کو جو سجدہ کرنے کا حکم دیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم ان کے مجسمے کو بھی سجدہ کرنے لگو کیونکہ بہر حال آدمؑ کا مجسمہ اور ہے اور آدم کچھ اور ہیں تمہیں اسی حکم کی بنا پر قطعاً قیاس نہیں کرنا چاہیے ممکن ہے کہ خدا اسی سے راضی نہ ہو کیونکہ اس نے تمہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''مثال کے طور پر اگر کوئی تمہیں کسی معین دن کسی معین گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے تو کیا تمہارے لیے جائز ہے کہ تم کسی غیر معین دن میں بھی بغیر اس کے حکم اور اجازت کے اس کے گھر میں داخل ہو؟ یا کسی شخص نے تمہیں اپنے کپڑوں اور غلاموں میں کسی ایک لباس یا ایک غلام کو ہدیہ میں دے دیا تو کیا تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ تم دوسرا کپڑا اور دوسرا غلام یا دوسرا حیوان جو بالکل ہدیے میں دیئے جانے والی کی طرح ہے تصرف میں لاؤ۔''

بت پرستوں کا تیسرا دستہ: ''نہیں ہمارے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے کے لیے اجازت دی ہے نہ کہ دوسرے کے لیے۔''

رسول اکرمؐ: ''اچھا یہ بتاؤ کہ اس بات کا زیادہ حقدار خدا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی ملکیت میں تصرف نہ کیا جائے یا دوسرے لوگ؟''

بت پرستوں کا تیسرا گروہ: ''یقیناً خدا سب سے زیادہ اطاعت کا مستحق ہے، اس کی اجازت کے بغیر اس کی ملکیت میں تصرف صحیح نہیں ہے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''پھر تم کیوں خدا کی اجازت کے بغیر بتوں کا سجدہ کرتے ہو؟

بت پرستوں کا تیسرا گروہ بھی حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا کہ ہمیں کچھ مہلت دیں تا کہ ہم غور کریں۔''

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''اس خدا کی قسم جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا ہے۔ ابھی آپ کے ان مناظروں کو گزرے تین دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ یہ تمام لوگ آپ کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے'' ہم نے آپ کے دلائل کی مثال نہیں دیکھی ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔

(۱) احتجاج طبری ج ۱ ص ۱۶ سے ۲۴ تک۔

پیغمبرؑ خدا کا قریش کے سرداروں سے مناظرہ

ایک عجیب واقعہ جو مناظرے کی شکل میں آپ کے اور قریش کے سرداروں کے درمیان وجود میں آیا یہ ہے۔

(۱) ایک روز پیغمبر اکرمؐ خانہ کعبہ کے کنارے اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے قرآنی آیات اور احکام اسلام کی تبلیغ میں معروف تھے۔ اسی دوران قریش کے بعض سرکردہ افراد جو تمام کے تمام مشرک تھے۔ جیسے ولید بن مغیرہ، ابوالبختری، ابن ہشام، ابوجہل، عاص بن وائل، عبداللہ بن حذیفہ، عبداللہ بن مخزومی، ابوسفیان عتبہ اور شیبہ ایک حلقہ بنا کر جمع ہو گئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے محمدؐ کا تبلیغ کا کام روز بروز رونق و ترقی پاتا جارہا ہے لہذا ضروری ہے کہ ہم ان کے پاس جا کر اس کی مذمت کریں اور ان کے دوستوں اور اصحاب کے سامنے ان کے اس مذہب کے پوچ اور گھٹیا استدلال کو رد کریں۔ اب اگر باتوں کو قبول کر لیتے ہیں اور اپنے اس نئے مذہب سے منحرف ہو کر اپنے اس طرح کے کاموں سے ہاتھ روک لیتے ہیں تو اس طرح ہم لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے ورنہ شمشیر کے ذریعے ان کا کام تمام کر دیا جائے گا۔

ابوجہل نے کہا: تم لوگوں میں کون ہے، جو ہم لوگوں کا نمائندہ بن کر محمدؐ سے بحث و مناظرہ کرے؟

عبداللہ مخزومی نے کہا۔ ”میں ان سے بحث کے لیے تیار ہوں اگر مجھے تم لوگ بہتر سمجھو تو میری طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

ابوجہل نے اس کی بات کو پسند کیا اور سب کے سب متفق ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔

عبداللہ مخزومی نے اپنی بات شروع کی، جس میں موضوع کو اعتراض کی شکل میں بیان کیا۔ اس کے اعتراض پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ”کیا ابھی تمہاری بات باقی ہے؟

---

(۱) قرآن میں اس واقعے کی طرف سورہائے فرقان، ۷- اسراء، ۹۰ سے ۹۵- زخرف ۳۱ میں اشارہ ہوا ہے)

''وہ کہتے'' ہاں۔ ''اور اس طرح وہ اپنی بات کو بڑھاتے بڑھاتے ایک بار کہنے لگا۔ ''بس

اتنا بہت ہے

اور اگر آپ کے پاس ان کا جواب ہے تو ہم لوگ اس کو سننے کے لیے تیار ہیں۔''

اس کے دس اعتراضات اس ترتیب سے تھے:

۱--- تم تمام لوگوں کی طرح کھانا کھاتے ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسروں کی طرح کھانا نہیں کھانا چاہیے؟

۲--- تم صاحب مال و دولت کیوں نہیں ہو جبکہ نمائندہ خدا کو ایک بادشاہ کے نمائندے کی طرح صاحب مال و دولت ہونا چاہیے؟

۳--- تمہارے ساتھ ایک فرشتہ ہونا چاہیے جو تمہاری تصدیق کرے اور ہم بھی اس فرشتے کو دیکھیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی فرشتوں ہی میں سے ہو؟

۴--- تم ایک مسحور کن شخص ہو اور اسی طرح تم سحر کرنے والوں کی طرح ہو؟

۵--- قرآن مشہور و معروف شخص جیسے ولید بن مغیرہ یا عروہ طائفی پر کیوں نہیں نازل ہوا؟

۶--- ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لا سکتے جب تک کہ تم اس ریگزار اور سنگلاخ وادی میں ہمیں پینے کے چشمہ نہ جاری کر دو اور خرمہ اور انگور کے باغ پیدا نہ کر دو؟

۷--- بادل کے ٹکڑوں یا آسمان کو ہمارے سروں پر گراؤ؟

۸--- یا اپنے خدا اور فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے حاضر کرو؟

۹--- یا تمہارے پاس سونے سے بھرا ہوا ایک گھر ہو؟

۱۰--- یا آسمان کی بلندی سے تم ایک خط خدا کی طرف سے نازل کراؤ تاکہ ہم لوگ اسے پڑھیں؟ (یعنی خدا مشرکوں کے لیے ایک خط لکھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نبی ہیں تم ان کی پیروی کرو۔)

ان دس امور کے انجام دینے کے بعد بھی ہم اس بات کا وعدہ نہیں کرتے کہ تمہارے پیغمبر ہونے کے سلسلے میں ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو جائے گا کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ تم ان تمام امور کو جادو سے یا نظر بندی سے انجام دے دو۔

مشرکوں کے تمام اعتراضات اور کے جوابات

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن مخزومی کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا:

۱--- کھانا کھانے کے بارے میں تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ صلاح اور اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے جس طرح وہ چاہتا ہے حکومت کرتا ہے اور کسی کے لیے یہ بھی روا نہیں کہ اس پر اعتراض کرے۔ وہ بعض کو غنی، بعض کو فقیر، بعض کو عزیز و محترم اور بعض کو ذلیل و رسوا، بعض کو سالم اور بعض کو مریض کرتا ہے (البتہ یہ تمام چیزیں انسان کی بھلائی اور اس کی شائستگی کے لحاظ سے ہوتی ہیں) ان صورتوں میں کوئی بھی شخص اس پر اعتراض اور شکایت نہیں کرسکتا۔

جو شخص بھی اس پر اعتراض اور شکایت کے لیے زبان کھولے وہ منکر خدا اور کافر ہے کیونکہ خداوند متعال اس جہان ہستی کا مالک ہے وہ تمام امور کے مصالح کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور جو چیز لوگوں کے لئے بہتر ہوتی ہے وہ اسی کو انجام دیتا ہے۔ تمام لوگوں کو چاہیے کہ اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کردیں۔ جو شخص خدا کے حکم کا مطیع اور فرمانبردار ہوگا وہ مومن ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو گنہگار ہے اور اسے سخت عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس کے بعد آپ نے سورہ کہف کی یہ آیت پڑھی:

''اے رسول! کہہ دو کہ میں (بھی) تم لوگوں کی طرح انسان ہوں لیکن مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا پروردگار وہی ایک خدا ہے۔''

جس طرح خداوند متعال نے افراد بشر میں کسی نہ کسی کو کچھ نہ کچھ خاصیتیں عنایت فرمائی ہیں اور جس طرح تم بعض افراد کے سلسلے میں فقیر، غنی، شریف اور خوبصورت کی نسبت دیتے ہو، اس سلسلے میں تم اعتراض کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ تمہیں چاہیے کہ ہر حال میں حکم خداوند متعال کے مطیع و فرمانبردار رہو، اس کی نبوت و رسالت کے سامنے سر تسلیم خم کردو اور چون و چرا نہ کرو۔

۲--- اور تم جو یہ کہتے ہو کہ تمہارے پاس مال و دولت کیوں نہیں ہے جبکہ نمائندہ خدا کو روم و ایران کے بادشاہوں کی طرح صاحب دولت ہونا چاہیے بلکہ خدا کو چاہیے کہ اس چیز پر

خاص طور پر توجہ کرے؟ تو تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تم لوگ تو اس طرح خدا پر اعتراض کرتے ہو اور یوں بھی تمہارا یہ اعتراض بالکل بے جا اور غلط ہے۔ کیونکہ خداوند متعال اپنے امور میں بندوں کے لیے اچھا جاننے والا ہے اور وہ جس کام میں بہتری سمجھتا ہے اسی کو انجام دیتا ہے۔ اسے دوسرے کی رضایت اور موافقت کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہیں خدا کے امور کو بندوں کے امور سے مقایسہ نہیں کرنا چاہیے۔ یاد رہے کہ بعثت پیغمبر کا ہدف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی عبادت کے لیے دعوت دیں۔ پیغمبر کو چاہیے کہ وہ پوری کوشش اور مستقل مزاجی سے لوگوں کی شب و روز ہدایت کرے۔ اگر پیغمبر صاحب دولت اور ثروت (جس طرح متکبرین، دولت و ثروت کے مالک ہوتے ہیں) ہو جائیں تو معمولی فقیر و مساکین کی با آسانی ان تک رسائی نہیں ہوگی کیونکہ مال و دولت والا شخص ہمیشہ محل میں جلوہ افروز رہتا ہے اور اس کے در و دیوار فقراء مساکین کی خدمت سے مانع ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بعثت کا مقصد انجام نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اس طرح پیغمبر کی تعلیم و تربیت رک جائے گی اور نبوت کا معنوی مقام و منزلت ظاہری مال و متاع سے تباہ و برباد و بے اثر ہو جائے گا۔ بیشک جب بادشاہ اور حکمراں اپنے عوام سے دور ہو جاتے ہیں تو مملکت کا نظم و ضبط مختل ہو جاتا ہے اور ملک میں لوگوں کے درمیان فساد اور افراتفری کا رواج عام ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ خداوند متعال نے مجھے دولت و ثروت اس لیے نہیں دی کہ وہ تمہیں اپنی قدرت و طاقت دکھا دے۔ اسی حال میں وہ اپنے رسول کی مدد کرے گا، اس کو تمام مخالفوں اور دشمنوں پر کامیابی عطا کرے گا اور یہی چیز پیغمبر کی رسالت پر سچی دلیل ہے اور تمہاری بے بسی، قدرت خدا کی حکایت کرتی ہے۔ (کہ اس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر کسی دولت و سلطنت اور لسکر کے تم پر غالب قرار دے گا) خدا مجھے بہت جلد تم پر کامیاب کرے گا اور تم اس بات کی قدرت نہیں رکھتے کہ میرے مشن کو آگے بڑھنے سے روک سکو اور مجھے قتل کر سکو؛ میں بہت جلد آئندہ دنوں میں تم پر مسلط ہوں گا تمہارے مشہور شہر میرے اختیار میں ہوں گے اور تمام مخالفین اور دشمن اسلام مومنین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔

۳--- اور یہ جو تم کہتے ہو کہ میرے ساتھ ایک فرشتہ ہو اور وہ میری تصدیق کرے بلکہ خود

فرشتوں ہی میں سے کوئی پیغمبر ہونا چاہیے تو یہ بات بھی تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ فرشتے کا جسم ہوا کی طرح لطیف ہوتا ہے جسے دیکھا نہیں جا سکتا ہے اور اگر بالفرض تمہاری آنکھوں کی روشنی بڑھ جائے تو تم فرشتوں کو دیکھ بھی لو تو دیکھنے کے بعد تم کہو گے یہ فرشتہ نہیں بلکہ انسان ہے' یعنی انسان کی صورت میں ہو گا تا کہ تم سے ارتباط برقرار کر سکے، بات کر سکے اور اپنے ہدف و مقصد کو تمہیں سمجھا سکے' اس صورت کے علاوہ تم کیسے سمجھ سکو گے کہ وہ فرشتہ ہے' انسان نہیں اور جو کچھ کہتا ہے حق ہے؟

اور پھر خداوند متعال نے اپنے پیغمبروں کو معجزہ دیکر بھیجا ہے جس کے انجام دینے سے دوسرے لوگ عاجز ہیں اور یہی معجزہ اس کے پیغمبر ہونے کی واضح اور سچی دلیل ہے۔ لیکن اگر کسی فرشتہ سے معجزہ ظاہر ہوا تو تم کیسے یہ سمجھو گے اور کیسے یہ تشخیص دے پاؤ گے کہ اس فرشتے نے جو معجزہ انجام دیا ہے دوسرا فرشتہ اس کام کو انجام نہیں دے سکتا؟ اس بنا پر فرشتوں کا معجزہ پرندوں کی پرواز کی طرح ہے کہ جس سے افراد بشر عاجز ہیں لیکن یہ چیز خود ان کے درمیان معجزہ نہیں ہے۔ اگر انسان پرندوں کی طرح پرواز کرے تو یہ معجزہ ہے۔

۴--- اور جو یہ کہتے ہو کہ ہم پر جادو کیا گیا ہے تو اس طرح کی نسبت دینا کیسے صحیح ہے جبکہ میں اس وقت صحت عقل اور کسی بھی چیز کی تشخیص دینے میں تم سے برتری رکھتا ہوں میں نے تمہارے درمیان اچھی خاصی زندگی گزاری ہے اور روز اول سے چالیس سال تک تمہارے ساتھ رہا ہوں اور اس چالیس سالہ زندگی کے عرصہ میں تم لوگوں نے میری کوئی چھوٹی سے چھوٹی غلطی، خیانت، لغزش یا غلط بیانی نہیں دیکھی ہے۔

اگر کوئی شخص پوری صحت و سلامتی کے ساتھ قدرت خداوند کے طفیل میں چالیس سال تمہارے درمیان امانت داری اور صداقت سے زندگی گزارے تو کیا اس کے لیے سحر اور جادو کی نسبت دینا درست اور شائستہ ہے؟ اسی وجہ سے خداوند عالم تمہارے جواب میں کہتا ہے ۔''اے رسول دیکھو کہ مشرک تمہارے بارے میں کس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ انحراف کی راہ پر ہیں اور ہدایت حاصل نہیں کر سکتے۔''

سورہ اسراء آیت ۴۸)

۵--- اور جو تم نے یہ کہا کہ قرآن مشہور و معروف شخصیت جیسے ''ولید بن مغیرہ مکی'' ''یا عروہ بن

مسعود طائی'' پر کیوں نازل نہیں ہوا تو تمہیں اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ شہرت اور مقام ومنزلت خداوند عالم کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے اور اگر دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کی قدر ومنزلت خدا کے نزدیک مکھی کے بال برابر بھی ہوتی تو خداوند عالم کبھی بھی ان کافروں اور مخالفوں کو عطا نہ کرتا۔ ساری تقسیمات خدا کی طرف سے ہیں اور کوئی بھی شخص اس پر اعتراض یا شکایت کا حق نہیں ر کھتا ہے کیونکہ خداوند متعال اپنی نعمت اور اپنے عطیے کو بندوں کے درمیان اپنی رائے اور منشاء کے مطابق تقسیم کرتا ہے اور بغیر کسی خوف کے جس کو جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ یہ تم ہو کہ اپنے اقدامات میں مختلف جہتوں سے مختلف نظریہ رکھتے ہو اور اپنے کاموں کو ہوا وہوس اور خوف کی بنیاد پر انجام دیتے ہو جو کہ حقیقت اور عدالت کے خلاف ہے اور لوگوں میں خاص افراد کا بے بنیاد احترام کر کے غلط راستہ طے کرتے ہو لیکن خداوند متعال کے تمام کام حقیقت اور عدالت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ جاہ ومقام کا چھوٹے سے چھوٹا اثر بھی خدا کے ارادے میں دخل اندازی نہیں کرسکتا۔ یہ تم ہو جو اپنی ظاہری اور سطحی نظر کی بنا پر دولت اور مشہور ومعروف لوگوں کو پیغمبری کیلئے دوسروں سے بہتر سمجھتے ہو لیکن خداوند عالم نے رسالت کی بنیاد فضائل اخلاقی، روحی اور معنوی شائستگی اور فرمانبرداری قرار دی ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ خداوند متعال اپنے تمام امور میں خود مختار ہے اور ایسا نہیں ہے کہ اس نے اگر کسی کو دنیا کی نعمتوں سے مال وثروت اور شہرت دی تو وہ مجبور ہے کہ اسی کو مقام نبوت بھی عنایت کرے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کو خوبصورتی دی ہے تو مال ومتاع نہیں دیا آیا ان میں سے کسی ایک بات پر بھی خدا پر اعتراض کیا جاسکتا ہے؟

[(۱) یہاں پر امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ سورہ زخرف کی ۳۲ ویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔]

۶--- اور جو تم نے یہ کہا کہ ''ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم اس بیابان اور سنگلاخ وادی میں پانی کا چشمہ جاری نہ کراؤ۔'' تو تمہارا یہ تقاضا نادانی اور جہالت کی بنیاد پر ہے کیونکہ مکہ کی سرزمین میں پانی کا چشمہ جاری کرنا اور باغ پیدا کرنا مقام نبوت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے جیسا کہ تم لوگ شہر طائف میں زمین اور باغ کے مالک ہو لیکن

نبوت کا دعویٰ نہیں کرتے ہو اور ایسے بہت سے لوگوں کو تم جانتے بھی ہو جنہوں نے زحمت کر کے باغات لگائے اور چشمے بھی جاری کئے لیکن انہوں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور اس طرح کے تمام کام معمولی کاموں میں شمار ہوتے ہیں اور اگر میں ایسا کروں بھی تب بھی یہ کام میری نبوت کے لیے دلیل نہیں بن سکیں گے۔

تمہارا یہ تقاضا اس طرح کا ہے کہ تم کہتے ہو ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ تم لوگوں کی طرح کھانا کھاتے ہو اور لوگوں کے ساتھ راستہ چلتے ہو اور اگر میں اپنی نبوت کے اثبات کے لیے اس طرح کے معمولی کام انجام دوں اور اس پر تکیہ کرلوں تو گویا میں نے لوگوں کو دھوکا دیا اور ان کی جہل و نادانی سے سوء استفادہ کیا اور مقام نبوت کو پوچ اور معمولی کام سمجھا جبکہ مقام نبوت فریب اور حیلہ اور دھوکہ دھڑی سے بالکل پاک و منزہ ہے۔

۷--- جو تم نے یہ کہا کہ ''آسمان کو بادل کی صورت میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے سروں پر برساؤ'' تو تمہیں یہ جان لینا چاہیے کہ آسمان کا نیچے گرنا تمہارے لیے ہلاکت کا سبب بنے گا جبکہ بعثت اور پیغمبری کا ہدف لوگوں کی راہنمائی، سعادت، خوشبختی اور خدا کی نشانیوں کی عظمت لوگوں کو بتانا ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حجت اور برہان کا تعین خدا کے ہاتھ میں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ لوگ اپنی سطحی اور ظاہری فکر کی بنا پر ایسے تقاضے کریں جو نظام و مصلحت کے خلاف ہوں اس لیے کہ ہر شخص اپنی ہوا و ہوس اور خواہش کی بنیاد پر تقاضا کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اگر ہر انسان کے تقاضے کو پورا کیا جائے تو نظام میں خلل واقع ہوتا ہے اور بعض موقع پر ان کے تقاضے تو ایک دوسرے کی ضد میں نقیض ہوں گے۔

کیا تم نے کسی ڈاکٹر کو دیکھا ہے کہ وہ مریض کا علاج کرتے وقت مریض کی خواہش کے مطابق اس کا نسخہ لکھے یا کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ وہ کسی بات کا دعوی کرے لیکن دلیل اس کے منکر کی مریض کی خواہش کے مطابق لائے؟ یہ بات مسلم ہے کہ اگر علاج میں ڈاکٹر مریض کا پیرو ہو تو مریض کی بیماری کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اگر مدعی اس بات پر مجبور ہو کہ اپنے مخالفوں کی خواہش کے مطابق اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے دلیل لائے تو اس صورت میں کسی ایک کی بھی بات ثابت نہیں ہوگی۔ اور مظلوم و ناچار اور سچے افراد کی بات کبھی ظالم اور دروغ گو کے

سامنے ثابت نہیں ہو سکے گی۔

۸--- اور جو تم یہ کہتے ہو کہ ''خدا اور فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے حاضر کرو تا کہ ہم انہیں دیکھ سکیں'' تو تمہاری یہ بات بے بنیاد اور غیر منطقی ہے یہ چیز بالکل محال ہے کیونکہ خداوند متعال اس صفت سے پاک ہے جس کے ذریعے اسے دیکھا جاسکتا ہے بلکہ وہ مخلوقات کی تمام صفات سے پاک و منزہ ہے۔

تم خداوند متعال کو ان بتوں سے تشبیہ دیتے ہو جن کی تم پرستش کرتے ہو اور ان سے اسی طرح کا تقاضا کرتے ہو۔ ان بتوں میں بے حد نقص و ضعف پائے جاتے ہیں اور یہ تمہارے ان تقاضوں کیلئے مناسب ہیں نہ کہ خداوند پاک کے لیے۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک ایسی مثال پیش کی جو بہت ہی واضح اور اچھی طرح مفہوم کو سمجھانے والی تھی کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ خدا کو دکھانا محال نہیں ہے تو بھی ان کی یہ بات معقول نہیں ہے۔ وہ مثال یہ ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ مخزومی سے کہا۔ ''کیا مکہ میں تمہارے پاس زمین و جائیداد اور باغ وغیرہ ہے؟ اور اس کی دیکھ بھال کے لیے اپنی طرف سے کوئی نمائندہ بنایا ہے یا نہیں؟''

عبداللہ: ''ہاں میرے پاس باغ و ملک اور نمائندہ ہے۔''

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :۔ ''کیا تم خود بخود باغ و ملک کی دیکھ بال کرتے ہو یا نمائندے کے ذریعے کراتے ہو؟''

عبداللہ: ''نمائندہ کے ذریعے''

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :'' اگر ایک نمائندے کو زمین اجارہ دو یا بیچ دو تو کیا دوسروں کا اعتراض کرنا اور یہ کہنا بجا ہے کہ ہم خود مالک سے رابطہ کریں گے اور ہم تمہاری نمائندگی اس وقت قبول کریں گے جب مالک خود آجائے اور تمہاری باتوں کی تصدیق کرے؟''

عبداللہ''۔ دوسرے لوگ اس طرح کا اعتراض نہیں کر سکتے۔''

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''ہاں یہ ضروری ہے کہ تمہارے نمائندے کے پاس کوئی ایسی دلیل ہونی چاہیے کہ جس سے پتہ چلے کہ وہ واقعی تمہارا نمائندہ ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ اس کے پاس کیا ہونا چاہیے جس سے اس کی نمائندگی ثابت ہو کیونکہ یہ بھی مسلم ہے کہ بغیر کسی دلیل کے اس کی

نمائندگی کی لوگ تصدیق نہیں کریں گے۔

عبداللہ: "بے شک اس کے پاس کوئی نہ کوئی دلیل ہونی چاہیے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "اگر لوگ اس کی سچی دلیل کو قبول نہ کریں تو کیا وہ اس بات پر حق رکھتا ہے کہ اپنے مالک کو لوگوں کے سامنے حاضر کرے اور اس پر یہ فریضہ عائد کرے کہ تم ان کے سامنے حاضر ہو؟ سچ بتاؤ کیا کوئی عاقل نمائندہ اس طرح اپنی مالک کے لیے کر سکتا ہے؟

عبداللہ: "نہیں اسے چاہیے کہ وہ اپنے فرائض پر عمل کرے اور اسے یہ حق نہیں کہ وہ مولا پر کوئی حکم لگائے۔"

پیغمبر اسلامؐ: "جب تم ان تمام باتوں کا اعتراف کر رہے ہو تو کس طرح خدا کے نمائندے رسول کیلئے انہیں باتوں پر اصرار کرتے ہو کہ رسول کو چاہیے کہ اپنے مولا کو ہم لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ میں بھی خداوند متعال کے نمائندے اور رسول سے زیادہ کچھ نہیں ہوں۔ میں کس طرح اپنے مولا (خدا) پر کوئی حکم لگا سکتا ہوں اور اس کیلئے کوئی وظیفہ معین کر سکتا ہوں کیونکہ خداوند متعال پر کسی طرح کا کوئی حکم لگانا رسالت کے وظیفے کے خلاف ہے۔"

اور اس طرح تمہارے تمام سوالوں کے جوابات جیسے فرشتے کو حاضر کرنا وغیرہ واضح ہو جاتے ہیں۔

۹--- اور تم نے جو یہ کہا کہ میرے پاس سونے سے بھرا ہوا گھر ہونا چاہیے تو یہ بھی بالکل بے بنیاد بات ہے کیونکہ دولت و ثروت، سونا اور چاندی سے مقام رسالت کا کوئی تعلق نہیں ہے مثال کے طور پر بادشاہ مصر کے پاس سونے سے بھرا ہوا گھر ہے تو کیا وہ اسی دلیل سے ادعائے نبوت کر سکتا ہے؟"

عبداللہ: "نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا ہے۔"

پیغمبر اکرمؐ:-"میرے پاس بھی سونا چاندی ہونا میری پیغمبری کے سچے ہونے پر کوئی دلیل نہیں بن سکتا ہے۔ میں خدا کی نشانیوں کو چھوڑ کر ایسی بے بنیاد دلیل کے ذریعے کم علم اور نادان لوگوں پر اپنی رسالت ثابت نہیں کر سکتا۔"

۱۰--- اور جو تم نے یہ کہا کہ "میں آسمان پر جاؤں اور خدا کی طرف سے تمہارے لئے ایک خط لاؤں" تو اس طرح کی باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو حق

قبول کرے کیونکہ تم لوگ صرف آسمان پر جانے سے اکتفا نہیں کر رہے ہو بلکہ ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہو کہ ہمارے لئے آسمان سے خط بھی لایا جائے۔

یہ بات مسلم ہے کہ اگر میں خط بھی لا دوں تو بھی تم اسے قبول نہیں کرو گے اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر میں ان کاموں کو انجام دے بھی دوں تب بھی یہ ممکن ہے کہ تم لوگ ایمان نہ لاؤ' لیکن یہ جان لو کہ اس بغض وعناد کا نتیجہ صرف عذاب ہے اور تم اپنے پروگرام کی وجہ سے اس بات کے مستحق ہو کہ خداوند متعال تمہیں عذاب میں مبتلا کرے۔

تمہارے تمام سوالوں کا جواب خداوند متعال کے صرف اس جملہ میں خلاصہ کے طور پر بیان ہوتا ہے ''میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں اور خدا کی طرف سے اس بات کے لیے معین کیا گیا ہوں کہ اس کے احکام تم تک پہنچاؤں۔ اور میرے پاس یہی قرآن معجزہ اور میری نبوت کی دلیل ہے اور میں تمہارے بے جا تقاضوں کی وجہ سے خدا پر نہ کوئی حکم لگا سکتا ہوں اور نہ کسی بھی طرح کی اس پر تکلیف عائد کرسکتا ہوں۔''

ابوجہل کی خواہش

ابوجہل نے کہا: ''کیا تم یہ نہیں کہتے کہ جب قوم موسیٰؑ نے اس بات کی خواہش کی کہ موسیٰؑ انہیں اپنا خدا دکھائیں تو خداوند عالم ان پر غضبناک ہوا اور بجلی کے ذریعے انہیں خاکستر کر دیا۔؟''

پیغمبر اکرمؐ:۔ ''کیوں نہیں۔ ایسا ہی ہے''

ابوجہل:۔ ''ہم قوم موسیٰؑ سے بلند اور بڑی خواہش رکھتے ہیں۔ ہم ہرگز اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم اپنے خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے حاضر نہیں کرو گے۔ اب تم ہماری اس خواہش کی بنا پر اپنے خدا سے کہو کہ وہ ہمیں جلا دے یا نابود کر دے؟''

پیغمبر اکرمؐ: ''کیا تم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داستان میں یہ نہیں سنا ہے کہ وہ مقام وعظمت میں بہت ہی بلند تھے اور خداوند متعال نے انہیں خاص بصارت عطا کی تھی کہ وہ زمین پر لوگوں کے ظاہری اور باطنی اعمال کا مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی دوران جناب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک مرد اور عورت زنا کر رہے ہیں۔ آپ نے ان کے لئے بددعا کی وہ ہلاک ہو گئے۔ پھر

دیکھا کہ دوسرے مرد اور عورت زنا کر رہے ہیں ان کیلئے بھی بددعا کی وہ بھی ہلاک ہو گئے۔ پھر تیسرے مرد اور عورت کو دیکھا کہ یہ بھی زنا میں مشغول ہیں ان کے لیے بھی بددعا کی وہ بھی ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد خداوند عالم نے ان پر وحی کی کہ اے ابراہیم! بددعا نہ کرو دنیا ہمارے اختیار میں ہے تمہارے اختیار میں نہیں۔ گناہگار بندوں کی تین حالت سے زیادہ چوتھی حالت نہیں ہوتی ہے۔ یا توبہ کرتے ہیں اور میں انہیں بخش دیتا ہوں یا ان کی آئندہ آنے والی نسلوں میں کوئی بندہ مومن ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں انہیں مہلت دے دیتا ہوں اور پھر میرا عذاب انہیں گھیر لیتا ہے اور ان صورتوں کے علاوہ جتنے بڑے عذاب کا تم تصور کر سکتے ہو اسے میں نے ان کیلئے مہیا کر رکھا ہے۔"

اے ابوجہل! اسی وجہ سے خداوند عالم نے تجھے مہلت دی ہے کہ تیری نسل میں ایک مومن پیدا ہوگا جس کا نام عکرمہ ہوگا (۱)

جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن اسلام سے کتنا بغض و عناد رکھتے تھے اس کے باوجود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمال بردباری سے ان کی تمام باتیں سنیں اور بڑی ہی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ان کا جواب دیا اور ایک تفصیلی اور استدلالی بحث کے ساتھ اپنی حجت تمام کر کے اسلام کی منطقی اور اخلاقی روش کا ثبوت دیا۔

احتجاج طبری ج ۱ ص ۲۶ سے ۳۶ تک کا خلاصہ۔ عکرمہ ابن ابوجہل شروع میں پیغمبر اسلام کا بہت سخت دشمن تھا، فتح مکہ کے وقت وہ بھاگ گیا تھا لیکن آخر کار مدینہ میں وہ آپ کے حضور ایمان لایا اور اس نے اتنا بڑا مقام حاصل کر لیا تھا کہ آپ نے اسے قبیلہ ہوازن کے صدقات و زکات حاصل کرنے کیلئے عامل مقرر کر دیا تھا۔ وہ ابوبکر کی خلافت کے زمانے میں جنگ "اجنادین" یا "یرموک" میں شہید ہوا (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۱۶)

رسول خداؐ کا یہودیوں کے علماء سے مناظرہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے یہودیوں کی مذہبی محفلوں میں آپ کی علامتوں کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا یہاں تک کہ علماء یہود توریت کی آیتوں کی بنیاد پر آنحضرت کے بارے میں پیشن گوئیاں کرتے تھے اور برابر بڑے ہی اعتماد کے ساتھ اس طرح کے پیغمبر کے آنے

کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے۔

اور یہ تمام علامتیں اور نشانیاں سب کی سب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور آپ کے کاموں سے مطابقت کر گئیں۔ یہودیوں کے بزرگ مذہبی افراد اس فکر میں رہتے تھے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کر کے انہیں اپنی طرف کھینچ لیں اور نتیجے میں ان کے اطراف کی مذہبی قدرت کو حاصل کر لیں لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مدینے کی طرف ہجرت کی تو بڑی تیزی سے اسلام پھیلا اور یہودیوں کی طاقت سے زیادہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں قدرت و طاقت آ گئی اور اسلام کے منتقل ہونے کی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی صورت میں اس بات پر راضی نہیں تھے کہ یہودیوں کے پرچم تلے اپنی زندگی گزاریں۔ یہی بات یہودیوں کی محفلوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالف کا سبب بنی۔ یہودیوں نے طرح طرح سے اسلام کو نقصان پہچانا چاہا' جیسا کہ سورہ بقرہ اور سورہ نساء کی آیتوں میں ان کا اسلام سے بغض وعناد بیان ہوا ہے۔ مثلاً ان کے کاموں میں سے ایک کام یہ تھا کہ وہ ''اوس و'' خزرج'' کے درمیان ۱۲۰ سالہ پرانے اختلاف (۱) پھر سے ابھاریں اور مسلمانوں کی متحد صفوف کو انتشار کا شکار بنائیں لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی ہوشیاری نے ان کے اس عزم وارادے کو خاک میں ملا دیا اور اسی طرح ان کی بہت سی دوسری شازشوں کو بھی پورا نہیں ہونے دیا۔

ایک راستہ جس کے ذریعے وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرکوبی کرنا چاہتے تھے مناظرہ یا آزاد بحث بھی تھا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو ہنسی خوشی قبول کر لیا وہ آئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجادلہ اور پیچیدہ سوال کر کے انہیں لاجواب بنا دینا چاہتے تھے لیکن اس آزاد بحث سے انہیں خود ہی نقصان اٹھانا پڑا۔ لوگوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام علمی اور غیبی چیزوں سے استفادہ کیا۔ جس کی وجہ سے بعض یہودی اور بعض بت پرست اسلام کے گردیدہ ہو گئے۔

لیکن وہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحث سے قانع ہونے کے باوجود بڑی دلیری کے ساتھ کہنے لگے کہ ہم تمہاری باتوں کو نہیں سمجھ رہے ہیں (قلوبنا غلف) (سورہ بقری-۸۸)

---

(۱) مدینے کے دو بڑے قبیلے جو اسلام کے بعد متحد ہوئے اور جنھیں انصار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ہمارے دلوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ (۲) آزاد بحث اگرچہ ایک اسلامی موضوع ہے جس کے ذریعے حق آشکار ہوتا ہے لیکن یہودیوں نے چاہا کہ اس بحث کی آڑ میں اسلام اور پیغمبرؐ کی شخصیت کو مجروع کریں لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے

یہودیوں کے مناظرے اور مجادلے بہت ہیں جن کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے ہی کمال کے ساتھ انجام دیا اور ان کی قضاوت و فیصلے نے پوری دنیا کو دعوت فکر و نظر دی۔

جب عبداللہ بن سلام ایمان لے آیا

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے پہلے سال ایک روز عبداللہ بن سلام (۱) آپ کی نشست میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ اپنے موضوع میں اس طرح کی چیزیں بیان کر رہے ہیں۔

"اے لوگو! آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرو اور سب تک کھانا پہنچاؤ، اپنے رشتہ داروں سے مل جل کر رہو، آدھی رات کو جب ساری دنیا سو جایا کرے تو اٹھ کر نماز شب پڑھو اور خداوند متعال سے راز و نیاز کرو تا کہ سلامتی کے ساتھ خداوند متعال کی بہشت میں داخل ہو سکو۔"

عبداللہ نے دیکھا کہ آپ کی باتیں اچھی ہیں جس کی وجہ سے وہ اس نشست کا گرویدہ ہو گیا اور اس نے اس میں شرکت کا ارادہ کر لیا۔ (۲) ایک روز عبداللہ نے مذہب یہود کے چالیس بزرگ علماء کے ساتھ مل کر یہ طے کیا کہ ہم پیغمبر کے پاس جا کر ان کی نبوت کے بارے میں بحث کریں اور انہیں زیر کریں۔

اس ارادے سے جب وہ لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے عبداللہ بن سلام کی

---

(۱) عبداللہ سلام کا نام "حصین" تھا۔ یہ یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ "بنی قینقاع" سے تھا یہودی اس کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد آنحضرت نے اس کا نام عبداللہ رکھ دیا تھا۔ (۲) اس سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ ضدی، ہٹ دھرم، خود خواہ اور نفسانی خواہشات کا اسیر نہیں تھا بلکہ حق بین و حق طلب تھا اسی وجہ سے وہ یقینی سعادت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ حق طلبی کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان آزاد فکر اور ہر طرح کے تعصب سے دور ہو۔

طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔"میں بحث کے لیے تیار ہوں" یہودیوں نے موافقت کی اور بحث و مناظرہ شروع ہوا۔ تمام یہودیوں نے پیغمبر پر پیچیدہ سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ آپ ایک ایک کر کے ان کا جواب دیتے' یہاں تک کہ ایک روز عبداللہ بن سلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تنہا حاضر ہوا اور کہنے لگا۔"میرے پاس تین سوال ہیں جن کا جواب پیغمبر کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا. آیا اجازت ہے کہ میں انہیں بیان کروں؟"

پیغمبرؐ نے فرمایا:"بیان کرو۔"

عبداللہ نے کہا:"مجھے بتایئے کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ جنت کی خاص غذا کیا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ بیٹا کبھی باپ کے اور کبھی ماں کے مشابہ ہوتا ہے؟"

رسول خداؐ نے فرمایا:"ابھی جبرائیل تمہارے جوابات خدا کی طرف سے لا رہے ہیں اور میں تمہیں بتاؤں گا۔"

جیسے ہی جبرائیل کا نام درمیان میں آیا' عبداللہ نے کہا:"جبرائیل تو یہودیوں کا دشمن ہے کیونکہ اس نے متعدد مقامات پر ہم سے دشمنی کی ہے' بخت نصر جبرائیل کی فوج کی وجہ سے ہم پر غالب ہوا اور شہر بیت المقدس میں آگ لگائی۔۔۔وغیرہ

پیغمبرؐ نے اس کے جواب میں سورہ بقرہ کی ۹۷ ویں اور ۹۸ ویں آیت کی تلاوت فرمائی جس کا مطلب یہ ہے:

"جبرائیل جنہیں تم اپنا دشمن سمجھتے ہو وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے انہوں نے قرآن کو خدا کے اذن سے قلب پیغمبر پر نازل کیا ہے' وہ قرآن جو ان کتابوں سے مطابقت رکھتا ہے جن میں رسول خدا کی نشانیوں کا تذکرہ ہے۔ وہ ان کی تصدیق کرنے والا ہے۔ فرشتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اگر کوئی ان میں سے ایک سے دشمنی رکھتا ہے تو گویا وہ تمام فرشتوں، پیغمبروں اور خدا کا دشمن ہے۔ کیونکہ فرشتے اور پیغمبر سب کے سب خدا کے فرمانوں کو بجالاتے ہیں (۱)

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ کے جواب میں فرمایا۔

---

(۱) بعض مفسروں نے ان آیتوں کی شان نزول کے بارے میں کہا کہ یہ عبداللہ بن صوریا کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ عبداللہ بن سلام نے اس طرح کی بحث نہ کی ہوگی۔

''قیامت کی پہلی علامت دھوئیں سے بھری ہوئی آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنت کی خاص غذا مچھلی کا جگر اور اس کا ٹکڑا ہے جو نہایت ہی اچھی اور لذیز ترین غذا ہے۔ اور تیسرے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: ''انعقاد نطفے کے وقت عورت یا مرد کے نطفے میں جن کا نطفہ غلبہ پا جاتا ہے بچہ اسی کی شبیہ ہوتا ہے۔ اگر عورت کا نطفہ مرد کے نطفے پر غالب آ گیا تو بچہ ماں کی طرح ہوگا اور اگر مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ پر غالب آ گیا تو بچہ باپ کی طرح ہوگا۔''

عبداللہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان جوابوں کی تطبیق جب توریت اور انبیاء سابقین کی خبروں سے کی تو یہ تمام جوابات صحیح ثابت ہوئے۔ جس کے نتیجے میں اس نے فوراً اسلام قبول کرلیا اور اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کیا اس وقت عبداللہ بن اسلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ ''میں یہودیوں میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا ہوں اور بہت ہی پڑھے لکھے شخص کا بیٹا ہوں اگر انہیں میرے اسلام قبول کرنے کی خبر ہوگئی تو وہ مجھ کو جھٹلائیں گے لہذا ابھی آپ میرے ایمان کو پنہان رکھیے تا کہ آپ یہ معلوم کرسکیں کہ یہودی میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں۔''

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرصت کو غنیمت جان کر کہ عبداللہ کا اسلام لانا مجادلہ اور آزاد بحث میں خود ایک طرح کی دلیل بن سکتا ہے عبداللہ بن سلام کو وہیں قریب میں پردے کی آڑ میں بٹھا دیا۔ یہودیوں سے گفتگو کے دوران پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں پیامبر ہوں خدا کو حاضر ناظر جان کر اور ہوا وہوس کو ترک کر کے اسلام قبول کرلو۔''

جواب میں کہا گیا: ''ہم دین اسلام کے صحیح ہونے کے بارے میں بالکل بے اطلاع ہیں۔''

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''تمہارے درمیان عبداللہ کیسا شخص ہے؟''

گروہ یہود: ''وہ ہمارا رہبر اور ہمارے رہبر کا بیٹا ہے وہ ہمارے درمیان ایک بہت ہی پڑھا لکھا شخص ہے۔''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''وہ اگر مسلمان ہو جائے تو کیا تم لوگ اس بات پر تیار ہو کہ اس کا اتباع کرو؟''

گروہ یہود: ''وہ ہرگز مسلمان نہیں ہوگا۔''

رسول خدا نے عبداللہ کو آواز دی۔ پردے سے باہر لوگوں کے سامنے حاضر ہو کر۔ کہنے لگا۔

"اَشهَدُ اَن لا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه وَ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰه" اے گروہ یہود خدا سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ جب تم جانتے ہو کہ وہ پیغمبر خدا ہے تو تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟"

یہودیوں نے ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس کی تعریف کی تھی مگر اب وہ اسے بدترین شخص اور ذلیل آدمی کا بیٹا بتانے لگے۔

آپ کا یہ طرز استدلال نہایت عمدہ تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنا منہ چھپانے لگے لیکن در حقیقت وہ شکست کھا چکے تھے۔ عبداللہ کے لیے اگرچہ اسلام اس زمانے میں بہت دشوار ثابت ہوا تھا لیکن وہ حقیقتاً اسلام لایا تھا۔ اسی لیے آنحضرت نے اس کا نام عبداللہ رکھا تھا اس کا ایمان قبول کرنا بعد میں اور دوسرے ایمان لانے والوں کے ساتھ بہت ہی موثر ثابت ہوا۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک دانش مند یہودی جس کا نام "مخیرق" تھا وہ بھی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ایمان لے آیا۔

﴿(۱) ناسخ التواریخ ج ۱ ص ۳۹، سیرہ ابن ہشام ج ۱ ص ۵۱۶ اور احتجاج طبری ج ۱﴾

پیغمبر کا قبلہ کے سلسلے میں یہودیوں سے مناظرہ

ہم جانتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں بیت المقدس (یہودیوں کے قبلہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی آپ ۱۶ مہینے تک بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔

دشمن اسلام یہویوں نے اسلام کو برا بھلا کہنے اور اسے بے اہمیت کرنے کے لئے ایک اچھا بہانا تلاش کر لیا اور کہتے تھے "محمد (صلی اللہ وآلہ وسلم) اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ وہ مستقل شریعت لائے ہیں جبکہ ان کا وہی قبلہ ہے جو یہودیوں کا قبلہ ہے۔"(۱)

اس طرح کے اعتراضات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو رنجیدہ کر دیتے تھے۔ آنحضرتؐ راتوں کو گھر سے باہر آتے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے وحی کے منتظر رہتے تھے۔ یہاں تک کہ سورہ بقرہ کی ۱۴۴ ویں آیت نازل ہوئی جس میں قبلہ کی جہت بیت المقدس سے بدل کر کعبے

(۱) ناسخ التوارج ج ۱ ص ۳۹، سیدہ ابن ہشام ج ۱ ص ۵۱۶ اور احتجاج طبری ج ۱

کی طرف کردی گئی تھی۔

ہجرت کے ۱۶ ماہ بعد ۵ رجب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند صحابیوں کے ساتھ مسجد بنی سلمہ میں (جو مسجد احزاب سے ایک کلومیٹر شمال کی طرف واقع ہے) ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ دو رکعت نماز تمام ہونے کے بعد جبرائیل سورہ بقرہ کی ۱۳۹ ویں آیت لے کر نازل ہوئے تو آپ حالت نماز ہی میں کعبہ کی طرف پلٹے اور دو رکعت نماز کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی اور اسی طرح آپ کی اقتدء کرنے والوں نے بھی کیا۔ اور اسی نماز کی وجہ سے مسجد بنی سلمہ کو مسجد ''ذو قبلتین'' کہا جانے لگا۔

اس واقعہ کے بعد یہودی ہر جگہ قبلہ بدلنے کے سلسلہ میں اعتراض اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا کرتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان طے پایا کہ وہ ایک جلسے میں اس موضوع پر آزادانہ طور پر بحث کریں۔ اس جلسے میں چند یہودیوں نے شرکت کی اور جلسہ کی شروعات یہودیوں نے کی' اور سوال کی صورت میں انہوں نے اس طرح کہا:

''آپ کو مدینہ آئے اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے ایک سال سے زیادہ ہو گیا لیکن اب آپ بیت المقدس سے رخ موڑ کر کعبہ کی طرف نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ ہمیں اس کا جواب دیں کہ آپ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے جو نمازیں پڑھی ہیں وہ درست تھیں یا باطل' اگر وہ درست تھیں تو لامحالہ آپ کا دوسرا عمل باطل ہے اور اگر باطل تھیں تو ہم کس طرح آپ کے دوسرے اعمال (جو بدلنے کی صورت میں ہیں) پر مطمئن ہوں کہ اس طرح آپ کا یہ قبلہ بھی باطل نہ ہو؟''

رسول خدا:۔ ''دونوں قبلے اپنے موقع کے لحاظ سے درست اور حق ہیں ان کا چند مہینوں میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا حق تھا اور اب ہم خدا کی طرف سے اس بات پر مامور کئے گئے ہیں کہ خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دیں۔ اور خدا کیلئے مشرق و مغرب ہیں تم جس طرف بھی رخ کرو وہاں خدا ہے اور بیشک خدا بے نیاز اور دانا ہے۔''

گروہ یہود:۔ ''اے محمد کیا خدا کے لیے بداء واقع ہوا؟ (یعنی) ایک کام زمانہ سابق میں اس پر مخفی تھا اور اب ظاہر ہو گیا اور اس نے اپنے پرانے حکم سے پشیمان ہو کر دوسرا حکم دیا! اور اس بنا پر

اس نے تمہارے لئے نیا قبلہ معین کیا؟ اگر اس طرح کی بات کرتے ہو تو گویا تم نے خداوند متعال کو عام انسانوں کی طرح نادان تصور کرلیا۔"

رسول خداؐ:۔"خدا کے یہاں بداء اس معنی میں نہیں پایا جاتا ہے۔ خدا ہر چیز سے آگاہ اور قادر مطلق ہے اس سے کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی سرزد نہیں ہوسکتی کہ جس کی وجہ سے وہ پشیمان ہو اور تجدید نظر کرے اور اس کے راستہ میں کوئی چیز رکاوٹ بھی نہیں بن سکتی کہ اس کی وجہ سے وہ اوقات میں تبدیلی کرے۔ میں تم سے سوال کرتا ہوں کہ" کیا مریض صحت یاب نہیں ہوتا یا تندرست آدمی غمگین اور مریض نہیں ہوتا؟ یا زندہ مرتا نہیں اور موسم گرما موسم سرما میں تبدیل نہیں ہوتا؟ خداوند متعال اس طرح کے تمام امور میں تبدیلی لاتا رہتا ہے کیا اس کے یہاں بداء واقع ہوتا ہے؟"

یہودی گروہ:۔"نہیں ان چیزوں میں بداء نہیں ہے۔"

رسول خداؐ:۔"قبلہ کی تبدیلی بھی انہیں چیزوں میں سے ہے خداوند متعال ہمیشہ اور ہر زمانے میں اپنے بندوں کی فلاح و بہبود کے لئے خاص حکم رکھتا ہے جو شخص بھی اطاعت کرے گا جزا کا مستحق ہوگا ورنہ اسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس کی تدبیر اور مصلحت میں کسی کو مخالفت کرنے کا حق نہیں۔(۱)

قبلہ کی تبدیلی میں چند مصلحتیں تھیں منجملہ:

(۱) عرب کے قبائل کعبہ کو پسند کرتے تھے لہذا وہ اسلام کی طرف راغب ہوئے۔

(۲) کعبہ کو حضرت ابراہیم نے خدا کے حکم سے بنایا تھا حضرت ابراہیم تقریباً تمام مذاہب میں محترم تھے لہذا تمام مذاہب اسلام کی طرف مائل ہوئے۔

(۳) یہودیوں کا اعتراض کہ مسلمانوں کا الگ قبلہ نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے قبلہ ہی کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں اس تبدیلی سے برطرف ہوگیا۔

(۴) مکہ مسلمانوں کے لئے نزدیک تھا لہذا اس کو قبلہ بنانا اس بات کا سبب بنا کہ مسلمان کعبہ اور مکہ کو بت اور بت پرستوں سے پاک کریں اور اپنے قبلہ کو اسلام کے پرچم تلے لے آئیں۔

(۵) اس تبدیلی سے پیغمبر کا احترام بھی مقصود تھا کیونکہ مکہ آپ کی جائے پیدائش تھا۔

(۶) ایک مقصد مومن اور غیر مومن کی شناخت تھا جیسا کہ آپ اس مناظرے کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا۔"خداوند متعال نے قرآن میں سورہ بقرہ کی ۱۴۳ ویں آیت میں اس کا جواب دیا ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔

میرا دوسرا سوال تم سے یہ ہے کہ کیا تم شنبہ کے دن اپنے کاموں کی چھٹی نہیں کرتے ہو اور پھر اتوار سے اپنے کاموں میں مشغول نہیں ہوتے؟ اس میں سے تمہارا کون سا عمل صحیح ہے؟ کیا پہلا والا درست ہے اور دوسرا والا باطل ہے یا دوسرا صحیح ہے اور پہلا باطل یا دونوں صحیح یا دونوں باطل؟

گروہ یہود:۔''دونوں صحیح ہیں۔''

پیغمبر اسلامؐ:۔''میں بھی اسی طرح کہتا ہوں کہ دونوں صحیح ہیں اور حق ہیں چند ماہ اور چند سال پہلے بیت المقدس کی طرف قبلہ قرار دینا صحیح تھا لیکن آج کعبہ کو قبلہ سمجھنا صحیح ہے۔

تم لوگ بیماروں کی طرح ہو اور تمہارا طبیب حاذق خدا ہے اور بیماروں کی مہلت اور عافیت اس میں ہے کہ وہ طبیب حاذق کی پیروی کریں اور اس کے حکم کو اپنے ہوا و ہوس پر مقدم کریں۔''

اس مناظرہ کے ناقل امام حسن عسکری علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ روز اول سے ہی کعبہ مسلمانوں کا قبلہ کیوں نہیں ہوا؟

''اور تحویل قبلہ کی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت قرار دیا ہے تاکہ تم لوگوں کے اعمال کے گواہ رہو اور پیغمبر تمہارے اعمال کے گواہ رہیں اور ہم نے پہلے قبلہ کو صرف اس لیے قبلہ بنایا تھا کہ دیکھیں کہ کون رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون پچھلے پاؤں پلٹ جاتا ہے اگر چہ یہ قبلہ ان لوگوں کے علاوہ سب پر گراں ہے جن کی اللہ نے ہدایت کر دی ہے اور خدا تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرنا چاہتا وہ بندوں کے حال پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔''

یعنی اس آیت میں مومنین کے لیے یہ حکم آیا ہے کہ ہم مشرکین سے مومنین کو جدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ پہچانے جائیں اور ان کی صفتیں جدا اور الگ ہوں۔ خداوند متعال نے بیت المقدس کو مسلمانوں کا قبلہ اس لئے قرار دیا تھا کیونکہ اس زمانہ میں خانہ کعبہ مشرکین کے بتوں کا مرکز تھا اور مشرکین ان کے سامنے جا کر سجدہ کرتے تھے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت مدینہ کے بعد اور ایک مستقل حکومت کی تشکیل کے بعد خود بخود مشرکوں سے وہ الگ تھلگ ہو گئے اور اب اس چیز کی ضرورت نہیں رہی کہ مسلمانوں کا بیت المقدس کی طرف سر اس وجہ سے جھکایا جائے کہ وہ مشرکوں میں پہچانے جائیں۔ لہذا مسلمانوں نے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا

یہ بھی واضح سی بات ہے کہ بیت المقدس کی طرف خداوند متعال نے سجدہ کرنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ نئے نئے مشرک جو مسلمان ہوئے تھے ان کے لیے اپنی عادتیں چھوڑنا ایک بہت ہی مشکل کام تھا کیونکہ ابھی ان میں پرانی رسومات باقی تھیں اور جب تک انسان میں یہ قوت وصلاحیت نہ پیدا ہو کہ وہ اپنی عادت اور خرافات کو باآسانی ترک نہ کر سکے وہ حق کی طرف مائل نہیں ہو سکتا لہذا جب انہیں پوری طرح آزمالیا گیا تو انہیں بیت المقدس کی طرف سے ہٹ کر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور درحقیقت شروع شروع میں بیت المقدس کو قبلہ قرار دینا اسلام کی ایک فکری اور معنوی تحریک تھی جس کے ذریعے اسلام نے مشرکین کی پرانی عادتوں کو ختم کر دیا۔ لیکن مدینہ میں اس طرح کی مصلحتیں نہیں پائی جاتی تھیں یا کعبہ کی طرف رخ کرنے میں زیادہ مصلحتیں رہی ہوں۔(۱)

---

(۱) یہ حکم یہودیوں کو اپنی طرف مائل کر سکتا تھا جیسا کہ منصف مزاج یہودی مائل ہوئے۔

۔بحارالانوار طبع جدید ج۹ ص ۲۰۳، تفسیر نمونہ ج۱، ص ۲۵۶، ناسخ التواریخ، ہجرت ج۱ ص ۹۲، احتجاج طبرسی ج۱ ص ۴۴ وغیرہ سے اقتباس۔ یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سمت قبلہ کی تبدیلی مسلمانوں کے لیے ایک طرح کی آزمائش تھی تا کہ یہ پتہ چل سکے کہ آیا تمام مسلمان اسلامی قوانین کے پوری طرح پابند ہیں یا نہیں؟

یہ بات بھی واضح ہے کہ خصوصاً ایسے مقامات پر منافقین غیر محسوس طریقے اور نادانستگی کے عالم میں اپنے آپ کو پہنچوا دیتے ہیں۔ ایسے ہی مواقع پر مومنین اور کمزور ایمان والے اشخاص کے درمیان ممتاز ہو جاتے ہیں اور ان کی شناخت نہایت آسان ہو جاتی ہے۔

قرآن پر اعتراض اور اس کا جواب

ایک روز کچھ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "ہم قرآن کے سلسلے میں چند اعتراضات لے کر حاضر ہوئے ہیں۔"

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔ "اپنے اعتراضات بیان کرو۔"

ایک نے کہا۔ "آیا آپ خدا کے رسولؐ ہیں؟"

پیغمبر اکرم نے فرمایا۔ "ہاں"

گروہ: "سورہ انبیاء کی ۹۸ ویں آیت میں خدا فرماتا ہے۔" انکم و ما تعبدون من

دون الله حصب جهنم' ' ہمارا اعتراض یہ ہے کہ اس مفہوم کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اہل دوزخ میں سے ہوئے کیونکہ کچھ لوگ ان کی بھی عبادت کرتے ہیں۔''

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنجیدگی اور متانت سے ان کی باتیں سنیں اور فرمایا۔

''قرآن عرب کی رائج زبان کے مطابق نازل ہوا ہے۔ عربی زبان میں لفظ''من'' ذوی العقول کے لئے اور لفظ''ما''غیر ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تم جس آیت کے سلسلے میں اعتراض کررہے ہو اس میں لفظ''ما'' استعمال ہوتا ہے۔ جس سے مراد عقلاء نہیں بلکہ وہ معبود ہیں جو صاحب عقل نہیں ہیں۔ جیسے بت جنھیں مٹی، لکڑی اور پتھر سے بنایا جاتا ہے۔ اس طرح آیت کے معنی یہ ہوں گے۔

''غیر خدا کی عبادت کرنے والے لوگ جنہیں تم نے اپنے ہاتھوں سے مختلف قسم کے معبود بنا رکھا ہے وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے۔''

وہ سب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب سے مطمئن ہو گئے اور آپ کی تصدیق کر کے چلے گئے ﴿بحار الانوار طبع جدید، ج ۹ ص ۲۸۲﴾

منافقوں کی سازش اور آپ کا ان سے مناظرہ

منافقوں کی ہر زمانے میں یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ اپنی تمام تر کوشش حکومت و اقتدار کے حصول میں صرف کر دیتے ہیں اور وہ ہمیشہ یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کی ہمدردی کی آڑ میں عوام کے درمیان مقبولیت پیدا کر کے حکومت و اقتدار کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ رہبری اور حکومت کے مسئلے میں بہت ہی چوکنا رہتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے میں مناسب موقع دیکھ کر مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی رہبری کا اعلان کر دیا۔ لیکن منافقوں کی کوشش یہ تھی کہ رہبری اور حکومت کے سلسلے میں علی اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چند ایسے حملے کئے جائیں جس سے یہ عہدہ ان کے خاندان سے نکل کر کہیں اور چلا جائے۔ جنگ تبوک میں منافقوں کی ایک سازش یہ تھی

کہ وہ اپنی خفیہ پلاننگ کے ذریعے علی علیہ السلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں۔

منافقوں کے ایک گروہ نے اپنی ایک خفیہ میٹنگ بلائی جس میں یہ طے پایا کہ اس وقت مسلمان جنگ میں سرگرم ہیں لہٰذا کچھ لوگ علی علیہ السلام کے قتل کے لیے مدینہ میں رک جائیں اور کچھ لوگ جنگ تبوک میں شرکت کریں اور مناسب موقع دیکھ کر وہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں لشکر اسلام جو ۱۰ ہزار سواروں اور ۲۰ ہزار پیادہ افراد پر مشتمل تھا۔ جنگ تبوک کے لیے روانہ ہوگیا۔ کچھ لوگ اپنی اس سازش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مدینے ہی میں رک گئے اور بقیہ منافقین مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے روانہ ہو گئے۔ یہ خبر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ چکی تھی کہ رومی فوج جو پیادہ اور سوار ملا کر چالیس ہزار افراد پر مشتمل ہے، شام کی سرحد پر پہنچ چکی ہے اور اس فکر میں ہے کہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا جائے اگرچہ یہ جنگ مختلف جہات جیسے گرمی کی شدت، طویل مسافت، دشمنوں کی کثرت، پانی اور غذا کی قلت کی وجہ سے بہت ہی دشوار تھی لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیش العسرۃ (ایسی فوج جو اکثر اوقات سختی و دشواری سے دوچار رہتی تھی) کو صدا دی اور وہ ایمان توکل اور بلند ہمتی کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سپہ سالاری میں آگے بڑھے اور مدینہ و تبوک کے درمیانی طویل راستہ کو طے کیا اور نوی ہجری کے ماہ شعبان کے اوائل میں سرزمین تبوک پر پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر روم کی فوج خوف کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئی اور جنگ نہ ہو سکی ایسے موقع پر حکومت و اقتدار کے لالچی منافقین علی علیہ السلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ پیغمبر اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد علی علیہ السلام کو اس جنگ میں اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور انہیں مدینہ میں ہی چھوڑ گئے تھے۔ تاکہ وہ پیغمبر اکرم کی غیر موجودگی میں مدینے کی حفاظت کریں۔

حضرت علی علیہ السلام کی موجودگی کی وجہ سے جب منافقوں کی سازش تیس ہزار مسلمانوں کی غیر حاضری کے باوجود کامیاب نہ ہو سکی تو انہوں نے افواہوں کی مدد سے فتنہ کھڑا کرنا چاہا۔ وہ کہنے لگے کہ علی علیہ السلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ وآلہ وسلم کے درمیان اختلاف ہو گیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ہم نشینی سے بیزار ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے انہیں اپنے ساتھ

جنگ میں نہیں لے گئے وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔

منافق اپنی اس بزدلانہ تہمت کے ذریعے علی علیہ السلام کی قیادت رہبری کو مجروح کرنا چاہتے۔علی علیہ السلام اس غلط پروپگنڈے سے سخت ناراض ہوئے۔اور مدینہ چھوڑ کر پیغمبر اسلام صلی اللہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر مدینہ کے حالات سے مطلع کیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی" آیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو نسبت، ہارون کو موسیٰ سے تھی صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔" یہ سن کر علی علیہ السلام کے دل کو ٹھنڈک پہنچی اور وہ لوٹ آئے۔منافقین جو یہ چاہتے تھے کہ علی علیہ السلام کی قیادت اور رہبری کو مجروح کردیں' نہ یہ کہ ان کی تمام تر کوششیں نقش بر آب ہوگئیں بلکہ ساتھ ساتھ علی علیہ السلام کی جانشینی اور نیابت مذکورہ حدیث کے ذریعہ صریحی طور پر ثابت ہوگئی۔

منافقوں نے اپنی ایک خفیہ میٹنگ میں علی علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنایا اور راستے میں ایک گڑھا کھود دیا اور اسے گھاس پھوس سے ڈھک دیا تاکہ علی علیہ السلام واپسی کے موقع پر اس گڑھے میں اپنی جان کھو بیٹھیں۔

خداوند متعال نے اس گڑھے کے خطرے سے علی علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور صحیح و سالم مدینہ واپس آ گئے نتیجتاً یہ دس منافق اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اور وہاں منافقوں کا ۱۴ آدمیوں پر مشتمل دوسرا گروہ ﴿بعض نے ان منافقوں کی تعداد ۱۲ بتائی ہے جن میں سے ۸ قریش کے اور ۴ مدینے کے ہیں﴾ جو اسلامی لشکر کے ساتھ تھا ان کے درمیان خفیہ طور پر یہ طے ہوا کہ تبوک سے لوٹتے وقت مدینہ اور شام کے درمیان پہاڑ کی چوٹی پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ کو چھپ کر پتھروں کے ذریعے بھڑکا دیا جائے تاکہ اونٹ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درے کے اندر گرادے اور آپ کو اس بات کی اطلاع بھی نہ ہونے پائے کہ اونٹ کو بھڑکانے والا کون تھا۔جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑ کی اس چوٹی (جہاں عقبہ بیٹھا ہوا تھا) کے قریب پہنچے تو جبرائیل نے آکر آپ کو منافقوں کی سازش سے مطلع کردیا۔

پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو منافقوں کی بالخصوص حضرت علی علیہ السلام کے سلسلہ میں رچی ہوئی سازش سے مطلع کیا اور حضرت علی علیہ السلام کی شان میں چند باتیں کہیں۔

چودہ افراد پر مشتمل منافقوں کا گروہ یوں بنا بیٹھا تھا جیسے اسے کچھ خبر ہی نہ ہو یہ سمجھ رہے تھے کہ ابھی تک ان کی سازش کا کسی کو علم ہی نہیں ہے لہذا یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دوستی اور محبت کا دم بھرنے لگے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر علی علیہ السلام کی رہبری اور قیادت کے سلسلے میں سوالات کرنے لگے۔ وہ اپنے سوال کرنے سے یہ ظاہر کرنا چاہ رہے تھے کہ ہم تفاہم اور معلومات کے لئے بحث کر رہے ہیں اور اطمینان بخش جواب ملنے کی صورت میں قانع و مطمئن ہو جائیں گے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ وآلہ وسلم نے اتمام حجت کے لیے ان کی اس گزارش کو قبول کیا اور ان کے سوالات کے جواب دیئے۔

منافقوں کے سوالات

منافقوں نے اپنی بحث کا آغاز اس طرح کیا۔

ہمیں بتایئے کہ علی علیہ السلام بہتر ہیں یا فرشتے؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:۔ ''فرشتوں کا مقام اس وجہ سے افضل و برتر ہے کہ وہ علی علیہ السلام اور خدا کے انبیاء علیھم السلام سے محبت کرتے ہیں اور ان کی رہبری و قیادت کو قبول کرتے ہیں اور جو بھی انسان خدا کی رہبری کو قبول کرے گا اور اس کے انبیاء سے محبت کرے گا اس کا مقام فرشتوں سے افضل و برتر ہوگا۔ کیا تم یہ نہیں جانتے ہو کہ فرشتے اپنے آپ کو آدم سے افضل و برتر سمجھتے تھے لیکن جب خداوند عالم نے آدمی کی علمی اور انسانی منزلت کو ان کے سامنے پیش کیا تو وہ اپنے آپ کو آدم سے پست سمجھ کر انکے سامنے سجدہ کے لیے جھک گئے اور سجدہ والے دن ہی کچھ عظیم اور نیک شخصیتیں (جیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے تمام آئمہ علیھم السلام) آدم کے صلب میں موجود تھیں یعنی تمام مقدس شخصیتیں آدم کے پیچھے صف بنائے کھڑی رہیں۔ فرشتوں نے آدم کے ساتھ ساتھ ان کی تمام ذریت کا سجدہ کیا۔

"علی اور حذیفہ منافقوں کی سازشوں سے تمام لوگوں سے زیادہ واقف ہیں۔"

نتیجہ یہ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ رہنے والے منافقوں کو سازش آشکار ہونے سے پہلے ان سے مناظرہ کیا اور اس بات کو ملحوظ نظر رکھا کہ شاید وہ انہیں سمجھا بجھا کر راہ راست پر لے آئیں لیکن جب ان کی بزدلی اور سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا تو پیغمبر اسلام نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

علماء نجران کا پیغمبرؐ سے مناظرہ

"نجران"، مکہ اور یمن کے درمیان ایک شہر تھا جس میں ۷۳ قریے تھے۔ صدر اسلام میں وہاں عیسائی مذہب رائج تھا اور اس وقت وہاں بہت ہی پڑھے لکھے اور عظیم علما رہا کرتے تھے۔ خلاصہ کے طور پر یہ کہہ دینا بہتر ہوگا کہ اس وقت کا نجران، آج کا "ویٹکن" تھا۔

اس وقت شہر نجران کا گورنر عاقب نام کا ایک شخص تھا اور جس کے ہاتھ مذہب کی باگ ڈور تھی اس کا نام "ابو حارثہ" تھا۔ اور جو شخص محترم ہر دل عزیز اور لوگوں کے نزدیک بہت ہی پڑھا لکھا سمجھا جاتا تھا اس کا نام "ایھم" تھا۔

جب پورے عالم میں اسلام کی آواز گونجی تو عیسائی علماء جنھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو بشارتیں توریت اور انجیل میں پڑھ رکھی تھیں اس کے سلسلہ میں ہمیشہ بہت حساس رہتے تھے۔ جب انہوں نے اسلام کی آواز سنی تو تحقیق کرنا شروع کر دی۔

نجران کے عیسائی عوام نے اپنے نمائندوں کے ساتھ ایک خصوصی گروہ بنا کر تین مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ اچھی طرح اور قریب سے ان کی نبوت کی تصدیق کر سکیں۔

ایک دفعہ یہ گروہ ہجرت سے پہلے مکہ روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ کیا اور دو دفعہ ہجرت کے بعد مدینہ میں آ کر اس گروہ نے آپ سے مناظرہ کیا۔

ہم ان کے تینوں مناظروں کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو منافقوں کی بالخصوص حضرت علی علیہ السلام کے سلسلہ میں رچی ہوئی سازش سے مطلع کیا اور حضرت علی علیہ السلام کی شان میں چند باتیں کہیں۔

چودہ افراد پر مشتمل منافقوں کا گروہ یوں بنا بیٹھا تھا جیسے اسے کچھ خبر ہی نہ ہو یہ سمجھ رہے تھے کہ ابھی تک ان کی سازش کا کسی کو علم ہی نہیں ہے لہذا یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دوستی اور محبت کا دم بھرنے لگے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر علی علیہ السلام کی رہبری اور قیادت کے سلسلے میں سوالات کرنے لگے۔ وہ اپنے سوال کرنے سے یہ ظاہر کرنا چاہ رہے تھے کہ ہم تفاہم اور معلومات کے لئے بحث کر رہے ہیں اور اطمینان بخش جواب ملنے کی صورت میں قانع و مطمئن ہو جائیں گے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ وآلہ وسلم نے اتمام حجت کے لیے ان کی اس گزارش کو قبول کیا اور ان کے سوالات کے جواب دیئے۔

منافقوں کے سوالات

منافقوں نے اپنی بحث کا آغاز اس طرح کیا۔

ہمیں بتائیے کہ علی علیہ السلام بہتر ہیں یا فرشتے؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :- ''فرشتوں کا مقام اس وجہ سے افضل و برتر ہے کہ وہ علی علیہ السلام اور خدا کے انبیاء علیہم السلام سے محبت کرتے ہیں اور ان کی رہبری و قیادت کو قبول کرتے ہیں اور جو بھی انسان خدا کی رہبری کو قبول کرے گا اور اس کے انبیاء سے محبت کرے گا اس کا مقام فرشتوں سے افضل و برتر ہوگا۔ کیا تم یہ نہیں جانتے ہو کہ فرشتے اپنے آپ کو آدم سے افضل و برتر سمجھتے تھے لیکن جب خداوند عالم نے آدمی کی علمی اور انسانی منزلت کو ان کے سامنے پیش کیا تو وہ اپنے آپ کو آدم سے پست سمجھ کر انکے سامنے سجدہ کے لیے جھک گئے اور سجدہ والے دن ہی کچھ عظیم اور نیک شخصیتیں (جیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے تمام آئمہ علیہم السلام) آدم کے صلب میں موجود تھیں یعنی تمام مقدس شخصیتیں آدم کے پیچھے صف بنائے کھڑی رہیں۔ فرشتوں نے آدم کے ساتھ ساتھ ان کی تمام ذریت کا سجدہ کیا۔

بے شک سجدہ بظاہر آدم کے لیے ہوا لیکن حقیقت میں وہ سجدہ خداوند عالم کا سجدہ تھا۔ جناب آدم علیہ السلام صرف قبلے کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن ابلیس نے گھمنڈ اور تکبر میں چور ہونے کی وجہ سے جناب آدم علیہ السلام کا سجدہ نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ بارگاہ خداوندی سے نکال دیا گیا۔" اس بات کا امکان پایا جاتا تھا کہ منافق جناب آدم علیہ السلام جیسے نبی پر گناہ اور ترک اولیٰ کا الزام لگا کر ان کی شخصیت کو مجروح کرنے میں لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی ان کے اس اعتراض کا دروازہ بند کر دیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔ "اگر آدم علیہ السلام نے بہشت کے اس درخت سے چند دانے کھائے جن کے لیے خداوند متعال نے منع کیا تھا تو بیشک انہوں نے ترک اولیٰ کیا لیکن ان کا ترک اولیٰ تکبر اور غرور کی وجہ سے نہیں تھا اسی لئے انہوں نے توبہ کی اور خداوند متعال نے ان کی توبہ کو قبول بھی کر لیا۔"

منافقوں کی سازش ناکام ہوگئی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ نصیحتوں سے منافقوں کے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ پوری طرح اپنے دل میں یہ ٹھانے ہوئے تھے کہ جیسے ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونٹ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے اس کو بھڑکا دیا جائے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص اور ماہر صحابی (حذیفہ) کو بلا کر فرمایا: "تم پہاڑ کے نیچے کنارے کی طرف بیٹھ جاؤ اور تمام آنے جانے والوں پر سخت نظر رکھو تا کہ مجھ سے پہلے کوئی بھی پہاڑ پر نہ جاسکے۔" اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمومی اعلان کر دیا کہ تمام لوگ میرے پیچھے پیچھے آئیں اور کوئی بھی مجھ سے آگے جانے کی کوشش نہ کرے۔

حذیفہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق پہاڑ کے نیچے پہنچ کر اپنے آپکو ایک پتھر کی آڑ میں چھپالیا اور چوکنا ہو کر چاروں طرف دیکھتے رہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے کوئی پہاڑ کی جانب نہ جاسکے لیکن حذیفہ نے دیکھا کہ منافقوں کا وہی گروہ جو چودہ

افراد پر مشتمل تھا بڑے ہی ماہرانہ انداز میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے لگا اور وہاں پہنچ کر اپنے بنائے ہوئے پروگرام کے تحت پتھروں کی آڑ میں چھپ گیا۔

حذیفہ نے جب ان کی یہ تمام حرکتیں دیکھیں اور کچھ باتیں بھی سنیں تو فوراً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات سے آگاہ کیا۔ رسول خداؐ منافقوں کی سازش سے آگاہ ہونے کے باوجود شتر پر سوار ہوئے اور چل پڑے۔ حذیفہ، سلمان اور عمار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے ساتھ ساتھ چلے۔

آپ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو منافقوں نے اوپر سے پتھر لڑھکانا شروع کیا تاکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونٹ بھڑک اٹھے اور وہ درے میں جا گریں۔

لیکن تمام پتھر درے کی طرف لڑھک گئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بغیر نقصان کے نیچے اتر آئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار سے فرمایا: ''پہاڑ کے اوپر جاؤ اور اپنے ڈنڈے سے مار کر ان کی سواریوں کو دور بھگا دو۔''

عمار، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے لیے منافقوں کی تلاش میں نکلے اور پہاڑ پر پہنچ کر انہیں تتر بتر کر دیا اور ان کی سواریوں کو اپنے ڈنڈے سے مارا جس کے نتیجے میں چند منافق اپنی سواری کے ساتھ ساتھ خود بھی نیچے گرے اور ان کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے۔(۱)

اس طرح کے واقعات تاریخ اسلام میں بکثرت پائے جاتے ہیں جن کے ذریعے ہم منافقوں کے حالات سے آگاہ ہو سکتے ہیں ہمیں چاہیے کہ ان کی رنگ برنگی اور نئی نئی سازشوں کے نقاب، ان کے چہرے سے نوچ کر ان کی تمام تر سازشوں کو نقش بر آب کر دیں۔ خاص بات یہ تھی کہ منافقوں نے اپنی سازش کو رات کی تاریکی میں انجام دیا اور یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش میں رہتے ہیں کہ ان کا ہر کام پس پردہ رہے۔ لیکن ہوشیار اور بیدار مسلمانوں نے ان کے پردے کو چاک کر کے ان کی سازش اور خفیہ ارادے کو ناکام بنا دیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام اور حذیفہ کی تعریف چند جملوں میں اس طرح کی: ''آپ نے فرمایا:

احتجاج طبرسی ج ۱ ص ۹۵، سیرہ ابن ہشام ج ۳ ص ۲۵۷ سے اقتباس

"علی اور حذیفہ منافقوں کی سازشوں سے تمام لوگوں سے زیادہ واقف ہیں۔"

نتیجہ یہ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ رہنے والے منافقوں کو سازش آشکار ہونے سے پہلے ان سے مناظرہ کیا اور اس بات کو ملحوظ نظر رکھا کہ شاید وہ انہیں سمجھا بجھا کر راہ راست پر لے آئیں لیکن جب ان کی بزدلی اور سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا تو پیغمبر اسلام نے ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

علماء نجران کا پیغمبرؐ سے مناظرہ

"نجران"، مکہ اور یمن کے درمیان ایک شہر تھا جس میں ۷۳ قریے تھے۔ صدر اسلام میں وہاں عیسائی مذہب رائج تھا اور اس وقت وہاں بہت ہی پڑھے لکھے اور عظیم علما رہا کرتے تھے۔ خلاصہ کے طور پر یہ کہہ دینا بہتر ہوگا کہ اس وقت کا نجران، آج کا "ویٹکن" تھا۔

اس وقت شہر نجران کا گورنر عاقب نام کا ایک شخص تھا اور جس کے ہاتھ مذہب کی باگڈور تھی اس کا نام "ابو حارثہ" تھا۔ اور جو شخص محترم ہر دل عزیز اور لوگوں کے نزدیک بہت ہی پڑھا لکھا سمجھا تا تھا اس کا نام "ایہم" تھا۔

جب پورے عالم میں اسلام کی آواز گونجی تو عیسائی علماء جنھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو بشارتیں توریت اور انجیل میں پڑھ رکھی تھیں اس کے سلسلہ میں ہمیشہ بہت حساس رہتے تھے۔ جب انہوں نے اسلام کی آواز سنی تو تحقیق کرنا شروع کردی۔

نجران کے عیسائی عوام نے اپنے نمائندوں کے ساتھ ایک خصوصی گروہ بنا کر تین مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ اچھی طرح اور قریب سے ان کی نبوت کی تصدیق کرسکیں۔

ایک دفعہ یہ گروہ ہجرت سے پہلے مکہ روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ کیا اور دو دفعہ ہجرت کے بعد مدینہ میں آکر اس گروہ نے آپ سے مناظرہ کیا۔

ہم ان کے تینوں مناظروں کا خلاصہ پیش کررہے ہیں:

علماء نجران سے پہلا مناظرہ

نجران کے عیسائی علماء کا ایک گروہ مکہ کی طرف اس قصد سے روانہ ہوا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریب سے دیکھے اور ان کی نبوت کے بارے میں تحقیق کرے۔ یہ لوگ کعبہ کے نزدیک پہنچ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور وہیں مناظرہ اور گفت وشنید شروع کر دی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی ہی خوش اخلاقی سے ان کے سوالات سنے اور جواب دیئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں قرآن کی آیتیں سن کر ان لوگوں کے دل بھر آئے، فرط مسرت سے ان کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے اور اپنی تحقیقات میں انہیں ایسی چیزیں معلوم ہوئیں جو توریت اور انجیل سے بالکل مطابق تھیں جب انہوں نے یہ تمام چیزیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں دیکھیں تو مسلمان ہو گئے۔

﴿سورہ مائدہ کی ۲۸ ویں آیت﴾

مشرکین بالخصوص ابوجہل اس مناظرہ سے بہت زیادہ ناراض ہوا، اور جب نمائندہ نجران مناظرہ ختم کر کے واپس جانے لگے تو ابوجہل چند لوگوں کے ساتھ آیا اور راستے میں انہیں گالیاں دینے لگا اور کہنے لگا کہ ہم نے تم لوگوں جیسا پاگل اور دیوانہ آج تک نہیں دیکھا تم لوگوں نے اپنی قوم وملت کے ساتھ خیانت کی اور اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کے گرویدہ ہو گئے ان لوگوں نے بڑے ہی نرم لہجہ میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ آج کے بعد ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے ہم نے جو بھی کیا ہمیں اپنے اوپر چھوڑ دو ﴿سیرہ حلبی ج ۱، ص ۳۸۳﴾

۲- مسیحیوں کے بڑے بڑے علماء سے مناظرہ

دوسرا مناظرہ نجران کے عظیم سیاسی اور مذہبی راہنماؤں سے مدینہ میں ہجرت کے نویں سال میں واقع ہوا جس کی نوبت مباہلہ تک پہنچ گئی اور وہ اس طرح ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خطوط چند سربراہان مملکت کو روانہ کئے تھے اس کے ضمن میں ایک خط آپ نے نجران کے پوپ ابو حارثہ کو بھی لکھا تھا جس میں آپ نے اسے اسلام لانے کی دعوت دی تھی۔

چار افراد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خط کو لے کر نجران کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو پوپ کی خدمت میں پیش کیا۔ پوپ خط پڑھکر بہت ناراض ہوا اور غصہ میں آکر اسے پھاڑ ڈالا اور آپ کے ان قاصدوں کا کوئی احترام نہیں کیا اور یہ ارادہ کیا کہ اس خط کے سلسلے نجران کے پڑھے لکھے لوگ غور وفکر کریں۔ نجران کے پڑھے لکھے اور مقدس لوگ جیسے شرجیل، عبداللہ بن شرجیل اور جبار بن فیض غور وفکر اور مشورہ کے لیے بلائے گئے۔

ان تینوں افراد نے کہا: ''چونکہ یہ بات نبوت کے متعلق ہے اس لیے ہم اس سلسلے میں کسی بھی طرح کا کوئی نظریہ نہیں دے سکتے۔'' پوپ نے اس مسئلے کو نجران کے عوام کے سامنے پیش کیا، ان کی رائے لینے پر بھی یہی نتیجہ نکلا کہ ہماری قوم کی طرف سے کچھ ہوشمند اور علم وعقل کے لحاظ سے زبردست افراد مدینہ میں محمد بن عبداللہ کے پاس جائیں اور ان سے اس سلسلے میں بحث ومناظرہ کریں تاکہ حقیقت واضح ہوجائے۔

اس سلسلے میں بحث وگفتگو بہت زیادہ ہوئی۔ ﴿یہ مفصل گفتگو بحار الانوار ج ۲۱ ص ۲۷۶ پر ذکر ہوئی ہے﴾ لیکن آخر میں یہ طے پایا کہ نجران کے ساٹھ افراد جن میں سے چودہ عظیم علماء منجملہ عاقب ابو حارثہ اور ایہم بھی تھے مناظرے کے لیے مدینے جائیں۔ ساٹھ آدمیوں پر مشتمل یہ قافلہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ کیلئے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

بے شک کسی بھی مذہب کے بارے میں بحث ومناظرہ جو بغیر دھوکا اور فریب کے ہو اور اس میں منطقی بحث ہو تو بہت اچھی چیز ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ بحث ومناظرہ کو سازش اور

فریب کا رنگ دے کر عوام کو دھوکا دے تو یقیناً ایسے بحث و مناظرہ کو شدت سے روکنا چاہیے۔

نجران کے نمائندے نے جان بوجھ کر بہت ہی زرق برق لباس زیب تن کیا اور بہت سے زیور پہنے تا کہ مدینہ پہنچ کر اہل مدینہ کو اپنی طرف جذب کر لیں اور کمزور عقیدہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیں۔(۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی ہوشیاری سے ان کے اس فعل کی طرف توجہ کی اور ان کے اس فریب کو ناکارہ بنانے کے لیے ایک ماہرانہ چال اس طرح چلی کہ جب علماء نجران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس زرق برق لباس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی طرف بالکل توجہ نہ دی اور نہ ہی ان سے کوئی بات کی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں وہاں بیٹھے ہوئے مسلمانوں نے بھی ان سے کسی طرح کی کوئی بات نہیں کی۔

علماء نجران تین دن تک مدینہ میں سرگرداں رہے اور عبدالرحمن اور عثمان سے پہلے کی جان پہچان کی بنا پر بے توجہی کا سبب معلوم کیا تو یہ لوگ انہیں حضرت علی علیہ السلام کے پاس لے گئے اور تمام حالات سے انہیں آگاہ کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے علماء نجران سے فرمایا۔ ''تم اپنے یہ زرق برق لباس اتار کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عالم لوگوں کی طرح جاؤ انشاء اللہ ضرور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گے۔

علمائے نجران نے مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اس حکم کا اتباع کیا اور کامیاب ہوئے۔ مناظرے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ بحث و گفتگو میں ہر طرح کی آزادی ہو اور مناظرے کی فضا بھی ہموار ہو۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں پنجگانہ نماز کو باجماعت ادا کرتے تھے اور تمام مسلمان آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ عیسائی گروہ مسلمانوں کے اس طرح کے اجتماع سے بہت ہی حیران تھا۔ لیکن تمام عیسائی اپنے عقیدے کے مطابق ایک گوشے میں مشرق

---

(۱) حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس حرکت کا توڑ کر لیا تھا لیکن پھر بھی بعض ضعیف الاعتقاد لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ لوگ حسرت سے کہتے تھے کہ اے کاش! ہم لوگ بھی ان عیسائیوں کی طرح متمول ہوتے۔ یہاں تک کہ اس بارے میں سورہ آل عمران کی ۱۵ ویں آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوتا ہے۔''(اے پیغمبر) کہہ دو کیا میں تم کو ایسی چیز کا پتہ بتاؤں جو اس (مادی سرمایہ سے بہتر ہو ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے پروردگار کے نزدیک دوسرے جہان میں ایسے باغ ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ اپنی پاکیزہ بیویوں کے ساتھ رہیں گے۔

(بیت المقدس) کی طرف رخ کر کے نماز ادا کیا کرتے تھے۔ بعض مسلمانوں نے یہ چاہا کہ ان کی اس آزادی میں مانع ہوں لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو روک دیا۔

ہمیں اس مختصر سی بات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی علماء مدینے میں بالکل آزاد تھے اور ان پر کسی بھی طرح کی قید و بند نہیں تھی اور نہ ہی وہ کسی کے تحت تھے۔

نتیجے میں تین روز گزر جانے پر نماز جماعت کے بعد مسجد ہی میں ایک جلسے کا انعقاد کیا گیا۔

علماء نجران کے ۶۰ افراد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے اور بحث و مناظرہ کو سننے کے لیے تھوڑی دور پر مسلمان بھی بیٹھ گئے۔ قابل توجہ بات یہ تھی کہ چند یہودیوں نے بھی مسیحیوں اور مسلمانوں سے بحث کرنے کے لئے اس جلسہ میں شرکت کی تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبت اور خلوص سے ان کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنی بات شروع کی اور آئے ہوئے علماء نجران کو توحید و اسلام کی دعوت دی اور فرمایا۔ ''آؤ ہم سب ملکر وحدہ لاشریک کی عبادت کریں تا کہ ہم سب کے سب ایک زمرہ میں آجائیں اور خدا کے پرچم تلے اپنی زندگی گزاریں اس کے بعد آپ نے قرآن کریم سے چند آیات تلاوت فرمائیں۔

پوپ: ''اگر اسلام کا مطلب خدا پر ایمان رکھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا تو ہم تم سے پہلے ہی مسلمان تھے۔''

پیغمبر اسلامؐ: اسلام حقیقی کی چند علامتیں ہیں اور تین چیزیں تمہارے درمیان ایسی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تم لوگ اہل اسلام نہیں ہو۔ پہلی یہ کہ تم صلیب کی پوجا کرتے ہو۔ دوسری یہ کہ تم سور کے گوشت کو حلال جانتے ہو تیسری یہ کہ تم اس بات کے معتقد ہو کہ خدا صاحب اولاد ہے۔

علماء نجران: ''ہمارے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح خدا ہیں کیونکہ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا ہے اور ایسے مریضوں کو شفا بخشی ہے جو لا علاج تھے۔ حضرت مسیح نے ایک پھول سے پرندہ بنایا، اس میں روح پھونکی اور وہ اڑ گیا وغیرہ اس طرح کے ان کے تمام کام ان کی خدائی پر دلالت کرتے ہیں۔''

پیغمبر اسلامؐ: نہیں ایسا نہیں ہے کوئی بھی ایسا کام خدائی پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ وہ خدا کے ایک بندے ہیں، جنہیں خداوند متعال نے جناب مریمؑ کے رحم میں رکھا اور اس طرح کے تمام

معجزات انہیں عنایت فرمائے۔ وہ کھانا کھاتے تھے، پانی پیتے تھے ان کے گوشت ہڈی اور جلد تھی اور اس طرح جو بھی ہوگا وہ خدا نہیں ہو سکتا ہے۔"

ایک نمائندہ: "حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ ان کی ماں جنابُ مریمؑ نے بغیر کسی سے شادی کے انہیں جنم دیا۔ یہی ہماری دلیل ہے کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں اور خدا ان کا باپ ہے۔"

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی الٰہی سورہ آل عمران آیت ٦١ کا سہارا لیتے ہوئے فرمایا۔ "حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی مثال آدم جیسی ہے جس طرح خداوند متعال نے جناب آدم کو بغیر ماں اور باپ کے خاک سے پیدا کیا اسی طرح جناب عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور اگر باپ کا نہ ہونا خدا کے بیٹے ہونے پر دلیل بن سکتا ہے تو جناب آدم کیلئے یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ ان کے باپ اور ماں دونوں نہیں تھے۔"

علماء نجران نے جب یہ دیکھا کہ جو بھی بات کہی جاتی ہے اس کا دندان شکن جواب ملتا ہے تو وہ حضرات جو ریاست دنیا کے چکر میں اسلام لانا نہیں چاہتے تھے انہوں نے مناظرہ کو ختم کر دیا اور کہنے لگے اس طرح کے جوابات تو ہمیں مطمئن نہیں کر رہے ہیں لہذا ہم آپ سے مباہلہ کرنے پر تیار ہیں۔ یعنی ہم دونوں طرف کے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر خداوند متعال سے دعا اور راز و نیاز کریں اور جھوٹوں پر لعنت کریں، تا کہ خداوند عالم جھوٹوں کو ہلاک کرے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ آل عمران کی ٦١ ویں آیت کے نازل ہونے پر ان کی اس بات کو قبول کر لیا۔

تمام مسلمانوں کو اس بات کی اطلاع ہو گئی اور جہاں دیکھیے وہیں لوگ بیٹھ کر چہ می گوئیاں کرنے لگے کہ دیکھیے مباہلہ میں کیا ہوتا ہے؟ لوگ بڑی بے صبری سے مباہلہ کا انتظار کر رہے تھے۔ بڑے انتظار کے بعد ٢٤ ذی الحجہ کا دن آ ہی گیا۔ علماء نجران اپنے خاص جلسے میں نفسیاتی طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کثیر تعداد میں لوگ آئیں تو بغیر کسی ڈر اور جھجک کے ان کے ساتھ مباہلہ کے لیے تیار ہو جانا لیکن اگر یہ دیکھو کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند خاص افراد کے ساتھ مباہلہ کے لیے آئے ہوئے ہیں تو ہرگز مباہلہ نہ کرنا کیونکہ نتیجہ بہت ہی خطرناک نکلے گا۔

علماء نجران مباہلہ کی مخصوص جگہ پر پہنچے اور انجیل و توریت پڑھکر خدا کی بارگاہ میں راز و نیاز

کر کے مباہلہ کیلئے تیار ہو گئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔
ناگاہ لوگوں نے دیکھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار افراد یعنی اپنی بیٹی جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا اور اپنے داماد علی علیہ السلام اور اپنے دونوں بیٹوں امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ شرجیل (ان کا ایک عظیم اور بڑے عالم) نے اپنے دوستوں سے کہا کہ خدا کی قسم میں وہ صورتیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے چاہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو یقیناً وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا، ان سے ڈرو اور مباہلہ نہ کرو۔ اگر آج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مباہلہ کرو گے تو نجران کا ایک بھی عیسائی اس روئے زمین پر باقی نہیں رہے گا خدا کے لیے میری یہ بات ضرور مان لو بعد میں چاہے کچھ ماننا یا نہ ماننا۔
شرجیل کے اصرار نے علماء نجران کے دلوں میں عجیب اضطرابی کیفیت پیدا کر دی اور انہوں نے اپنے ایک آدمی کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر ترک مباہلہ کی درخواست کی اور صلح کی التماس کی۔
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کرم اور رحمت خداوند سے ان کی اس التماس کو قبول کیا اور صلح نامہ لکھا گیا جو چار نکات پر مشتمل تھا۔

۱--- اہل نجران کا یہ وظیفہ ہے (تمام اسلامی ممالک کی امنیت کے سلسلے میں) کہ وہ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑے دو قسط میں مسلمانوں کو دیں۔

۲--- محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندے نجران میں ایک ماہ یا ایک ماہ سے زیادہ مہمان کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔

۳--- جب بھی کبھی یمن میں اسلام کے خلاف کوئی سازش بلند ہو تو اہل نجران کے لیے واجب ہے کہ وہ ۳۰ ڈھال ۳۰ گھوڑے اور ۱۳۰ اونٹ عاریہ کے طور پر حکومت اسلامی کی حفاظت کے لیے دیں۔

۴--- اس صلح نامے کے بعد اہل نجران کے لیے سود کھانا حرام ہے۔

علماء نجران کی اس کمیٹی نے صلح نامہ کے تمام شرائط کو قبول کر لیا اور وہ لوگ شکست خوردہ حالت میں مدینہ سے نجران کی طرف روانہ ہوئے۔ ضمناً یہ بھی بتاتے چلیں کہ اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام کی عظمت و منزلت کے لیے آیہ مباہلہ زندہ ثبوت ہے۔

علماء نجران کے تیسرے گروہ سے مناظرہ

نجران کے عیسائیوں کا تیسرا گروہ جو قبیلہ بنی الحارث سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے نجران میں تحقیق کر کے اسلام قبول کر لیا تھا بعض ان کی نمائندگی کرنے کیلئے خالد بن ولید کے ساتھ مدینہ آئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مشرف ہو کر اظہار اسلام کیا اور کہا کہ ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ خداوند متعال نے آپ کے ذریعہ ہم لوگوں کی ہدایت کی۔

پیغمبر اسلامؐ نے ان سے پوچھا: ''تم لوگ کیسے اپنے دشمنوں پر غالب ہوئے؟''

انہوں نے کہا: ''اول تو یہ کہ ہم لوگوں میں کسی طرح کا کوئی تفرقہ و اختلاف نہیں تھا دوسرے یہ کہ ہم نے کسی پر ظلم کی ابتدا نہیں کی۔''

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''صدقتم'' تم نے سچ کہا۔''

﴿بحار الانوار ج ۲۱، ص ۳۱۹، سیرہ ابن ہشام ج ۲، ص ۱۷۵۔ فتوح البلدان ص ۷۶ اور اقبال ابن طاوس ص ۴۹۶﴾

نتیجہ یہ کہ جیسا پہلے بھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ نجران کے پہلے اور تیسرے گروہوں نے اسلام کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کی اور اس کے بعد اسلام قبول کر لیا لیکن دوسرا گروہ وہ تھا جس کی مباہلہ کی نوبت پہنچ گئی۔ اور آخر کار انہوں نے مباہلہ ترک کرنے کی خواہش کی۔ انہوں نے بھی اسلام کے قوانین کے سلسلے میں تحقیق کی، اور اس کی حقانیت کو سمجھ گئے لیکن انہوں نے اپنے پہلے گروہ کی روش اختیار نہ کی اور مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر انہوں نے ظاہراً اسلام قبول نہیں کیا۔

۱ پوپ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پھاڑ ڈالا۔ یہ اس کی ریاست طلبی اور تعصب تھا جو حق کی قبولیت میں مانع ہوا۔

۲ وہ مباہلے کے لیے تیار نہیں ہوئے کیونکہ اگر وہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کے سلسلے میں تحقیق نہ کی ہوتی تو مباہلہ کے ترک کرنے کی درخواست ہرگز نہ کرتے۔ یہ خود اس بات کی علامت ہے کہ وہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتب کے بارے میں اچھی خاصی تحقیق رکھتے تھے اور اس کی حقانیت کو درک کر چکے تھے۔

۳۔ تاریخ میں یہ ملتا ہے کہ نجران کے نمائندے جب مدینے میں واپس جارہے تھے تو ایک نمائندے نے راستہ میں رسول خدا کو برا بھلا کہا تو ابو حارثہ (پوپ) نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں برا بھلا کہتے ہو؟ یہی بات اس کا باعث ہوئی کہ اس شخص نے مدینہ واپس آکر اسلام قبول کرلیا۔

تاریخ کا یہ رخ بھی اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ علماء نجران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو سمجھ گئے تھے۔

۴۔ نجران کے علماء جب واپس پہنچے تو لوگوں کو اپنی روداد سنائی ان کی روداد سن کر نجران کا ایک راہب اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اپنی کٹیا سے چیخ کر کہا۔ ''اے لوگو! جلدی آؤ اور مجھے نیچے لے چلو ورنہ میں ابھی اپنے آپ کو نیچے گرا کر اپنی زندگی تمام کرلوں گا۔'' لوگ اسے سہارا دے کر کٹیا سے نیچے لے آئے وہ دوڑتا ہوا مدینہ کی طرف آیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وعدہ کر کے گیا تھا کہ جب مدینہ دوبارہ آئے گا تو اسلام قبول کرلے گا لیکن وہ کامیاب نہیں ہوا۔

غرض تمام چیزیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ان کے نزدیک حقیقت اسلام ثابت ہو چکی تھی اور وہ اچھی خاصی تحقیق بھی کر چکے تھے لیکن چند چیزیں جیسے ریاست طلبی، دنیا داری اور اہل نجران سے خوف وغیرہ ان کے اسلام قبول کرنے میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔

علی کا معاویہ سے تحریری مناظرہ

معاویہ بن ابو سفیان نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانے میں جنگ صفین کی آگ بھڑکانے کے بعد ایک خط لکھا جس میں اس نے چار مطالب کو عنوان قرار دیا:

(۱) سرزمین شام میرے قبضہ میں دے دی جائے تا کہ اس کی رہبری خود میرے ذمہ ہو۔

(۲) جنگ صفین جاری رکھنا عرب کی خونریزی اور نابودی کا سبب بن سکتا ہے لہذا اسے ختم کر دیا جائے۔

(۳) ہم دونوں جنگ میں برابر ہیں، دونوں طرف مسلمان ہیں اور دونوں طرف اسلامی شخصیات موجود ہیں۔

(۴) ہم دونوں عبد مناف (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا) کے بیٹے ہیں اور دونوں ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں رکھتے لہذا ابھی وقت باقی ہے کہ ہم لوگ اپنی گزشتہ باتوں پر پشیمان ہوں اور آئندہ کی اصلاح کریں۔

(کتاب الصفین مولفہ ابن مزاحم ص ۴۶۸-۴۷۱ سے اقتباس)

امام علی علیہ السلام ۔نے اس کی ہر بات کا مستدل جواب دیا اور لکھا۔

(۱) تو نے جو کہا ہے کہ سرزمین شام تیرے قبضہ میں دے دی جائے تو تجھے یہ جاننا چاہیے کہ کل جس چیز کے لیے میں نے تجھے منع کیا تھا آج تجھے ہرگز اسے نہیں دے سکتا۔ (حکومت الٰہی کے لیے آج اور کل میں کوئی فرق نہیں ہے کہ آج وہ فاسدوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔)

(۲) اور تو نے جو یہ لکھا کہ جنگ عرب کی نادی کا سبب بنے گی تو تجھے یہ جاننا چاہیے کہ جو بھی اس جنگ میں حق کی طرف سے قتل ہوا ہے اس کی جگہ بہشت ہے اور اگر طرفدار باطل تھا تو جہنم کی آگ میں جھلسے گا۔

(۳) اور تو نے جو دعویٰ کیا ہے کہ جنگ فوجیوں میں ہم دونوں برابر ہیں تو ایسا نہیں ہے کیونکہ تو شک میں ہمارے یقین کے درجہ تک نہیں پہنچے ہو اور اہل شام اہل عراق سے زیادہ آخرت کی خاطر کوشاں نہیں رہتے ہیں۔

(۴) جو تو نے یہ کہا کہ ہم سب عبد مناف کے بیٹے ہیں بیشک ایسا ہی ہے لیکن امیہ جو تیرا دادا ہے اور اس کے بھائی ہاشم جو میرے دادا ہیں برابر نہیں ہو سکتے۔ تیرا دادا حرب میرے جد عبدالمطلب کی طرح نہیں ہے اور تیرا باپ ابوسفیان میرے باپ ابو طالب کی طرح نہیں ہے۔ مہاجرین کبھی اسراء (وہ کفار جنھیں فتح مکہ) کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کیا تھا) کی مانند نہیں ہو سکتے۔ اپنے باپ کا صحیح النسب فاسق اور کسی کی نسل سے منسوب حرام زادہ کی طرح نہیں ہو سکتا اور نہ حق پرست اور باطل پرست، مومن اور فاسق کو ایک زمرہ میں رکھا جا سکتا ہے کتنے بدتر ہیں وہ لوگ جہنم کی آگ میں جلنے

والے اپنے آباء اجداد کی اطاعت کرتے ہیں!۔

تجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مقام نبوت کی برتری اور افتخار ہمارے اختیار میں ہے، جس کے ذریعے ہم نے عزیزوں کو ذلیل اور ذلیلوں کو عزیز بنا دیا اور جس وقت لوگ جوق در جوق اسلام کے گرویدہ ہو رہے تھے اور اسلام قبول کرنے میں سب ایک دوسرے پر سبقت لے جا رہے تھے اس وقت بھی تم نے سب کے بعد دنیا کی لالچ یا ڈر اور خوف سے اسلام قبول کیا (بس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے تم کسی بھی طرح کی فضیلت اسلام لانے کے سلسلے میں نہیں رکھتے ہو) لہذا تجھے ہوشیار رہنا چاہیے کہ کہیں تیرے اندر شیطان نفوذ نہ کر جائے۔ (نہج البلاغہ خط نمبر ۱۷ سے اقتباس)

اپنے حق کے دفاع میں علیؑ کا مناظرہ

خلافت حضرت عثمان کے زمانہ میں مہاجرین اور انصار کا ایک گروہ مسجد نبوی میں جمع ہوا جن کی تعداد دو سو سے زیادہ تھی اور وہیں ٹولیوں میں تقسیم ہو کر ان لوگوں نے آپس میں گفتگو اور مناظرہ کیا۔

بعض لوگ علم و تقویٰ کے بارے میں باتیں کرتے اور کہتے کہ قریش تمام دوسرے لوگوں پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ ان کی فضیلت کے سلسلہ میں رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

"الائمه من قریش" ائمہ قریش سے ہیں

یا دوسری جگہ فرمایا:

"الناس تبع لقریش و قریش ائمة العرب"

"لوگ قریش کے پیرو ہیں اور قریش عرب کے امام ہیں۔"

اس طرح ہر گروہ اپنی اپنی صاحب افتخار شخصیتوں کو شمار کرنے لگا۔ مہاجرین میں علی علیہ السلام، سعد، وقاص، عبدالرحمٰن عوف، طلحہ و زبیر، مقداد، ہاشم بن عتبہ، عبداللہ بن عمر، حسن و حسین علیہم السلام اور عمر، ابوبکر، عبداللہ بن جعفر جیسے لوگ ہیں۔

اور انصار میں ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوایوب انصاری، قیس بن سعد، جابر بن عبداللہ انصاری، انس بن مالک جیسے لوگ تھے۔ یہ گفتگو اور مناظرہ صبح سے لے کر دوپہر تک اسی حالت میں ہوتا رہا حضرت عثمان اپنے گھر میں تھے جبکہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے متعلقین سب کے سب خاموش بیٹھے تھے۔

اسی دوران کچھ لوگ امام علی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا۔ ”آپ کیوں نہیں کچھ بول رہے ہیں؟“

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ”تم دونوں گروہوں نے اپنی اپنی عظمت بیان کی (اور رہبری کے لئے اپنی شائستگی کے متعلق باتیں کی) لیکن میں دونوں گروہ سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم لوگوں کو خداوند متعال نے یہ فضیلت اور برتری کس کی وجہ سے عطا کی ہے؟“ مہاجرین اور انصار نے کہا۔ ”یہ تمام امتیازات وفضیلتیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خاندان کے وجود سے ہمیں حاصل ہوئی ہیں۔“ امام علی علیہ السلام نے فرمایا۔ ”سچ کہا۔ آیا تم یہ نہیں جانتے کہ اس دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں تمہیں ہمارے خاندان نبوت کی بدولت ملی ہیں اور میرے چچازاد بھائی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”میں اور میرا خاندان جناب آدم علیہ السلام کی خلقت سے چودہ ہزار سال پہلے نور کی شکل میں خداوند عالم کی بارگاہ میں موجود تھا پھر خداوند متعال اس نور کو ایک نسل کے بعد دوسری آنے والی نسل کے صلب اور پاک رحم میں منتقل کرتا رہا جس میں ذرا برابر بھی نجاست نہیں پائی جاتی ہے۔“

اس کے بعد مولائے کائنات علی علیہ السلام نے اپنے فضائل کا ایک ٹکڑا بیان کیا اور لوگوں سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا ایسا نہیں ہے؟ تمام لوگوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارے میں یہ چیزیں بیان فرمائیں ہیں۔

من جملہ یہ بھی فرمایا۔ ”تم لوگوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جس شخص نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے میری خلافت کے بارے میں سنا ہے وہ اٹھ کر گواہی دے۔“

اسی وقت سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، زید بن ارقم، براء بن عازب جیسے لوگوں نے اٹھ کر کہا۔

”ہم لوگ گواہی دیتے ہیں ہمیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس روز کی بات آج بھی یاد ہے کہ جب رسول اعظم تشریف رکھتے تھے اور آپ منبر کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ ”خداوند متعال نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ علی میرے وصی، جانشین اور میرے بعد میرے

مناظرہ کیا۔

امام: "کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟"

بوڑھا: "ہاں"

امام: "کیا تم نے اس آیت کا معنی خوب اچھی طرح سمجھا ہے جس میں خداوند متعال فرماتا ہے

"قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربی"

اے پیغمبر! ان سے کہو کہ میں تم سے اجر رسالت کچھ نہیں چاہتا مگر یہ کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔"

بوڑھا مرد: "ہاں اس آیت کو میں نے پڑھا ہے۔"

امام: "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں سے مراد اس آیت میں ہم لوگ ہیں۔ اے شخص کیا تو نے سورہ انفال کی ۶۱ ویں آیت پڑھی ہے:

"واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول و لذی القربی"

"اور جان لو کہ جو کچھ بھی تم نے مال غنیمت میں سے حاصل کیا ہے بلاشبہ اس کا خمس اللہ، اس کے رسول اور ذوی القربی کے لیے ہے۔۔۔۔"

بوڑھا مرد: "ہاں میں نے پڑھا ہے"

امام: "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت دار اس آیت میں "ہم لوگ ہیں" اے شخص! کیا تو نے اس آیت کو پڑھا ہے؟"

"انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیر!"

بوڑھا شخص: "ہاں پڑھا ہے"

امام علیہ السلام: "ہم ہیں وہ لوگ کہ جن کے لیے خداوند عالم نے آیہ تطہیر نازل کی ہے۔"

یہ سب سن کر بوڑھا خاموش ہو گیا اور اس کے نزدیک حقیقت واضح ہو گئی جس کی وجہ سے اپنے کہے ہوئے جملہ پر اس کے چہرہ سے پشیمانی ظاہر ہو رہی تھی۔

چند لمحوں بعد اس نے امام علیہ السلام سے کہا: "خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم وہی ہو جو تم نے کہا ہے۔"

امام علیہ السلام: "خدا کی قسم اور اپنے جدِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کا واسطہ میں انہیں کے خاندان سے ہوں۔"

یہ جملے سنتے ہی بوڑھے مرد کی حالت غیر ہوگئی اور روتے ہوئے اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا: "بار الٰہا! ہم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام دشمنوں (جن وانس) سے برائت کا اظہار کرتے ہیں۔" اسی وقت اس نے امام کی بارگاہ میں توبہ کی۔

اس واقعہ کی خبر یزید کے کانوں تک پہنچی۔ یزید نے فوراً اس کے لئے پھانسی کا حکم صادر کیا اور اس بوڑھے ہدایت یافتہ کو شہید کر دیا۔

امام صادقؑ سے مناظرہ کے بعد ایک منکر خدا کا مسلمان ہونا

سرزمین مصر پر عبدالملک نام کا ایک شخص رہتا تھا جس کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا جس کی وجہ سے لوگ اسے ابوعبداللہ کہتے تھے۔ عبدالملک منکر خدا تھا اور اس کا عقیدہ تھا کہ یہ دنیا خود بخود وجود میں آگئی ہے۔ اس نے یہ سن رکھا تھا کہ شیعوں کے چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام مدینے میں رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس نے مدینہ کا قصد کیا تاکہ ان سے خداوند متعال کے بارے میں مناظرہ کرے۔

جب یہ مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام کا پتہ معلوم کرنے لگا تو اسے لوگوں نے بتایا کہ وہ حج کی ادائیگی کے لئے مکے تشریف لے گئے ہیں۔ وہ مکہ کی طرف روانہ ہوا مکے پہنچ کر اس نے دیکھا کہ امام صادق علیہ السلام طواف میں مشغول ہیں۔ عبدالملک طواف کرنے والوں کی صف میں داخل ہوا اور مارے عناد کے اس نے امام صادق علیہ السلام کو دھکا دیا لیکن امام علیہ السلام نے بڑی محبت سے فرمایا۔ "تمہارا نام کیا ہے۔"

اس نے کہا۔ "عبدالملک"

ملتا ہے اور نہ وہ پگھلی ہوئی چاندی اس سونے سے مخلوط ہوتی ہے بلکہ یہ اپنی اسی حالت پر باقی ہے نہ کوئی اس انڈے میں سے باہر آیا ہے جو یہ کہے کہ میں اسے بنایا ہے اور نہ ہی باہر سے کوئی اندر ہی گیا ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے اسے تباہ کیا ہے، نہ یہ معلوم کہ یہ نر کے لئے ہے یا مادہ کے لئے۔ اچانک کچھ مدت کے بعد یہ شگافتہ ہوتا ہے اور اس میں سے ایک پرندہ مور کی طرح رنگ برنگ پروں کے ساتھ باہر آ جاتا ہے۔ کیا تیری نظر میں اس طرح کی ظریف و باریک تخلیقات کے لئے کوئی مدبر و خالق موجود نہیں ہے؟"

عبداللہ دیصانی نے یہ سوال سن کر تھوڑی دیر تک سر جھکائے رکھا (اس کے قلب میں ایمان روشن ہو چکا تھا) اور پھر اس نے بلند آواز میں کہا۔ "میں اس بات کی گوہی دیتا ہوں، خدا کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے وہ وحدہ لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسولؐ ہیں اور آپ خدا کی طرف سے لوگوں کے امام معین کئے گئے ہیں میں اپنے باطل عقیدے سے توبہ کرتا ہوں اور پشیمان ہو۔ (اصول کافی ج۱ ص۷۹ و ۸۰)

ایک ثنوی کو امام کا جواب

ایک مجوی امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں آ کر اپنے عقیدے کے اثبات میں باتیں کرنے لگا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ اس جہان ہستی کے دو خدا ہیں، ایک نیکیوں کا خدا اور دوسرا برائیوں کا" امام صادق علیہ السلام نے اس کے اور اس کی طرح تمام مجویوں کے عقیدے کی تردید میں فرمایا۔

"اگر تو یہ کہتا ہے کہ خدا دو ہیں تو وہ ان تصورات سے خارج نہیں ہو سکتے۔"

۱- یا دونوں طاقتور اور قدیم ہیں؟

۲- یا دونوں ضعیف و ناتواں ہیں؟

۳- یا ایک قوی و مضبوط اور دوسرا ضعیف و ناتواں ہے؟

پہلی صورت کے مطابق، کیوں پہلا والا خدا دوسرے کی خدائی کو ختم نہیں کر دیتا تا کہ وہ اکیلا ہی پوری دنیا پر حکومت کرے؟ (یہ نظام ہستی جو ایک ہے اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ اس کا

اور انصار میں ابی بن کعب' زید بن ثابت' ابوایوب انصاری' قیس بن سعد' جابر بن عبداللہ انصاری' انس بن مالک جیسے لوگ تھے۔ یہ گفتگو اور مناظرہ صبح سے لے کر دوپہر تک اسی حالت میں ہوتا رہا حضرت عثمان اپنے گھر میں تھے جبکہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے متعلقین سب کے سب خاموش بیٹھے تھے۔

اسی دوران کچھ لوگ امام علی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا۔ ''آپ کیوں نہیں کچھ بول رہے ہیں؟''

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''تم دونوں گروہوں نے اپنی اپنی عظمت بیان کی (اور رہبری کے لئے اپنی شائستگی کے متعلق باتیں کی) لیکن میں دونوں گروہ سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم لوگوں کو خداوند متعال نے یہ فضیلت اور برتری کس کی وجہ سے عطا کی ہے؟'' مہاجرین اور انصار نے کہا۔ ''یہ تمام امتیازات و فضیلتیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خاندان کے وجود سے ہمیں حاصل ہوئی ہیں۔'' امام علی علیہ السلام نے فرمایا۔ ''سچ کہا۔ آیا تم یہ نہیں جانتے کہ اس دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں تمہیں ہمارے خاندان نبوت کی بدولت ملی ہیں اور میرے چچازاد بھائی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''میں اور میرا خاندان جناب آدم علیہ السلام کی خلقت سے چودہ ہزار سال پہلے نور کی شکل میں خداوند عالم کی بارگاہ میں موجود تھا پھر خداوند متعال اس نور کو ایک نسل کے بعد دوسری آنے والی نسل کے صلب اور پاک رحم میں منتقل کرتا رہا جس میں ذرا برابر بھی نجاست نہیں پائی جاتی ہے۔''

اس کے بعد مولائے کائنات علی علیہ السلام نے اپنے فضائل کا ایک ٹکڑا بیان کیا اور لوگوں سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا ایسا نہیں ہے؟ تمام لوگوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارے میں یہ چیزیں بیان فرمائیں ہیں۔

من جملہ یہ بھی فرمایا۔ ''تم لوگوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جس شخص نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے میری خلافت کے بارے میں سنا ہے وہ اٹھ کر گواہی دے۔''

اسی وقت سلمان' ابوذر' مقداد' عمار' زید بن ارقم' براء بن عازب جیسے لوگوں نے اٹھ کر کہا۔ ''ہم لوگ گواہی دیتے ہیں ہمیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس روز کی بات آج بھی یاد ہے کہ جب رسول اعظم تشریف رکھتے تھے اور آپ منبر کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ ''خداوند متعال نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ علی میرے' وصی' جانشین اور میرے بعد میرے

تمام کاموں کے ذمہ دار ہیں" اور خداوند متعال نے ان کی اطاعت تمام مومنوں پر واجب قرار دی ہے۔اے لوگو! یہ میرا بھائی علیؑ میرے بعد تمھارا امام مولا اور راہنما ہے

"وهو بمنزلتی فیکم فقلدوه و اطیعوه فی جمیع امور کم"

جو مقام و منزلت تمہارے درمیان میرا ہے وہی علی کا بھی ہے تم دین خدا میں ان کی پیروی کرو اور اپنے تمام امور میں انہیں کی اطاعت کرو۔(الغدیر، ج ۱، ص ۱۶۳ سے ۱۶۶ تک کا خلاصہ۔ فرائد السطین، باب ۵۸، سمط اول)

اور اس طرح مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے لوگوں کے درمیان اپنی امامت کو ثابت کیا اور اتمام حجت کر دیا۔

معاویہ کی سیاسی سازش کا جواب

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم صحابی عمار یاسر، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بعد بھی مذہب اسلام کی پیروی میں علی علیہ السلام کے ہر قدم پر ساتھ ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ جنگ صفین میں آپ درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار یاسر سے فرمایا تھا:"تقتلک الفئۃ الباغیۃ" "تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔"

یہ بات مسلمانوں کے کانوں تک پہنچی اور ان کے درمیان مشہور ہو گئی کہ عمار کے سلسلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے۔ابھی چند سال گزرے تھے کہ امام علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانہ میں آپ کے اور معاویہ کے سپاہیوں کے درمیان جنگ کا بازار گرم ہوا جسے تاریخ، جنگ صفین کے نام سے یاد کرتی ہے۔اس جنگ میں عمار یاسر امام علیؑ علیہ السلام کے لشکر کے سپاہی تھے۔ اس جنگ میں آپ نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے آخر کار معاویہ کے سپاہیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

وہ لوگ جو جنگ صفین میں شک وشبہ میں تھے، کہ آیا معاویہ حق پر ہے یا علی علیہ السلام؟ ان کے نزدیک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے ثابت ہو گیا کہ علی علیہ السلام حق پر

ہیں۔ کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ" عمار ایک ظالم و باغی گروہ کے ذریعے قتل کیے جائیں گے" اور عمار قتل کرنے والا گروہ معاویہ کا تھا "لہذا معاویہ باطل پر ہے۔"

معاویہ نے جب دیکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے اس کے لشکر کے حوصلے پست پڑ رہے ہیں تو اس نے ایک ڈھونگ رچایا اور کہنے لگا کہ عمار یاسر کو میں نے نہیں، بلکہ علی نے قتل کیا ہے کیونکہ اگر وہ ہمارے مقابلہ میں انہیں نہ بھیجتے تو وہ ہرگز قتل نہ کیے جاتے۔ معاویہ کی اس توجیہ نے بعض لوگوں کو بیوقوف بنا دیا۔

امام علی علیہ السلام نے اس ڈھونگ کا بہت کھل کر جواب دیا۔ آپ نے فرمایا۔ "اگر معاویہ کی یہ بات صحیح ہے تو یہ بھی کہنا صحیح ہوگا کہ جنگ احد میں جناب حمزہ علیہ السلام کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کیا ہے نہ کہ مشرکوں نے کیونکہ جناب حمزہ علیہ السلام کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا۔"

علی علیہ السلام کے اس جواب کو عبداللہ بن عمر عاص نے معاویہ تک پہنچا دیا۔ جواب سن کر معاویہ اس قدر بوکھلا گیا کہ اس نے اپنے نہایت مکار و سازشی مشاور خاص کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "احمق کے بیٹے جلدی یہاں سے بھاگ جا۔"

غرض یہ کہ ایک ایسا مناظرہ تھا جس نے دشمنوں کی سازشوں کو خاک میں ملا کر ان کے سارے منصوبوں کی مٹی پلید کر دی۔

امام سجادؑ کا ایک بوڑھے سے مناظرہ

امام سجاد علیہ السلام جب اپنے قافلہ والوں کے ساتھ اسیر ہو کر وارد دمشق ہوئے تو شام کا رہنے والا ایک بوڑھا شخص امام سجاد علیہ السلام اور ان کے قافلے والوں کے پاس آ کر کہنے لگا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں قتل کیا، تمہارے شہروں کو تمہارے مردوں کی وجہ سے آسودہ کیا اور امیر المومنین یزید (لعنۃ اللہ علیہ) کو تم پر مسلط کیا۔"

امام سجاد علیہ السلام نے اس بوڑھے سے، جو مسلمانوں سے بالکل بے بہرہ تھا اس طرح

مناظرہ کیا۔

امام: ''کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟''

بوڑھا: ''ہاں''

امام: ''کیا تم نے اس آیت کا معنی خوب اچھی طرح سمجھا ہے جس میں خداوند متعال فرماتا ہے

''قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربی''

اے پیغمبر! ان سے کہو کہ میں تم سے اجر رسالت کچھ نہیں چاہتا مگر یہ کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔''

بوڑھا مرد: ''ہاں اس آیت کو میں نے پڑھا ہے۔''

امام: ''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں سے مراد اس آیت میں ہم لوگ ہیں۔ اے شخص کیا تو نے سورہ انفال کی ۴۱ ویں آیت پڑھی ہے:

''واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول و لذی القربی''

''اور جان لو کہ جو کچھ بھی تم نے مال غنیمت میں سے حاصل کیا ہے بلاشبہ اس کا خمس اللہ اس کے رسول اور ذوی القربی کے لیے ہے۔۔۔۔''

بوڑھا مرد: ''ہاں میں نے پڑھا ہے''

امام: ''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت دار اس آیت میں ''ہم لوگ ہیں' اے شخص! کیا تو نے اس آیت کو پڑھا ہے؟''

''انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیر!''

بوڑھا شخص: ''ہاں پڑھا ہے''

امام علیہ السلام: ''ہم ہیں وہ لوگ کہ جن کے لیے خداوند عالم نے آیہ تطہیر نازل کی ہے۔''

یہ سب سن کر بوڑھا خاموش ہو گیا اور اس کے نزدیک حقیقت واضح ہو گئی جس کی وجہ سے اپنے کہے ہوئے جملہ پر اس کے چہرہ سے پشیمانی ظاہر ہو رہی تھی۔

چند لحموں بعد اس نے امام علیہ السلام سے کہا: ''خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم وہی ہو جو تم نے کہا ہے۔''

امام علیہ السلام: "خدا کی قسم اور اپنے جدِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کا واسطہ میں انہیں کے خاندان سے ہوں۔"

یہ جملے سنتے ہی بوڑھے مرد کی حالت غیر ہوگئی اور روتے ہوئے اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا: "بارالہا! ہم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام دشمنوں (جن وانس) سے برائت کا اظہار کرتے ہیں۔" اسی وقت اس نے امام کی بارگاہ میں توبہ کی۔

اس واقعہ کی خبر یزید کے کانوں تک پہنچی۔ یزید نے فوراً اس کے لئے پھانسی کا حکم صادر کیا اور اس بوڑھے ہدایت یافتہ کو شہید کر دیا۔

امام صادقؑ سے مناظرہ کے بعد ایک منکر خدا کا مسلمان ہونا

سرزمین مصر پر عبدالملک نام کا ایک شخص رہتا تھا جس کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا جس کی وجہ سے لوگ اسے ابو عبداللہ کہتے تھے۔ عبدالملک منکر خدا تھا اور اس کا عقیدہ تھا کہ یہ دنیا خود بخود وجود میں آگئی ہے۔ اس نے یہ سن رکھا تھا کہ شیعوں کے چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام مدینے میں رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس نے مدینہ کا قصد کیا تا کہ ان سے خداوند متعال کے بارے میں مناظرہ کرے۔

جب یہ مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام کا پتہ معلوم کرنے لگا تو اسے لوگوں نے بتایا کہ وہ حج کی ادائیگی کے لئے مکے تشریف لے گئے ہیں۔ وہ مکہ کی طرف روانہ ہوا مکے پہنچ کر اس نے دیکھا کہ امام صادق علیہ السلام طواف میں مشغول ہیں۔ عبدالملک طواف کرنے والوں کی صف میں داخل ہوا اور مارے عناد کے اس نے امام صادق علیہ السلام کو دھکا دیا لیکن امام علیہ السلام نے بڑی محبت سے فرمایا۔ "تمہارا نام کیا ہے۔"

اس نے کہا۔ "عبدالملک"

امام علیہ السلام: ''تمہاری کنیت کیا ہے؟''

عبدالملک: ''ابوعبداللہ''

امام علیہ السلام: ''وہ مالک کہ جس کے تم بندہ ہو (جیسا کہ تمہارے نام سے ظاہر ہوتا ہے) وہ زمین کا حاکم ہے یا آسمان کا؟ جب (تمہاری کنیت کے مطابق) تمہارا بیٹا بندہ خدا ہے؟ ذرا بتاؤ وہ زمین کے خدا کا بندہ ہے یا آسمان کے؟ تم جو بھی جواب دو شکست کھاؤ گے۔''

عبدالملک سے کچھ کہتے نہ بن پڑا۔ ہشام برکی امام کے شاگرد وہاں موجود تھے انہوں نے عبدالملک سے کہا: ''کیوں نہیں امام کا جواب دیتے؟''

عبدالملک کو ہشام کی بات بہت بری لگی اور اس کا چہرہ بگڑ گیا۔

امام صادق علیہ السلام نے بڑی نرمی سے عبدالملک سے کہا۔ ''طواف ختم ہونے تک صبر کرو اور طواف کے بعد تم میرے پاس آؤ تاکہ دونوں مل کر کچھ گفتگو کریں۔''

جب امام صادق علیہ السلام طواف سے فارغ ہوئے تو وہ ان کے پاس آ کر برابر میں بیٹھ گیا۔ اس وقت امام کے چند شاگرد بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔

اب امام علیہ السلام اور اس کے درمیان اس طرح مناظرہ شروع ہوا۔

امام علیہ السلام: ''کیا تمہیں معلوم ہوا ہے کہ یہ زمین تہ و بالا' ظاہر و باطن والی ہے؟''

منکر خدا: ''ہاں''

امام علیہ السلام: ''بس تمہیں کیا معلوم کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟''

منکر خدا: ''زمین کے نیچے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن یہ گمان کرتا ہوں کہ زمین کے نیچے کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔''

امام علیہ السلام: ''گمان اور شک ایک طرح کی لاچاری ہے جہاں تم یقین پیدا نہیں کر سکتے۔ کیا تم آسمان کے اوپر گئے ہو؟''

منکر خدا: ''نہیں''

امام علیہ السلام: ''کیا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ آسمان میں کیا ہے اور وہاں کون کون سی چیزیں پائی جاتی ہیں؟''

منکر خدا: ''نہیں''

امام علیہ السلام: ''عجیب! نہ تم نے مشرق دیکھا نہ مغرب دیکھا ہے' نہ زمین کے نیچے گئے ہو اور نہ آسمان کے اوپر گئے تاکہ تم یہ معلوم کرسکو کہ وہاں کیا کیا ہے اور اس جہل و نادانی کے بعد بھی تم ان تمام چیزیں کے منکر ہو تم اوپر اور نیچے کی موجود اشیاء اور اس کے نظم و ترتیب جو خداوند متعال کے وجود کی حکایت کرتی ہیں اس سے بالکل نا آشنا ہو پھر کیوں منکر خدا ہو؟ کیا کوئی عاقل شخص جو کسی موضوع میں جاہل ہے اس کا انکار کرتا ہے؟''

منکر خدا: ''۔آج تک اس طرح کی بات مجھ سے کسی نے نہیں کی۔''

امام علیہ السلام: ''غرض تم اس حقیقت پر شک کرتے ہو کہ آسمان کے اوپر اور زمین کے نیچے کچھ چیز موجود ہے یا نہیں؟''

منکر خدا: ''ہاں شاید اسی طرح ہو۔'' (اسی طرح منکر خدا آہستہ آہستہ مرحلہ انکار سے شک و تردید کے مرحلہ تک پہنچا)

امام علیہ السلام: ''جو شخص جاہل ہے وہ عالم کے لیے دلیل نہیں ہو سکتا۔ اے برادر مصری! میری بات سنو اور سمجھو ہم خدا کے وجود کے بارے میں ہرگز شک نہیں کرتے کیا تم سورج' چاند اور دن و رات کو نہیں دیکھتے کہ وہ صفحہ افق پر آشکار ہوتے ہیں اور وہ مجبوراً اپنے معین راستہ پر گردش کر کے واپس پلٹتے ہیں اور وہ اپنے معین مسیر میں مجبور و ناچار ہیں؟''

اب میں تم سے پوچھتا ہوں اگر چاند سورج کے پاس گردش کرنے کی ذاتی قوت ہے تو وہ کیوں پلٹتے ہیں اور اگر اپنے آپ کو وہ مجبور نہیں سمجھتے ہیں تو کیوں نہیں رات دن ہو جاتی اور دن رات ہو جاتا؟ اے مصری برادر خدا کی قسم یہ چاند سورج اپنی گردش میں مجبور ہیں اور جس نے ان کو ان کی گردش پر مجبور کیا ہے وہ ان سے زیادہ حکومت کا اہل اور اچھا حکمراں ہے۔

منکر خدا: ''سچ کہا۔''

امام علیہ السلام: ''اے مصری برادر! تم یہ بتاؤ کہ تمہارے عقیدے کے مطابق اگر زمانے کے ہاتھوں میں موجودات کی زمام ہے اور وہی لوگوں کو لے جاتا ہے تو انہیں دوبارہ کیوں نہیں لوٹاتا اور اگر لوٹا دیتا ہے تو پھر انہیں کیوں نہیں لے جاتا؟

اے برادر مصری دنیا کی ہر چیز مجبور ہے کیونکہ آسمان اوپر اور زمین نیچے واقع ہے؟ آسمان زمین پر کیوں نہیں گر پڑتا یا زمین اپنی سطح سے بلند ہو کر آسمان سے چپک کیوں نہیں جاتی؟ اور زمین

کی تمام موجودہ اشیاء آسمان سے کیوں نہیں چپک جاتی ہیں۔"

(امام علیہ السلام کا مضبوط استدلال جب یہاں تک پہنچا تو عبدالملک شک ختم کر کے ایمان کی منزل میں آ پہنچا) وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں ایمان لے آیا اور وحدہ لاشریک کی گواہی دی اور اس نے اسلام کی حقانیت کی گواہی دیتے ہوئے بڑے ہی پر جوش انداز میں کہا۔" وہ خدا ہے جو زمین و آسمان کا حاکم ہے اور جس نے انہیں روک رکھا ہے۔"

"حمران" امام علیہ السلام کا ایک شاگرد بھی وہاں موجود تھا اس نے امام علیہ السلام کی طرف دیکھ کر کہا: "میری جان! آپ پر فدا ہو، اگر منکرین خدا آپ کی وجہ سے ایمان لائے اور مسلمان ہو جائیں تو آپ کے جد کی وجہ سے کافروں نے بھی اسلام و ایمان قبول کیا ہے۔"

عبدالملک نے (جو ابھی ابھی مسلمان ہوا تھا) امام سے عرض کیا: "آپ مجھے شاگرد کے طور پر قبول کر لیجئے۔"

امام صادق علیہ السلام نے اپنے خاص شاگرد (ہشام بن حکم) سے فرمایا: "عبدالملک کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اسے احکام اسلام کی تعلیم دو۔" ہشام بن حکم جو شام اور مصر کے عوام کے لئے بہترین معلم تھے عبدالملک کو اپنے ساتھ لے گئے اور عقائد اور احکام اسلام کی تعلیم دی تا کہ وہ سچے اور مضبوط عقیدے والے ہو جائیں۔ اسی طرح امام صادق علیہ السلام نے اس مومن کے ایمان اور ہشام بن حکم کی تعلیمی روش کو بہت پسند کیا۔ (اصول کافی، ج ۱، ص ۷۲-۷۳)

ابن ابی العوجاء کی لاچاری

"عبدالکریم" "جو" ابن ابی العوجاء" کی عرفیت سے مشہور تھا۔ ایک دن امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں مناظرہ کے لئے حاضر ہوا اس نے دیکھا کہ چند گروہ امام کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی امام علیہ السلام کے قریب آ کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔

امام علیہ السلام: "تو دوبارہ اس غرض سے آیا ہے کہ میرے اور تیرے درمیان جو باتیں ہوئی تھیں ان کے بارے میں تحقیق کرے۔"

ابن ابی العوجاء: "ہاں یابن رسول اللہ میں اسی لئے آیا ہوں۔"

امام علیہ السلام: "تجھ پر تعجب ہوتا ہے کہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں پیغمبر کا بیٹا ہوں اور خدا کا انکار کرتا ہے۔"

ابن ابی العوجاء: "ہماری عادت اس طرح سے بات کرنے پر مجبور کرتی ہے۔"

امام علیہ السلام: "تو کیوں خاموش ہے"

ابن ابی العوجاء: "آپ کی عظمت و جلالت کی وجہ سے میری زبان میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ آپ کے سامنے کچھ کہوں۔ میں اور بہت سے دانشوروں اور مقرروں کے پاس جا کر باتیں کرتا ہوں لیکن آپ کی جلالت و عظمت جس طرح مجھے مرعوب کرتی ہے ایسا کہیں بھی نہیں ہوتا۔"

امام علیہ السلام: "جب تو خاموش ہے تو میں ہی بات شروع کرتا ہوں۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "ابن ابی العوجاء تو مجھے یہ بتا کہ تو بنایا گیا ہے یا نہیں۔"

ابن ابی العوجاء: "نہیں۔ میں نہیں بنایا گیا ہوں۔"

امام علیہ السلام: "اچھا تو یہ بتا اگر بنایا ہوا ہوتا تو کیسا ہوتا؟"

ابن ابی العوجا بہت دیر تک اپنے گریبان میں جھانکتا رہا اس کے بعد اس نے اپنے پاس رکھی ہوئی لکڑی کو اٹھا کر ہاتھ میں دبایا اور مصنوعی شئے کی ساخت کی نوعیت اس طرح بیان کرنے لگا۔ "لمبی، چوڑی، لمبی، چھوٹی متحرک، غیر متحرک وغیرہ یہ تمام چیزیں تو مخلوق اور مصنوعی ہونے کی خصوصیت ہے۔

امام علیہ السلام: "ہاں اگر اس کے علاوہ مصنوعی چیز کی دوسری اور صفتیں نہیں جانتا تو تو خود بھی مصنوعی ہے اور تجھے چاہیے کہ اپنے آپ کو مصنوعی سمجھے کیونکہ یہ تمام صفات تو اپنے حادث وجود میں پاتا ہے۔"

ابن ابی العوجاء: "آپ نے جیسا سوال کیا ہے ابھی تک کسی نے مجھ سے ایسا سوال نہیں کیا اور نہ آئندہ کرے گا۔"

امام علیہ السلام: "یہ تو فرض کر سکتے ہیں کہ ابھی تک تجھ سے اس طرح کا کسی نے سوال نہیں کیا لیکن یہ کیسے معلوم کہ آئندہ بھی ایسا سوال نہیں کیا جائے گا۔"

اور اس طرح تم اپنی بات سے اپنی ہی بات کی رد کر رہے ہو کیونکہ تمہارے عقیدے کے

مطابق ماضی، حال آئندہ سب یکساں ہیں۔ اب کس طرح کچھ چیزوں کو پہلے اور کچھ کو بعد میں تصور کرتے ہو اور اپنی باتوں میں ماضی اور مستقبل کا ذکر کرتے ہو؟ اے عبدالکریم! اس سے زیادہ توضیح دوں اگر تمہارے پاس ایک سو سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تجوری ہو اور تم سے کوئی کہے کہ اس تجوری میں سونے کے سکے موجود ہیں اور تم اس کے جواب میں کہو کہ نہیں اس میں کچھ نہیں ہے اور وہ تم سے کہے کہ سونے کے اوصاف بیان کرو اور اگر تم سونے کے سکے کے اوصاف نہیں جانتے تو کیا یہ کہہ سکتے ہو کہ تجوری میں سونے کے سکے نہیں ہیں؟"

ابن ابی العوجاء: "نہیں۔ اگر میں نہیں جانتا تو ہرگز ایسی بات نہیں کرسکتا۔"

امام علیہ السلام: "اس دنیا کی لمبائی اور چوڑائی اس تجوری سے زیادہ ہے اب تجھ سے میں یہ پوچھتا ہوں کہ یہ پھیلی ہوئی دنیا شاید مصنوعی ہو کیونکہ تو غیر مصنوعی چیزوں کی خصوصیت نہیں جانتا۔"

جب بات یہاں تک پہنچی تو ابن ابی العوجاء مجبور ہو کر خاموش ہوگیا یہ دیکھ کر اس کے بعض ہم مسلک مسلمان ہوگئے اور بعض کفر پر باقی رہے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۷۶، ۷۷)

مناظرے کا تیسرا دن

تیسرے دن بھی ابن ابی العوجاء امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں مناظرہ کی غرض سے یہ سوچ کر آیا آج وہ پہل کرے گا۔ لہٰذا وہ آتے ہی کہنے لگا کہ آج میں مناظرہ کی ابتداء چند سوال سے کروں گا۔

امام علیہ السلام: "جو چاہو پوچھو۔"

ابن ابی لعوجاء: "کس دلیل سے یہ دنیا حادث ہے (یعنی پہلے نہیں تھی اور بعد میں وجود میں آئی؟)"

امام علی علیہ السلام: "تم جب بھی کسی چھوٹی یا بڑی چیز کا تصور کرتے ہو، اگر چھوٹی چیز کو اس جیسی کسی دوسری چیز سے ملا دو تو وہ مذکورہ شئے بڑی ہو جائے گی، اسی کو انتقال کہتے ہیں یعنی پہلی

حالت بدل کر دوسری حالت اختیار کرنا۔ اور حادث کا معنی بھی یہی ہے اب اگر وہ چیز قدیم تھی تو دوسری صورت اختیار نہیں کر سکتی کیونکہ جو بھی چیز نابود اور متغیر ہوتی ہے وہ نادی اور تبدیلی کو قبول کرتی ہے اور اس بنا پر کسی ہستی کا نابود ہونا اس، کے حادث ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر بالفرض وہ قدیم تھی بھی تو اب بڑی ہو جانے کی وجہ سے وہ تغیر پزیر ہو گئی اور اس طرح وہ حادث ہو گئی۔ (یہی اشیاء کے قدیم نہ ہونے کی دلیل ہے) اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ایک چیز حادث بھی ہو اور قدیم ازلی بھی ہو اور عدمی بھی۔"

ابن ابی العوجاء: "جی ہاں! اگر یہ فرض کر لیں کہ چھوٹی چیز بڑی ہو جاتی ہے تو آپ کی بات درست ہے اور اس طرح انہیں حادث ماننا پڑے گا لیکن اگر کوئی چیز اپنی اصلی حالت میں یعنی چھوٹی ہی رہے تو ان کے حادث ہونے پر آپ کی دوسری کیا دلیل ہے؟"

امام علیہ السلام: "ہماری بحث کا محور یہی موجود جہان ہے (جو تغیر و تبدل کی حالت میں ہے) اب اگر اس دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا کا تصور کریں اور اسے موضوع بحث بنائیں تو بھی ایک دنیا کی نادی ثابت ہو گی اور ایک دنیا کا وجود ثابت ہو گا۔ اور یہ بھی حادث ہی کا معنی ہوا اور تمہارے بقول اگر ہر چھوٹی چیز اپنی حالت پر باقی رہتی تو کس طرح حادث ہو گی اس کا بھی جواب دیتا ہوں۔

اگر یہ فرض کر لیں کہ ہر چھوٹی چیز اپنی حالت پر باقی، ہے تب بھی یہ فرض کرنا تو بہر حال صحیح ہو گا کہ اگر دو چھوٹی چیزوں کو آپس میں ملا دیا جائے تو وہ چھوٹی چیز بڑی ہو جائے اور اس طرح کے فرض کا صحیح ہونا ہی ان کے حادث ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس طرح کے فرض کی صحت سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ مفروض شئے تغیر و تبدل کو قبول کرتی ہے اور یہی تبدیلی اس کے حادث ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اے عبدالکریم! اس کے بعد اب تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچتا۔ (اصول کافی، ج ۱، ص ۷۷)

ابن ابی العوجاء کی ناگہانی موت

ابن ابی العوجاء اور امام صادق علیہ السلام کے درمیان مکہ میں مناظرہ کو ایک سال گزر گیا۔ اور دوسرے سال پھر ابن ابی العوجاء کعبہ کے کنارے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام کے ایک شیعہ نے آپ سے دریافت کہ کیا ابن ابی العوجاء مسلمان ہو گیا؟

امام علیہ السلام: "اسلام کے سلسلہ میں اس کا دل ٹیڑھا ہے وہ ہرگز مسلمان نہیں ہوگا۔"

جب ابن ابی العوجاء کی نظر امام علیہ السلام پر پڑی تو اس نے کہا: "اے میرے آقا و مولا۔"

امام علیہ السلام۔ "کیوں یہاں آئے ہو؟"

ابن ابی العوجاء "میں یہاں اس لئے آیا ہوں تا کہ اپنے وطن والوں کا بال مونڈنا، پتھر پھینکنا یا اس طرح کی دوسری دیوانگی جو وہ حج میں انجام دیتے ہیں دیکھ سکوں۔"

امام علیہ السلام: "تو ابھی تک اپنی گمراہی اور سرکشی پر باقی ہے۔"

ابن ابی العوجاء چاہتا ہی تھا کہ کچھ بولے کہ امام نے اسے یہ کہہ کر روکا کہ حج کے زمانہ میں بحث و مجادلہ صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنی عبا کو جھٹکا دیا اور فرمایا: "جو میں کہتا ہوں اگر وہ حقیقت ہے اور ایسا ہی ہے تو میں حق پر ہوں نہ کہ تم اور اگر تم حق پر ہو جبکہ ایسا نہیں ہے تو تم اور ہم دونوں حق پر ہیں۔ بہر حال میں حق پر ہوں اور تم ان دو حالتوں میں چاہے جس حالت پر ہو ہلاک ہو گے۔"

اسی وقت ابن ابی العوجاء کی حالت بدلنے لگی اور اس نے اپنے اطرافیوں سے کہا کہ میرے دل میں درد ہو رہا ہے۔ مجھے واپس لے چلو۔ جب اسے اس کے اطرافی واپس لے گئے تو وہ دنیا سے جا چکا تھا خدا اسے نہ بخشے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۷۸)

عبداللہ دیصانی کا مسلمان ہونا

ہشام بن حکم امام صادق علیہ السلام کے بہترین شاگرد تھے۔ ایک دن ایک منکر خدا نے ان سے ملاقات کی اور پوچھا "کیا تمہارا خدا ہے؟"

ہشام: "ہاں"

عبداللہ: "آیا تمہارا خدا قادر ہے؟"

ہشام: "ہاں میرا خدا قادر ہے اور تمام چیزوں پر قابض بھی ہے۔"

عبداللہ: "کیا تمہارا خدا ساری دنیا کو ایک انڈے میں سمو سکتا ہے جبکہ نہ دنیا چھوٹی ہو اور نہ ہی انڈا بڑا ہو؟"

ہشام: "اس سوال کے جواب کے لئے مجھے مہلت دو۔"

عبداللہ: "میں تمہیں ایک سال کی مہلت دیتا ہوں۔"

ہشام یہ سوال سن کر امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا۔ "اے فرزند رسولؐ عبداللہ دیصانی نے مجھ سے ایک ایسا سوال کیا جس کے جواب کے لئے صرف خداوند متعال اور آپ کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔"

امام علیہ السلام: "اس نے کیا سوال کیا ہے؟"

ہشام: "اس نے کہا کہ کیا تمہارا خدا اس بات پر قادر ہے کہ اس وسیع دنیا کو ایک انڈے کے اندر سمو دے جبکہ نہ دنیا چھوٹی ہو اور نہ انڈا بڑا ہو؟"

امام علیہ السلام: "اے ہشام! تمہارے پاس کتنے حواس ہیں؟"

ہشام: "میرے پاس حواس ہیں۔" (سامعہ، باصرہ، ذائقہ، لامسہ اور شامعہ)

امام علیہ السلام: "ان میں سب سے چھوٹی حس کون سی ہے؟"

ہشام: "باصرہ۔"

امام علیہ السلام: "آنکھوں کا وہ ڈھیلا جس سے دیکھتے ہو کتنا بڑا ہے؟"

ہشام: "ایک چنے کے دانے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹا ہے۔"

امام علیہ السلام: ''اے ہشام! ذرا اوپر' سامنے دیکھ کر مجھے بتاؤ کہ کیا دیکھتے ہو؟''

ہشام نے دیکھا اور کہا: ''آسمان، زمین' گھر' بیابان' پہاڑ اور نہروں کو دیکھ رہا ہوں۔''

امام علیہ السلام: ''جو خدا اس بات پر قادر ہے کہ اس پوری دنیا کو تمہاری چھوٹی سی آنکھ میں سمو دے وہی اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس دنیا کو ایک انڈے کے اندر سمو دے اور نہ دنیا چھوٹی ہو نہ انڈا بڑا ہو۔

ہشام نے جھک کر امام صادق علیہ السلام کے ہاتھ اور پیروں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔''اے فرزند رسولؐ! بس یہی جواب میرے لئے کافی ہے۔''(۱)

ہشام اپنے گھر آئے اور دوسرے ہی دن عبداللہ ان کے پاس آ کر کہنے لگا۔''میں سلام عرض کرنے آیا ہوں نہ کہ اپنے سوال کے جواب کیلئے۔''

ہشام نے کہا۔''تم اگر اپنے کل کے سوال کا جواب چاہتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے اس کے بعد آپ نے امام علیہ السلام کا جواب اسے سنا دیا۔

عبداللہ دیصانی نے فیصلہ کیا کہ خود ہی امام کی خدمت میں پہنچ کر اپنے سوالات پیش کرے۔ وہ امام کے گھر کی طرف چل پڑا' دروازے پر پہنچ کر اس نے اجازت طلب کی اور اجازت ملنے کے بعد گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر جانے کے بعد وہ امام کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''اے جعفر بن محمد مجھے میرے معبود کی طرف جانے کا راستہ بتا دو۔''

---

(۱) اس بات پر توجہ رہنی چاہے کہ خدا کی قدرت محال چیزوں سے تعلق نہیں رکھتی۔ اس جواب میں امام کا مقصد دراصل عوام کو قانع کرنا تھا جیسے اگر کسی سے پوچھا جائے کہ کیا انسان اڑ سکتا ہے؟ اور وہ اس کے جواب میں کہے۔''ہاں اڑ سکتا ہے وہ ایک ہوائی جہاز بنائے اور اس میں بیٹھ کر فضا میں پرواز کر سکتا ہے۔''امام' آنکھ کے ڈھیلے کی مثال سے یہ بتانا چاہ رہے تھے کہ اگر تم قدرت خدا سمجھنا چاہتے ہو تو اس طرح سمجھو نہ کہ غیر معقول مثال کے ذریعے کہ کیا خدا انڈے میں پوری دنیا سمو سکتا ہے جب کہ نہ دنیا چھوٹی ہو اور نہ انڈا بڑا ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ اس مثال سے امام یہ بتانا چاہ رہے ہوں کہ اگر ایک انڈے میں تمام دنیا کے انعکاس کا مسئلہ ہو تو یہ کوئی محال کام نہیں ہے اور خدا اس بات پر قادر ہے اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت محال ہے اور خدا محالات عقلیہ پر قدرت نہیں رکھتا یہ تو ایسا ہی ہوگا کہ ہم سوال کریں کہ کیا خدا اس بات پر قادر ہے کہ وہ دو اور دو چار کے بجائے پانچ کر دے۔ اس طرح کا سوال سرے سے غلط ہے۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق اور یہ کہ خدا کی قدرت محالات سے متعلق ہوتی ہے یا نہیں کے سلسلے میں مختلف کلامی بحثوں پر مشتمل کتابوں سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

عبداللہ باہر نکل گیا اور اس نے نام نہیں بتایا۔ اس کے دوستوں نے اس سے کہا۔

''تم نے اپنا نام کیوں نہیں بتایا؟''

اس نے جواب دیا۔

''میں اگر اپنا نام عبداللہ (خدا کا بندہ) بتاتا تو وہ مجھ سے پوچھتا کہ جس کے تم بندے ہو وہ کون ہے؟''

عبداللہ کے دوستوں نے کہا۔

''امام علیہ السلام کے پاس واپس جاؤ اور ان سے یہ کہو آپ مجھے میرے معبود کا پتہ بتائیں اور نام نہ پوچھیں۔''

عبداللہ واپس گیا اور جا کر امام علیہ السلام سے عرض کیا:

''آپ میری' خدا کی طرف ہدایت کریں مگر میرا نام نہ پوچھیں۔''

امام علیہ السلام نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے فرمایا۔

''وہاں بیٹھ جاؤ۔''

عبد اللہ بیٹھ گیا۔ اسی وقت ایک بچہ ہاتھ میں ایک انڈا لئے کھیلتا ہوا' وہاں پہنچ گیا' امام علیہ السلام نے بچے سے فرمایا۔

''لاؤ انڈا مجھے دے دو۔''

بچے نے امام علیہ السلام کو انڈا دے دیا۔

امام علیہ السلام نے انڈے کو ہاتھ میں لے کر عبداللہ کی طرف دیکھا اور فرمایا ''اے دیصانی! اس انڈے کی طرف دیکھ جو ایک چھلکے سے ڈھکا ہوا ہے اور چند جھلیوں میں مقید ہے۔

۱-موٹی جھلی

۲-موٹی جھلی کے نیچے نازک اور پتلی جھلی پائی جاتی ہے۔

۳-اور نازک اور پتلی جھلی کے نیچے پگھلی ہوئی چاندی (انڈے کی سفیدی) ہے۔

۴-اس کے بعد پگھلا ہوا سونا (انڈے کی زردی) ہے مگر نہ یہ اس پگھلی ہوئی چاندی سے

ملتا ہے اور نہ وہ پگھلی ہوئی چاندی اس سونے سے مخلوط ہوتی ہے بلکہ یہ اپنی اسی حالت پر باقی ہے نہ کوئی اس انڈے میں سے باہر آیا ہے جو یہ کہے کہ میں اسے بنایا ہے اور نہ ہی باہر سے کوئی اندر ہی گیا ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے اسے تباہ کیا ہے' نہ یہ معلوم کہ یہ نر کے لئے ہے یا مادہ کے لئے۔ اچانک کچھ مدت کے بعد یہ شگافتہ ہوتا ہے اور اس میں سے ایک پرندہ مور کی طرح رنگ برنگ پروں کے ساتھ باہر آ جاتا ہے۔ کیا تیری نظر میں اس طرح کی ظریف وباریک تخلیقات کے لئے کوئی مدبر و خالق موجود نہیں ہے؟''

عبداللہ دیصانی نے یہ سوال سن کر تھوڑی دیر تک سر جھکائے رکھا (اس کے قلب میں ایمان روشن ہو چکا تھا) اور پھر اس نے بلند آواز میں کہا۔ ''میں اس بات کی گوہی دیتا ہوں' خدا کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے وہ وحدہ لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسولؐ ہیں اور آپ خدا کی طرف سے لوگوں کے امام معین کئے گئے ہیں میں اپنے باطل عقیدے سے توبہ کرتا ہوں اور پشیمان ہو۔ (اصول کافی ج ۱' ص ۷۹ و ۸۰)

ایک ثنوی کو امام کا جواب

ایک مجوی امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں آ کر اپنے عقیدے کے اثبات میں باتیں کرنے لگا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ اس جہان ہستی کے دو خدا ہیں' ایک نیکیوں کا خدا اور دوسرا برائیوں کا' امام صادق علیہ السلام نے اس کے اور اس کی طرح تمام مجویوں کے عقیدے کی تردید میں فرمایا۔

''اگر تو یہ کہتا ہے کہ خدا دو ہیں تو وہ ان تصورات سے خارج نہیں ہو سکتے۔''

۱- یا دونوں طاقتو اور قدیم ہیں؟

۲- یا دونوں ضعیف و ناتواں ہیں؟

۳- یا ایک قوی و مضبوط اور دوسرا ضعیف و ناتواں ہے؟

پہلی صورت کے مطابق' کیوں پہلا والا خدا دوسرے کی خدائی کو ختم نہیں کر دیتا تا کہ وہ اکیلا ہی پوری دنیا پر حکومت کرے؟ (یہ نظام ہستی جو ایک ہے اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ اس کا

حاکم بھی ایک ہے، جو قوی مطلق ہے۔)

تیسری صورت بھی اس بات کی دلیل بن رہی ہے کہ خدا واحدہ لاشریک ہے اور ہماری بات ثابت کرتی ہے کیونکہ ہم اسی کو خدا کہتے ہیں جو قوی و مضبوط ہے اور دوسرا اس لئے خدا نہیں کیونکہ وہ ضعیف و ناتواں ہے، اور یہی اس کے خدا نہ ہونے کی دلیل ہے۔

دوسری صورت میں (اگر دونوں ضعیف و ناتواں ہوں) یا دونوں کسی ایک جہت سے متفق ہوں اور دوسری جہت سے مختلف (۱) تو اس صورت میں لازم آتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک (مابہ الامتیاز ہو) یعنی ان دونوں خداؤں میں سے کوئی شئے ایک خدا کے پاس ہے وہ دوسرے کے پاس نہ ہو اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ (مابہ الامتیاز) امر وجودی قدیم ہو (یعنی وہ شئے اس میں ہمیشہ سے پائی جاتی ہو) اور شروع سے ہی اور ان دو خداؤں کے ساتھ موجود رہے تاکہ ان کی ''دوئیت'' صحیح ہو۔ اس صورت میں ''تین خدا وجود میں آجائیں گے اور اسی طرح چار خدا پانچ خدا اور اس سے بھی زیادہ بلکہ بے انتہا خداؤں کا معتقد ہونا پڑے گا۔

ہشام کہتے ہیں: اس ثنوی نے دوگانہ پرستی سے ہٹ کر اصل وجود خدا کی بحث شروع کر دی اس کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ اس نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا۔ ''خدا کے وجود پر آپ کی کیا دلیل ہے؟''

امام صادق علیہ السلام: دنیا کی یہ تمام چیزیں اس بات کی حاکی ہیں کہ ان کا کوئی بنانے والا ہے جیسے تم جب کسی اونچی اور مضبوط عمارت کو دیکھتے ہو تمہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے بھلے تم نے اس کے معمار کو نہ دیکھا ہو۔''

ثنویہ: ''خدا کیا ہے؟''

امام علیہ السلام: ''خدا! تمام چیزوں سے ہٹ کر ایک چیز ہے اور دوسرے الفاظ میں اس طرح کہ وہ تمام چیزوں کے معنی و مفہوم کو ثابت کرتا ہے اور تمام کی وہ حقیقت ہے لیکن جسم اور شکل اس کے پاس نہیں ہے اور وہ کسی حس سے نہیں سمجھا جا سکتا ہے، وہ خیالوں میں نہیں ہے اور زمانہ کے

---

(۱) کیونکہ ان دونوں میں ہر جہت سے اختلاف کا فرض غلط ہے کیونکہ دو چیزیں بھلے۔ ایک ہی جہت سے۔ مانند و مثل ضرور رکھتی ہیں جیسے جہت وجود و ہستی میں ہر موجود شئے ایک دوسرے کی مثل و مانند ہے۔

گزرے سے اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اسے بدل سکتا ہے۔(اصول کافی' حدیث ۵ ص ۸۰ و ۸۱ ج ۱۔ تلخیص وتوضیح اور موئف کی طرف سے نقل معنی کے ساتھ)

منصور کے سامنے امام صادق اور ابو حنیفہ کا مناظرہ

ابن شہر آشوب' مسند ابو حنیفہ سے روایات کرتا کہ حسن بن زیاد نے کہا: ابو حنیفہ سے (حنفی مذہب کے رہبر) پوچھا گیا کہ تم نے ابھی تک جن لوگوں کو دیکھا ہے ان میں سب زیادہ عظیم فقیہ کون ہے؟

ابو حنیفہ نے جواب میں کہا۔ "لوگوں میں سے سب سے زیادہ عظیم فقیہ جعفر بن محمد (امام صادق علیہ السلام) ہیں منصور دوانیقی (عباسی حکومت کا دوسرا خلیفہ) جب امام کو اپنے پاس لے گیا تھا تو اس نے میرے پاس اس طرح پیغام بھیجا۔"

اے ابو حنیفہ! جعفر بن محمد (امام صادق علیہ السلام) کو لوگ بہت زیادہ چاہنے لگے ہیں تم کچھ سخت سوالات کرو اور ان سے مناظرہ کرو۔" (تا کہ وہ ان کے جواب نہ دے پائیں اور اس طرح ان کی مقبولیت میں کمی ہو جائے۔) میں نے چالیس سوالات تیار کئے جس کے بعد منصور نے شہر "حیرہ" (بصرہ اور مکہ کے درمیان) میں مجھے حاضر ہونے کے لئے کہا' میں اس کے پاس گیا تو دیکھا امام صادق علیہ السلام اس کے داہنے جانب بیٹھے ہوئے ہیں' جیسے ہی میری نظر امام صادق علیہ السلام پر پڑی' میں ان کی عظمت وجلالت سے اتنا مرعوب ہوا کہ اتنا آج تک منصور سے نہیں ہوا تھا۔ میں نے منصور کو سلام کیا' اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا میں بیٹھ گیا پھر منصور نے امام صادق علیہ السلام کی طرف رخ کر کے کہا۔ "اے ابا عبداللہ یہ ابو حنیفہ ہے۔"

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ "ہاں میں اسے پہچانتا ہوں۔"

اس کے بعد منصور نے میری طرف رخ کر کے کہا۔ "اے ابو حنیفہ تو اپنے سوالات پیش کر۔"

میں نے امام صادق علیہ السلام سے اپنا ایک ایک سوال پوچھ ڈالا انہوں نے ان سب کا جواب دیا اور آپ جواب کے دوران فرماتے تھے۔ "اس مسئلے میں تم اس طرح کہتے ہو' اہل مدینہ اس طرح کہتے ہیں' ان کے بعض جوابات میرے نظریے کے مطابق تھے اور بعض اہل مدینہ کے اور بعض

دونوں کے مخالف تھے۔

یہاں تک کہ میں نے اپنے بیسیوں سوالات کر ڈالے اور امام صادق علیہ السلام نے ہر سوال کا جواب بطور احسن واکمل دیا۔ اس کے بعد ابو حنیفہ کہتا ہے۔

''الیس اعلم الناس' اعلمھم باختلاف الناس''

''کیا سب سے زیادہ آگاہ اور دانشمند شخص وہ نہیں ہے جو لوگوں کے مختلف نظریوں سب سے زیادہ کو جانتا ہو۔ (انوار البھیہ' ص ۱۵۲)

ایک ''خدانما'' کو لاچار کر دیا

امام صادق علیہ السلام کے زمانہ میں ''جعد بن درھم'' نام کا ایک شخص تھا جس نے اسلام کے خلاف بہت سی بدعتیں جاری کر رکھیں تھیں اور اس نے چند لوگوں کو اپنا شاگرد بنالیا تھا۔ آخر کار اسے عید قربان کے دن سزائے موت دے دی گئی۔

اس نے ایک تھوڑی خاک اور پانی لے کر ایک شیشی میں ڈالا چند دنوں بعد اس میں کیڑے مکوڑے پیدا ہو گئے۔ وہ شیشی لے کر لوگوں کے درمیان آ کر یہ دعویٰ کرنے لگا۔ ''ان کیڑے مکوڑوں کو میں نے پیدا کیا ہے۔ چونکہ ان کی پیدائش کا سبب میں بنا ہوں لہٰذا میں ہی ان کا خالق و خدا ہوں۔''

چند مسلمانوں نے امام صادق علیہ السلام کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا۔ ''اس سے پوچھو کہ شیشی میں کیڑوں کی تعداد کتنی ہے؟ اس میں نر و مادہ کتنے ہیں' ان کا وزن کتنا ہے؟ اس سے کہو کہ ان کی شکل بدل دے کیونکہ جو ان کا خالق ہوگا وہ اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہوگا کہ ان کی شکل بدل دے۔''

ان چند مسلمانوں نے اس سے انہیں سوالات کے ذریعے مناظرہ کیا اور وہ ان کے جوابات سے قاصر رہا اس طرح اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا اور اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا (سفینۃ البحار' ج ۱' ص ۱۵۷)

تم یہ جواب حجاز سے لے آئے ہو

"امام صادق علیہ السلام کے زمانہ میں بہت ہی مشہور و معروف' ابو شاکر دیصانی نام کا ایک شخص تھا جو توحید کا منکر تھا اور اس بات کا معتقد تھا کہ ایک نور کا خدا ہے اور دوسرا ظلمت کا۔ وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتا تھا کہ اپنی کلامی بحث چھیڑ کر اپنے عقیدے کو ثابت کرے اور اسلام کو نیچا دکھائے۔ اس نے مکتب دیصانی کی بنیاد ڈالی تھی اور اس کے کچھ شاگرد بھی تھے۔ یہاں تک کہ ہشام بن حکم بھی کچھ دنوں تک اس کے شاگرد رہے تھے۔ ہم یہاں پر اس کے اعتراض کا ایک نمونہ نقل کرتے ہیں توجہ فرمائیں۔"

ابو شاکر نے خود اپنی فکر کے مطابق قرآن مجید میں ایک قابل اعتراض بات ڈھونڈ نکالی تھی۔ ایک روز اس نے امام صادق علیہ السلام کے خاص شاگرد ہشام بن حکم سے کہا: "مجھے قرآن میں ایک ایسی آیت ملی ہے جو ہمارے عقیدے (ثنویہ) کی تصدیق کرتی ہے۔"

ہشام: "کس آیت کے بارے میں کہہ رہے ہو؟"

ابو شاکر: "سورہ زخرف کی ۸۴ ویں آیت پڑھتا ہوں"

"وھوالذی فی السماء الٰہ و فی الارض الٰہ"

"وہ جو آسمان میں خدا ہے اور زمین میں خدا ہے۔" اس بنا پر ایک معبود آسمان کا ہے اور دوسرا زمین کا ہے۔

ہشام کہتے ہیں "میں سمجھ نہیں سکا کہ اس کا جواب کس طرح دوں لہٰذا اسی سال میں جب خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں جا کر یہ مسئلہ پیش کر دیا۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ "یہ ایک بے دین خبیث کی بات ہے۔ جب تم واپس جاؤ تو اس سے پوچھو کہ کوفے میں تیرا کیا نام ہے؟ وہ کہے گا۔ "فلاں" تم پھر کہو۔ "تیرا بصرے میں کیا نام ہے؟" وہ کہے گا فلاں تب تم اس سے کہو" ہمارا پروردگار بھی اسی طرح ہے آسمان میں اس کا نام "الٰہ" ہے اور زمین میں بھی اس کا نام "الٰہ" ہے۔ بیشک دریاؤں صحراؤں اور ہر جگہ کا وہی معبود

الہ ہے۔"

ہشام کہتے ہیں: "جب میں واپس لوٹا تو ابوشاکر کے پاس جاکر میں نے اسے یہ جواب سنا دیا اس نے کہا" یہ تمہاری بات نہیں ہے تم اسے حجاز سے لے آئے ہو۔

(اصول کافی ج ا' ص ۱۲۸)

امامؑ کے شاگردوں کا ایک شامی سے مناظرہ

امام صادق علیہ السلام کے زمانہ میں شام کا ایک دانش مند (وہ شامی دانش مند ایک سنی عالم تھا) مکہ میں آپ کی خدمت میں پہنچا اور اپنا تعارف اس نے اس طرح کرایا۔ "میں علم کلام، علم فقہ اور واجبی احکام کو اچھی طرح سے جانتا ہوں اور میں یہاں آپ کے شاگردوں سے بحث و مناظرہ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

امام علیہ السلام: "تیری باتیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پر مبنی ہوں گی یا تیری خود کی ہوں گی؟"

شامی دانشمند: "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بھی ہوں گی اور میری کچھ ذاتی باتیں بھی ہوں گی۔"

امام علیہ السلام: "تو پھر تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شریک کار ہے؟"

شامی دانشمند: "نہیں میں ان کا شریک نہیں ہوں۔"

امام علیہ السلام: "کیا تجھ پر وحی نازل ہوئی ہے؟"

شامی دانشمند: "نہیں"

امام علیہ السلام: "کیا تو جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وا..ب جانتا ہے اسی طرح اپنی بھی اطاعت واجب جانتا ہے؟"

شامی دانشمند: "نہیں میں اپنی اطاعت واجب نہیں جانتا۔"

اب امام صادق علیہ لسلام نے اپنے ایک شاگرد (یونس بن یعقوب) کی طرف رخ کر

کے فرمایا۔

''اے یونس! اس شخص نے بحث و مناظرہ شروع کرنے سے پہلے ہی شکست کھالی (کیونکہ اس نے بغیر کسی دلیل کے اپنی بات کو حجت جانا) اے یونس! اگر تم علم کلام (علم کلام ایک ایسا علم ہے جو اصول عقائد میں عقلی ونقلی دلیلوں کے ذریعہ بحث کرتا ہے) اچھی طرح جانتے تو اس مرد شامی سے مناظرہ کرتے۔''

یونس: ''افسوس کہ میں علم کلام سے آگاہی نہیں رکھتا۔ آپ پر فدا ہوں۔ آپ نے علم کلام سے منع فرمایا اور کہا ہے: ''قابل افسوس ہیں وہ لوگ جو علم کلام سے سروکار رکھتے ہیں اور کہتے ہیں'' یہ صحیح ہے، یہ غلط ہے۔ یہ بات نتیجہ تک پہنچتی ہے' یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور یہ چیز سمجھ میں نہیں آتی۔''

امام علیہ السلام: ''میں نے جو منع کیا تھا وہ اس صورت میں تھا کہ اسے اختیار کرنے والے ہماری باتوں کو چھوڑ دیں اور جو خود جانتے ہیں اسی پر تکیہ کریں۔ اے یونس! باہر جاؤ اور دیکھو۔ اگر علم کلام جاننے والا میرا کوئی شاگرد ہو تو اسے یہاں لے آؤ۔''

یونس: ''میں باہر گیا اور تین افراد (حمران بن اعین' مومن الطاق، احول اور ہشام بن حکم) جو علم کلام میں کافی مہارت رکھتے تھے انہیں لے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان لوگوں کے ساتھ ساتھ میں نے قیس بن ماصر کو بھی لے لیا جو علم کلام میں ان تمام لوگوں سے زیادہ ماہر تھے اور انہوں نے امام سجاد علیہ السلام سے یہ علم حاصل کیا تھا۔ جب سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ گئے تو امام صادق علیہ السلام خیمے سے باہر آئے وہ وہی خیمہ تھا جو مکہ میں حرم کے بغل میں آپ کے لئے لگایا گیا تھا اور آپ حج شروع ہونے سے کچھ دن قبل ہی سے وہاں رہنے لگے تھے۔ امام کی نظر ایک ایسے اونٹ پر پڑی جو دوڑتے ہوئے آرہا تھا امام نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم اس اونٹ پر ہشام سوار ہو کر آرہے ہیں۔''

لوگوں نے سوچا کہ امام کی مراد عقیل کے بیٹے ہشام ہیں کیونکہ امام انہیں بہت چاہتے تھے۔ اچانک لوگوں نے دیکھا کہ اونٹ نزدیک ہوا اور اس پر ''ہشام بن حکم'' سوار تھے (امام کے ایک بہترین شاگرد) وہ اس وقت نوجوان تھے اور ابھی جلدی ہی ان کی داڑھی نکلی تھی۔ موجودہ لوگوں میں ان کی عمر سب سے کم تھی۔ تقریباً سب ہی ان سے بڑے تھے۔ امام نے ہشام کو جیسے ہی دیکھا بڑے پر جوش انداز میں ان کا استقبال کرتے ہوئے ان کے لئے جگہ بنائی اور ان کی شان میں یہ حدیث فرمائی:

''ناصر نا بقلبه و لسانه و یده '' ہشام قلب وزبان اور اپنے اعضاء سے ہمارا ناصر و مددگار ہے۔''

اسی وقت امام صادق علیہ السلام نے اپنے تمام موجود شاگردوں میں سے ایک ایک سے فرمایا۔''اس شامی دانش مند۔سے تم لوگ بحث و مناظرہ کرو۔'' آپ نے خصوصی طور پر حمران سے فرمایا :''شامی مرد سے مناظرہ کرو۔'' انہوں نے اس سے مناظرہ کیا ابھی چند لمحے نہیں گزرے تھے کہ شامی حمران کے سامنے بے بس ہو گیا اس کے بعد امام علیہ السلام نے مومن الطاق (۱) سے فرمایا۔'' طاق مرد شامی سے مناظرہ کرو۔'' انہوں نے مرد شامی سے مناظرہ شروع کیا ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ طاق! مرد شامی پر کامیاب و کامران ہو گئے۔اس کے بعد امام علیہ السلام نے ہشام بن سالم سے فرمایا:''تم بھی مرد شامی سے باتیں کرو۔'' وہ بھی گئے اور اس سے باتیں کی لیکن ہشام بن سالم مرد شامی پر غالب نہیں آئے بلکہ دونوں برابر رہے۔

اب امام صادق علیہ السلام نے قیس بن ماصر سے فرمایا:''تم جا کر اس سے مناظرہ کرو۔'' قیس نے شامی سے مناظرہ شروع کیا۔امام علیہ السلام اس مناظرہ کو سن رہے تھے اور مسکرا رہے تھے کیونکہ مرد شامی قیس کے مقابل بے بس ہو گیا تھا اور اس کی بے بسی کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں تھے جسے دیکھا جا سکتا تھا۔(اصول کافی، ج۱، ص۱۷۱)

---

(۱) اس سے مراد ابو جعفر محمد بن علی بن نعمان کوفی ہیں جن کا لقب ''احول تھا'' کوفہ کے محلہ طاق المحامل میں ان کی دوکان تھی اسی لئے ان کو ''مومن الطاق'' کہتے تھے مگر ان کے مخالفین ان کو ''شیطان الطاق'' کہا کرتے تھے (سفینۃ البحار ج۲، ص۱۰۰)

ہشام کا شامی دانشمند سے زبردست مناظرہ

امام صادق علیہ السلام نے مکہ میں شامی دانش مند اور اپنے شاگردوں کے درمیان مناظرے میں (جس کی تفصیل اس سے پہلے والے مناظرے میں گزر چکی ہے) ایک جوان (ہشام بن حکم) کی طرف رخ کر کے فرمایا۔''اس سے مناظرہ کرو۔'' شامی دانش مند مناظرے کے لئے تیار ہو گیا اس طرح ہشام بن حکم اور شامی دانش مند کا مناظرہ شروع ہوا۔

شامی دانش مند: ''(ہشام کی طرف رخ کر کے) اے جوان! اس مرد (امام صادق علیہ السلام) کی امامت کے سلسلے میں مجھ سے سوال کر (میں تجھ سے اس شخص کے بارے میں باتیں کرنا چاہتا ہوں)''

ہشام (امام کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سے) اس قدر غصہ ہوئے کہ ان کا بدن کانپنے لگا اور اسی حالت میں انہوں نے شامی دانش مند سے کہا۔ ''کیا تیرا پروردگار اپنے بندوں کے بارے میں خیر وسعادت زیادہ چاہتا ہے یا خود بندے اپنے بارے میں بہتر سمجھتے ہیں؟''

شامی دانشمند: ''نہیں بلکہ پروردگار اپنے بندوں کے بارے میں ان سے زیادہ خیر و سعادت چاہتا ہے۔''

ہشام: ''خداوند متعال نے انسان کی خیر وسعادت کے لئے کیا کہا ہے؟''

شامی دانش مند: ''خداوند متعال نے اپنی حجت کو ان پر معین کیا ہے تا کہ وہ منتشر نہ ہونے پائیں وہ اپنے بندوں میں اپنی حجت کے ذریعے الفت ومحبت پیدا کرتا ہے تا کہ ان کی بے سروسامانی اسی دوستی اور الفت کی وجہ سے ختم ہو جائے اور اس طرح خداوند متعال کو قانون الٰہی سے آگاہ کرتا ہے۔''

ہشام: ''وہ حجت کون ہے؟''

شامی دانشمند: ''وہ رسول خدا ہیں۔''

ہشام: ''رسول خدا کے بعد کون ہے؟''

شامی دانشمند: ''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قرآن وسنت حجت خدا ہیں۔''

ہشام: ''کیا قرآن وسنت آج ہمارے اختلاف کو ختم کرنے میں سود مند ثابت ہو سکتے ہیں؟''

شامی دانش مند: ''ہاں''

ہشام: ''بس پھر ہمارے تمہارے درمیان کیوں اختلاف ہے جس کی وجہ سے تم شام سے یہاں مکہ آئے ہو؟''

شامی دانش منداس سوال کے جواب میں خاموش ہو گیا۔ امام صادق علیہ السلام نے اس سے فرمایا۔ ''کیوں نہیں کچھ کہتے؟''

شامی دانش مند: ''اگر ہشام کے سوال کا جواب میں اس طرح دوں کہ قرآن وسنت

ہمارے اختلاف کو ختم کرتے ہیں تو یہ لغو کلام ہوگا کیونکہ الفاظ قرآن سے طرح طرح کے معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ اور اگر یہ کہوں کہ ہمارا اختلاف قرآن وسنت کے سمجھنے میں ہے تو اس طرح میرے عقیدے کو ضرر پہنچتا ہے اور اگر ہم دو کے دونوں دعویٰ کریں کہ ہم حق پر ہیں تو اس صورت میں بھی قرآن وسنت ہم دونوں کے اختلاف میں کسی طرح سود مند ثابت نہیں ہو سکتے ہیں لیکن یہی (استدلال مذکور) میرے عقیدے کے لئے نفع بخش ہوسکتا ہے مگر ہشام کے عقیدہ کے لئے نہیں۔"

امام علیہ السلام: "اس مسئلہ کو ہشام (جو علم وکمال سے سرشار ہے) سے پوچھو وہ تمہیں قانع کنندہ جواب دیں گے۔"

شامی دانش مند: "آیا خداوند متعال نے کسی کو عالم بشریت کے لئے بھیجا ہے تاکہ لوگ آپس میں متحد و ہماہنگ رہیں؟ اور وہ ان کی بے سروسامانی کو ختم کرے اور انہیں حق و باطل کے بارے میں توضیح دے؟

ہشام: "پیغمبر کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یا آج؟"

شامی دانش مند: "رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تو وہ خود تھے لیکن آج وہ شخص کون ہے؟"

ہشام نے امام صادق علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہی جو مسند پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ہر جگہ سے لوگ ان کے پاس آتے ہیں اور یہی حجت خدا اور ہمارے تمہارے اختلاف کو ختم کرنے والے ہیں کیونکہ یہ وارث علم نبوت ہیں' جو ان کے باپ دادا سے انہیں ملا ہے اور یہی ہیں جو زمین وآسمان کی باتوں کو ہمیں بتاتے ہیں۔"

شامی دانش مند: "میں کس طرح سمجھوں کہ یہ شخص (امام صادق علیہ السلام) وہی حجت حق ہے۔"

ہشام: "جو بھی چاہو پوچھ لو تاکہ ان کے حجت خدا ہونے پر تمہیں دلیل مل جائے۔"

شامی دانش مند: "اے ہشام تم نے یہ کہہ کر میرے لئے کسی طرح کا کوئی عذر نہیں چھوڑا ہے اب مجھ پر واجب ہے کہ میں سوال کروں اور حقیقت تک پہنچوں۔"

امام صادق علیہ السلام: "کیا تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ شام سے یہاں تک سفر کے درمیان تمہیں کیا کیا چیزیں پیش آئیں؟" اور امام علیہ السلام نے اس کے سفر کی کیفیت کے بارے میں

سالہا سال سے اس کی خدمت کرتی چلی آ رہی تھی۔

بریہہ نے مذہب مسیحیت کے پوچ اور گھٹیا استدلال کو اس عورت سے اس لئے چھپا رکھا تھا کہ وہ اس کے اس راز سے آگاہ نہ ہو سکے۔ بریہہ برابر اسلام کے بارے میں سوالات کیا کرتا تھا اور اسلام کے راہبر علماء صالح کی تلاش میں رہتا تھا اور اسلامی مفکروں کے حصول میں اس نے کافی جستجو اور تحقیق کی تھی۔ ہر فرقہ اور ہر گروہ میں جا کر ان کے عقائد کے سلسلہ میں تحقیق کرتا رہتا لیکن اس کے ہاتھ حق نہ آتا تھا۔

جاثلیق ان لوگوں سے کہتا۔ ''اگر تمہارے راہنما حق پر ہوتے تو تم بھی تھوڑا بہت حق ضرور پا جاتے۔''

یہاں تک کہ اس نے اپنی جستجو اور تحقیق کے درمیان شیعوں کے بارے میں اور ہشام بن حکم کا نام سنا۔

یونس بن عبدالرحمٰن' (امام صادق علیہ السلام کے ایک شاگرد) کہتے ہیں کہ ہشام نے کہا۔ ''ایک روز میں اپنی دکان (جو باب اکرم میں واقع تھی) پر بیٹھا ہوا تھا اور کچھ لوگ مجھ سے قرآن پڑھ رہے تھے، کہ ناآگاہ دیکھا کہ مسیحیوں کا ایک گروہ بریہہ کے ساتھ چلا آ رہا ہے جس میں بعض پادری تھے اور بعض دوسرے مختلف مذہبی عہدہ دار تھے۔ وہ تقریباً سو افراد تھے کالے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور سروں پر مسیحیت سے مخصوص لمبی ٹوپیاں لگائے تھے۔ بریہہ جاثلیق اکبر بھی ان لوگوں کے درمیان موجود تھا وہ سب میری دوکان کے اطراف اکٹھا ہو گئے اور بریہہ کے لئے ایک مخصوص کرسی لگائی گئی اور وہ اس پر بیٹھ گیا۔ اس کے دوسرے ساتھی اپنے عصاؤں پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔

بریہہ نے کہا۔ ''مسلمانوں میں کوئی ایسا مشہور عالم علم کلام نہیں ہے جس سے میں نے مذہب عیسائی کی حقانیت کے بارے میں بحث نہ کی ہو مگر ان میں میں نے ایسی چیز نہیں پائی جس سے میں شکست کھا جاؤں۔ اب میں تیرے پاس اس لئے آیا ہوں تا کہ اسلام کی حقانیت کے بارے میں تجھ سے مناظرہ کروں۔''

یونس نے ہشام اور جاثلیق کے درمیان ہونے والے پورے مناظرے کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کہا۔ ''تمام نصرانی ادھر ادھر بکھر گئے۔ وہ آپس میں کہہ رہے تھے۔ ''اے کاش ہم ہشام کے سامنے نہ آئے ہوتے'' بریہہ بھی اس واقعے کے بعد بہت غم زدہ ہوا وہ اپنے گھر واپس آیا

اور جو عورت اس کی خدمت کرتی تھی اس نے اس سے کہا۔ ''کیا وجہ ہے کہ میں تجھے غمگین و پریشان دیکھ رہی ہوں؟''

بریھہ نے ہشام کے ساتھ ہوئے مناظرے کی تفصیل اسے بتا دی اور کہا کہ میرے غم زدہ ہونے کی وجہ یہی ہے۔

اس عورت نے بریھہ سے کہا۔ ''وائے ہو تم پر تم حق پر رہنا چاہتے ہو یا باطل پر؟''

بریھہ نے جواب دیا۔ ''میں حق پر رہنا چاہتا ہوں۔''

اس عورت نے کہا۔ ''تمہیں جہاں بھی حق نظر آئے وہیں چلے جاؤ اور ہٹ دھرمی سے دور رہو کیونکہ یہ ایک طرح کا شک ہے اور شک بہت ہی بری چیز ہے اور شک کرنے والے جہنمی ہوتے ہیں۔''

بریھہ نے اس عورت کی بات کو قبول کر لیا اور یہ ارادہ کر لیا کہ صبح ہوتے ہی ہشام کے پاس جائے گا۔ صبح ہوتے ہی وہ ہشام کے پاس پہنچ گیا اس نے دیکھا کہ ہشام کا کوئی ساتھی موجود نہیں ہے اس نے کہا۔ ''اے ہشام! کیا تمہاری نظر میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی رائے کو تم بہتر جانتے ہو اور جس کی تم پیروی کر سکو؟''

ہشام نے کہا۔ ''ہاں اے بریھہ''

بریھہ نے اس شخص کے اوصاف کے متعلق پوچھا اور ہشام نے امام صادق علیہ السلام کے اوصاف بتا دیے۔ بریھہ امام صادق علیہ السلام سے ملاقات کا مشتاق ہو گیا لہذا ہشام کے ساتھ اس نے عراق سے مدینہ کا سفر اختیار کیا وہ خادمہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ ان کا ارادہ تو یہ تھا کہ امام صادق علیہ السلام سے ملاقات کریں مگر آپ کے گھر کے دالان ہی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔

''ثاقب المناقب'' کی روایت کی مطابق ہشام نے ان کو سلام کیا۔ بریھہ نے بھی ان کی تقلید میں آپ کو سلام کیا۔ اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کی علت بتائی۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس وقت بہت کم عمر تھے۔ (شیخ صدوق کی روایت کے مطابق ہشام نے بریھہ کی پوری داستان امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو سنا دی)۔

امام موسیٰ کاظمؑ سے جاثلیق کی گفتگو

امام کاظمؑ: ''اے بریھہ! تو اپنی کتاب انجیل کے بارے میں کس حد تک معلومات رکھتا ہے؟''

بریھہ: 'میں اپنی کتاب سے پوری طرح آگاہ ہوں''

امام کاظمؑ: ''اس کے باطنی معنی پر کتنا اعتماد رکھتا ہے؟''

بریھہ: ''اتنا ہی جتنا مجھے اس پر عبور ہے۔''

امام کاظم علیہ السلام نے انجیل کی آیتوں کو پڑھنا شروع کر دیا۔

بریھہ امام سے اتنا مرعوب ہو گیا کہ وہ کہنے لگا۔ ''جناب مسیح آپ کی طرح انجیل کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی تلاوت جناب عیسیٰ کے علاوہ کوئی نہیں کرتا۔'' اس کے بعد بریھہ نے امام کاظم علیہ السلام کی طرف رخ کر کے عرض کیا: ''میں پچاس سال سے آپ یا آپ جیسے کسی کی تلاش میں تھا۔'' اس کے بعد بریھہ وہیں مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد وہ بھی راہ اسلام پر بڑے استحکام کے ساتھ ڈٹا رہا۔ اس کے بعد ہشام بریھہ کو اس عورت کے ساتھ لے کر امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور ہشام نے پوری بات آپ کو بتائی اور اس خادمہ اور بریھہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ بھی آپ کو سنا دیا۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ''وہ لوگ ایسے فرزندان تھے جو ایک دوسرے سے لئے گئے تھے اور خدا سمیع و علیم ہے (آل عمران۔۳۴)

بریھہ کی امام صادقؑ کے ساتھ گفتگو

بریھہ: ''میں آپ پر فدا ہوں توریت و انجیل اور دوسرے پیغمبروں کی کتابیں آپ کے پاس کیسے اور کہاں سے آئیں؟''

امام صادقؑ: ''یہ کتابیں ان کی طرف سے ہمیں وراثت میں ملی ہیں اور ہم ان لوگوں کی طرح ہی ان کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ خداوند عالم اس دنیا میں کسی ایسے کو اپنی حجت قرار نہیں دیتا کہ جب اس سے پوچھا جائے تو وہ یہ کہے ''میں نہیں جانتا''

اس کے بعد بریھہ امام جعفر صادق علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے ساتھ ہی رہنے لگا اور آخر کار امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں وفات پا گیا، امام صادق علیہ السلام نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے غسل و کفن دیا اور خود ہی اسے قبر میں لٹا کر فرمایا:

''ھذا حواری من حورای المسیح علیہ السلام یعرف حق اللہ علیہ''

''یہ جناب عیسیٰ کے حواریوں میں سے ایک تھا جو اپنے اوپر اللہ کے حق کو پہچانتا تھا''

امام صادق علیہ السلام کے اکثر اصحاب یہ آرزو کرتے تھے کہ اس کی طرح بلند مقام کے حامل ہو جائیں۔ (انوار البھیہ، ص ۱۸۹ تا ۱۹۲)

امام موسیٰ کاظمؑ کے سامنے ابو یوسف کی بے بسی

مہدی، عباسی بنی عباس کا تیسرا خلیفہ ایک دن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابو یوسف بھی (جو اہل بیت علیہم السلام کا مخالف تھا) اس بزم میں حاضر تھا۔ اس نے مہدی عباسی کی طرف رخ کر کے کہا کہ مجھے موسیٰ بن جعفر سے چند سوال کرنے کی اجازت دیجئے تا کہ میرے سوال کے جواب نہ دینے کی وجہ سے وہ مجبور ولاچار ہو جائیں۔

مہدی عباسی نے کہا۔ ''میں اجازت دیتا ہوں۔''

ابو یوسف نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا۔ ''اجازت ہے کہ میں ایک سوال کروں؟''

امام علیہ السلام نے فرمایا۔ ''سوال کر''

ابو یوسف نے کہا: ''جس نے حج کا احرام باندھ رکھا ہو آیا اس کے سایے میں چلنا جائز

ہے؟''

امام علیہ السلام نے کہا: ''جائز نہیں ہے''

ابو یوسف نے کہا: ''اگر کسی محرم نے زمین میں خیمہ نصب رکھا ہو تو کیا اس میں اس کا جانا جائز ہے؟''

امام علیہ السلام: ''ہاں جائز ہے۔''

ابو یوسف نے کہا: ''ان دونوں سایوں میں کیا فرق ہے کہ پہلے والے میں جائز نہیں اور دوسرے والے میں جائز ہے؟''

امام کاظم علیہ السلام نے اس سے فرمایا۔'' عورت پر اپنی ماہواری کے زمانے میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرنا واجب ہے؟''

ابو یوسف نے کہا۔ ''نہیں''

امام علیہ السلام نے فرمایا۔'' کیا عورت پر عادت کے زمانہ میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا ہے؟''

ابو یوسف نے کہا: ''ہاں''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''اب تو یہ بتا کہ ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے کہ پہلے میں عورت پر قضا واجب نہیں ہے اور دوسرے میں قضا واجب ہے؟''

ابو یوسف نے کہا: ''احکام میں اسی طرح آیا ہے''

امام علیہ السلام نے فرمایا۔'' حج کے زمانے میں احرام باندھ لینے والے کیلئے بھی اسی طرح کا حکم آیا ہے جیسا کہ میں نے بتایا مسائل شرعیہ میں قیاس درست نہیں ہے۔''

ابو یوسف اس جواب سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ مہدی عباسی نے اس سے کہا۔'' تو انہیں شکست دینا چاہتا تھا مگر کامیاب نہ ہو پایا۔''

ابو یوسف نے کہا۔' رمانی بحجر دامغ موسیٰ بن جعفر نے مجھے ہلاکت خیز پتھر سے قتل کر دیا جس کی وجہ سے میں بے بس لاچار ہو گیا۔

(عیون اخبار الرضاج ا' ص ۷۸ سے اقتباس)

امام کاظمؑ کا ہارون کے ساتھ مناظرہ

ہارون رشید خلفاء بنی عباسی میں سے پانچواں خلیفہ تھا۔ امام کاظم علیہ السلام کے ساتھ ایک گفتگو کے دوران اس نے امام علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''آپ نے خاص و عام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ آپ پیغمبر کی اولاد ہیں جبکہ آنحضرت کا کوئی بیٹا ہی نہیں تھا، جس کے ذریعے ان کی نسل آگے بڑھتی، اس کے ساتھ ہی آپ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ نسل ہمیشہ بیٹے کی طرف سے آگے بڑھتی ہے اور آپ لوگ ان کی بیٹی کی اولاد میں سے ہیں۔

امام کاظمؑ ''اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی ابھی حاضر ہو جائیں اور تیری لڑکی سے شادی کرنا چاہیں تو کیا انہیں مثبت جواب دے گا؟''

ہارون ''میں مثبت جواب نہ دوں گا۔'' بلکہ ان سے رشتہ جوڑ کر میں عرب و عجم کے درمیان فخر کروں گا۔''

امام موسیٰ کاظم: ''لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیٹی کو پیغام نہیں دیں گے اور میں اپنی لڑکی کو ان کی زوجہ نہیں بنا سکتا۔''

ہارون ''کیوں؟''

امام موسیٰ کاظم: ''اس لئے کہ میری ولادت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے ہے (کیونکہ میں ان کا نواسہ ہوں) لیکن تیری پیدائش میں وہ سبب نہیں بنے ہیں۔''

ہارون: ''واہ! بہت اچھا جواب ہے۔ اب میرا یہ سوال ہے کہ آپ لوگ کیوں خود کو پیغمبر اکرم کی ذریت سے کہتے ہو جبکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی نسل ہی نہیں تھی کیونکہ نسل لڑکے سے چلتی ہے نہ کہ لڑکی سے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی لڑکا نہیں تھا اور آپ ان کی لڑکی حضرت زہرا سلام اللہ علیھا سے ہیں اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی نسل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہیں ہو گی؟

امام کاظم علیہ السلام: ''کیا میں جواب دوں''

ہارون ''ہاں''

امام کاظم علیہ السلام: ''خداوند متعال نے قرآن مجید میں سورہ انعام کی ۸۴ اور ۸۵ ویں آیت میں ارشاد فرمایا ہے۔

''اور اس کی ذریت سے داؤد' سلیمان' ایوب' یوسف' موسیٰ' ہارون ہیں اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزادیا کرتے ہیں اور اسی طرح زکریا ویحیٰ وعیسیٰ والیاس یہ سب صلحاء میں سے تھے۔''

اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کا کون باپ تھا؟

ہارون ''جناب عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا۔''

امام کاظم علیہ السلام: ''جس طرح خداوند متعال نے آیت مذکورہ میں جناب عیسیٰ کو ماں کی طرف سے پیغمبروں کی ذریت میں قرار دیا ہے اسی طرح ہم بھی اپنی ماں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت میں شامل ہیں۔''

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ ''آیا میں اپنی دلیل اور آگے بڑھاوں؟''

ہارون نے کہا۔ ''ہاں بڑھائیے''

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام: ''خداوند متعال مباہلہ کے متعلق فرماتا ہے:

''اب تمہارے پاس علم آجانے کے بعد بھی اگر کوئی (نصاریٰ) کٹ حجتی کرے تو ان سے کہہ دو کہ آئیں ہم اپنے بیٹوں کو لئے آئیں، تم اپنے بیٹوں کو' ہم اپنی عورتوں کو لے آئیں' اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو لے آئیں تم اپنے نفسوں کو۔ پھر مباہلہ کر کے جھوٹوں پر لعنت کریں۔'' (آل عمران ۶۱)

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا۔ ''آج تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آپ نے مباہلہ کے وقت حضرت علیؑ' جناب زہراؑ' امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے علاوہ انصار یا مہاجرین میں سے بھی کسی کو ساتھ لیا ہو۔ اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''انفسنا'' سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں اور ''ابنائنا'' امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہیں۔ خداوند متعال نے حسنینؑ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کہہ کر یاد کیا ہے۔

ہارون نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی واضح دلیل قبول کر لی اور اس نے آپ کی بڑی تعریفیں بھی کیں (۱)

---

(۱) احتجاج طبرسی ج۲ ص ۱۶۳ سے اقتباس' اسی بنا پر بعض لوگوں کا یہ بھی نظریہ ہے کہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تمام اولاد اور ان کی ذریت جو قیامت تک وجود میں آئے گی سید ہوگی لہٰذا اگر کسی کا باپ سید نہ ہوگا لیکن اس کی ماں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی نسل سے ہو تو وہ سید ہوگا۔

امام رضاؑ کا ابوقرۃ سے مناظرہ

ابوقرہ (اسقف اعظم کے دوستوں میں تھا) امام رضا علیہ السلام کے زمانہ کے خبر پردازوں میں تھا۔

امام رضا کے ایک شاگرد صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابوقرۃ نے مجھ سے خواہش کی کہ میں اسے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں لے جاؤں۔ میں نے امام رضا علیہ السلام سے اجازت لی' آپ نے اجازت دے دی۔ ابوقرۃ نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر احکام دین' حلال و حرام کے سلسلے میں چند سوالات کیے۔ یہ سوال طول پکڑتے پکڑتے مسئلہ توحید تک پہنچ گئے جس کے بارے میں ابوقرۃ نے اس طرح سوال کیا:

مجھ سے کچھ لوگوں نے روایت کی ہے کہ خداوند متعال نے اپنا دیدار اور اپنی بات چیت کو دو پیغمبروں کے درمیان تقسیم کر رکھا ہے (یعنی خداوند عالم نے دو پیغمبروں کا انتخاب کیا ہے تاکہ ایک سے گفتگو کرے اور دوسرے کو اپنا دیدار کرائے۔) لہذا اس نے ہم کلام ہونے کا مرتبہ جناب موسیٰ علیہ السلام کو دیا اور اپنے دیدار کا رتبہ اور منزلت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا۔ اس بنا پر تو خدا ایک ایسا وجود رکھتا ہے جسے دیکھا جا سکتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام :۔ ''اگر اس طرح ہو تو بس جس پیغمبر نے جن وانس کو یہ بتایا ہے کہ آنکھیں خدا کو دیکھ نہیں سکتی ہیں اور اپنی مخلوقات کے سلسلے میں جو اسے آگاہی ہے اس کا احاطہ کرنا اور اس کی ذات کو سمجھنا کسی کے بس میں نہیں ہے وہ اپنا شبیہ اور مثل نہیں رکھتا ہے وہ کون پیغمبر تھا؟ کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی نے اس طرح نہیں فرمایا؟''

ابوقرہ: ''ہاں انہوں نے ایسا ہی فرمایا۔''

امام علیہ السلام ''اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ لوگوں کے لئے خدا کی طرف سے آیا ہو اور لوگوں کو دعوت حق دے اور لوگوں سے کہے کہ یہ آنکھیں اس بات پر قادر نہیں ہیں کہ خدا کو دیکھ سکیں اور اپنی مخلوقات کے سلسلے میں وہ جو آگاہی رکھتا ہے اسے درک کر سکیں' اس کا کوئی شبیہ نہیں اور اس کے بعد خود وہی پیغمبر یہ کہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے خدا کو دیکھا ہے اور اس کے احاطہ علمی

کو درک کیا ہے وہ انسان کی طرح دیکھا جا سکتا ہے کیا تجھے شرم نہیں محسوس ہوتی؟"

بے دین اور ٹیڑھے دل والے بھی اس طرح کی کوئی نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دے سکے کہ پہلے انہوں نے اس طرح فرمایا اور اس کے بعد اس کے برعکس کہنے لگے"

ابوقرۃ: "خداوند متعال نے خود قرآن مجید کے سورہ نجم (آیت ۱۳) میں فرمایا ہے۔

"ولقدرآہ نزلة اخری"

"اور رسول خدا نے خدا کو دوبارہ دیکھا"

امام علیہ السلام: "اسی جگہ سورہ نجم کی ۱۱ویں آیت بھی ہے جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دیکھا ہے اسے بیان کیا ہے۔

"ماکذب الفوادمارای"

ان کے دل نے جو کچھ دیکھا اسے کبھی نہیں جھٹلایا"

اور اسی سورہ میں خداوند متعال نے اس چیز کا بھی پتہ بتا دیا جسے پیغمبر اکرم نے دیکھا تھا۔

"لقد رای من آیات ربه الکبری"

"انھوں نے اپنے پروردگار کی بڑی نشانیوں کو دیکھا"

ان تمام چیزوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا ہے وہ ذات خدا کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اسی طرح خداوند متعال (سورہ طہ کی ۱۱۰ویں آیت میں) نے ارشاد فرمایا ہے:

"ولا یحیطون به علما"

"وہ خداوند عالم سے آگاہی نہیں رکھتے"

اس بنا پر اگر آنکھیں خدا کو دیکھ سکتی ہیں اور سمجھ سکتی ہیں تو اس کے آگاہی اور علم کا احاطہ بھی کر سکتی ہیں (جبکہ آیت مذکورہ میں یہ کہا جا رہا ہے کہ اس کے علم وآگاہی کا احاطہ ناممکن ہے)

ابوقرۃ "تو تم ان روایتوں کی تکذیب کر رہے ہو جن میں یہ کہا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے؟"

امام علیہ السلام "اگر روایتیں قرآن کے خلاف ہوں گی تو میں ان کی تکذیب کروں گا اور تمام مسلمان جس رائے پر متفق ہیں وہ یہ ہے کہ نہ اس کے علم وآگاہی کا کوئی احاطہ کر سکتا ہے اور نہ

ہی آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہے وہ کسی بھی چیز سے شباہت نہیں رکھتا۔

(اصول کافی' باب فی ابطال الرؤیۃ' حدیث ا' ص ۹۵ و ۹۶' ج ا)

صفوان کا یہ بھی کہنا ہے کہ امام رضا علیہ السلام سے ملنے کی اجازت کے لئے ابوقرہ نے مجھے واسطہ قرار دیا اور اجازت ملنے کے بعد وہ وہاں پہنچ کر حرام اور حلال کے سلسلے میں چند ایسے سوالات پیش کئے کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ابوقرہ نے پوچھ لیا ''آیا آپ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ خدا محمول ہے؟''

امام علیہ السلام: ''محمول اس کو کہتے ہیں کہ جس پر کوئی فعل حمل ہوا ہو اور اس حمل کی نسبت کسی دوسرے کی طرف دی گئی ہو اور محمول ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی نقص اور دوسرے کے سہارے کے ہوتے ہیں جیسے نسبت۔ کہا جاتا ہے مثلاً تم زیر' زبر' اوپر نیچے جس میں زبر اور اوپر کا لفظ قابل تعریف اور اچھا سمجھا جاتا ہے اور زیر اور نیچے کا لفظ ناقص سمجھا جاتا ہے اور یہ مناسبت نہیں ہے کہ خداوند متعال قابل تغیر ہو۔ خدا خود حامل یعنی تمام چیزوں کی نگہداشت کرنے والا ہے اور لفظ محمول بغیر کسی کے سہارے کے کوئی معنی و مفہوم نہیں رکھتا (اسی بنا پر اس کے لئے لفظ محمول مناسب نہیں ہے) اور جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی عظمت کا قائل ہے اسے تم نے کبھی یہ نہ سنا ہوگا کہ وہ اللہ سے دعا کرتے ہوئے اسے ''اے محمول'' کہہ کر پکار رہا ہو۔''

ابوقرۃ ''خداوند متعال قرآن کریم (کے سورہ حاقہ) میں ارشاد فرماتا ہے۔

''ویحمل عرض ربك فوقهم یومئذ ثمانیه''

اس دن آٹھ لوگ تمہارے پروردگار کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے''

اور اسی طرح (سورہ غافر کی ساتویں آیت میں) فرماتا ہے۔

''الذین یحملون العرش''

جو لوگ عرش اٹھاتے ہیں۔

امام علیہ السلام: ''عرش' خدا کا نام نہیں ہے بلکہ عرش علیم اور قدرت کا نام ہے اور ایک ایسا عرش ہے کہ جس کے درمیان تمام چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد خداوند متعال نے حمل اور عرش کی نسبت اپنے علاوہ فرشتوں کی طرف دی ہے۔

ابوقرۃ: ''ایک روایت میں آیا ہے کہ جب بھی خداوند متعال غضبناک ہوتا ہے تو فرشتے

اس کے غصے کے وزن کو اپنے کاندھوں پر محسوس کرتے ہیں اور سجدہ میں گر جاتے ہیں۔۔ جب خدا کا غصہ ختم ہو جاتا ہے تو ان کے کاندھے ہلکے ہو جاتے ہیں اور اپنی عام حالت میں واپس آ جاتے ہیں۔ کیا آپ اس روایت کی بھی تکذیب کریں گے؟"

امام علیہ السلام نے اس روایت کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:۔"اے ابوقرۃ! تو یہ بتا کہ جب خداوند عالم نے شیطان پر لعنت کی اور اپنے دربار سے اسے نکالا تب سے لیکر آج تک کیا خدا شیطان سے خوش ہوا ہے؟ (ہرگز اس سے خوش نہیں ہوا) بلکہ ہمیشہ شیطان اور اس کے چاہنے والے اور اس کی پیروی کرنے والوں پر غضبناک ہی رہا ہے۔ (اسی طرح تیرے قول کے مطابق اس وقت سے لیکر آج تک تمام فرشتوں کو سجدہ کی حالت میں رہنا چاہیے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ عرش خدا کا نام نہیں ہے)

اس وقت تو کس طرح یہ جرات کرتا ہے کہ اپنے پروردگار کو تغیر و تبدل جیسی صفتوں سے یاد کرے اور اسے مخلوق کی طرح مختلف حالات کا شکار ہوتا تصور کرے۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک و پاکیزہ ہے اس کی ذات ایک جیسی اور ناقابل تغیر و تبدل ہے' دنیا کی تمام چیزیں اس کے قبضے میں ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ (اصول کافی' باب فی ابطال الرؤیۃ حدیث ا۔ص ۱۳۰ و ۱۳۱)

امام رضاؑ کا ایک منکر خدا سے مناظرہ

امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک منکر، وجود خدا آیا آپ نے اس سے فرمایا۔

"اگر تو حق پر ہے (جبکہ ایسا نہیں ہے) تو اس صورت میں ہم اور تم دونوں برابر ہیں اور نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور ہمارا ایمان ہمیں کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچائے گا اور اگر ہم حق پر ہیں (جبکہ ایسا نہیں ہے) تو اس صورت میں ہم کامیاب ہیں اور تو گھاٹے میں ہے اور اس طرح تو ہلاکت میں ہوگا۔"

منکر خدا:"مجھے یہ سمجھائیں کہ خدا کیا ہے؟ کہاں ہے؟"

امام علیہ السلام: ''تجھ پر وائے ہو تو جس راستے پر چل رہا ہے یہ غلط ہے۔ خدا کو کیفیتوں سے مکیف نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسی نے اشیاء میں کیف پیدا کیا ہے اور نہ ہی اسے مکان سے نسبت دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اسی نے حقیقت مکان کو وجود بخشا ہے۔ اسی بنا پر خداوند عالم کو کیفیت اور مکان سے نہیں پہچانا جا سکتا اور نہ وہ حواس سے محسوس کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ کسی چیز کی شبیہ ہو سکتا ہے۔''

منکر خدا: ''اگر خداوند متعال کسی بھی حسی قوت سے درک نہیں کیا جا سکتا ہے تو وہ کوئی وجود نہیں ہے۔''

''امام علیہ السلام: ''وائے ہو تجھ پر تیری حسی قوتیں اسے درک کرنے سے عاجز ہوں تو اس کا انکار کر دے گا لیکن جب کہ میری بھی حسی قوتیں اسے درک کرنے سے عاجز ہیں' اس پر ایمان رکھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ ہمارا پروردگار ہے اور وہ کسی کی شبیہ نہیں ہے۔''

منکر خدا: ''مجھے یہ بتائیں کہ خدا کب سے ہے؟''

امام علیہ السلام: ''میں جب اپنے پیکر کی طرف نگاہ اٹھاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ اس کے طول و عرض میں کسی طرح کی کوئی کمی' بیشی نہیں کر سکتا۔ اس سے اس کا نقصان دور نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے فوائد اس تک پہنچا سکتا ہوں۔ اسی بات سے مجھے یقین ہو گیا کہ اس پیکر کا کوئی بنانے والا ہے اور اسی وجہ سے میں نے وجود صانع کا اقرار کیا۔ اس کے علاوہ بادل بنانا' ہواؤں کا چلانا' آفتاب و ماہتاب کو حرکت دینا' اس بات کی علامت ہے کہ ان کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ضرور ہے۔

(اصول کافی' ج ۱ ص ۷۸)

مشیت اور ارادہ کے معنی

یونس بن عبدالرحمٰن امام رضا علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ ان کے زمانے میں ''قضا و قدر'' کی بڑی گرما گرم بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ لہذا یونس نے سوچا اس کے متعلق خود امام رضا علیہ السلام کی زبانی کچھ سننا چاہیے۔ یہ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور قضا و قدر کی بحث کے متعلق گفتگو کرنے لگے امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔

''اے یونس! قدریہ کا عقیدہ قبول نہ کرو کیونکہ ان کا عقیدہ نہ تو دوزخیوں سے ملتا ہے اور نہ ہی شیطان سے اور نہ کسی اور سے (۱)''

یونس: ''خدا کی قسم مجھے اس سلسلے میں قدریہ کا عقیدہ قبول نہیں ہے بلکہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کے حکم اور ارادہ کے بغیر کوئی چیز وجود میں آتی ہی نہیں۔''

امام علیہ السلام: ''اے یونس! ایسا نہیں ہے۔ کیا تم مشیت خدا کا مطلب جانتے ہو؟''

یونس: ''نہیں''

امام علیہ السلام: ''مشیت خدا' لوح محفوظ ہے۔ کیا تم ارادہ کا مطلب جانتے ہو؟''

یونس: ''نہیں''

امام علیہ السلام: ''ارادہ یعنی وہ جو چاہے وہ ہو جائے۔ کیا تم قدر کے معنی جانتے ہو؟''

یونس: ''نہیں''

امام علیہ السلام: ''قدر یعنی اندازہ' تخمینہ اور احاطہ ہے جیسے مدت حیات' موت کا عالم۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا'۔ قضا کا مطلب ہے مضبوط بنانا اور عینی و واقعی قرار دینا۔''

یونس' امام علیہ السلام کی اس توضیح سے مطمئن اور خوش حال ہو کر چلنے کو تیار ہو گئے۔ انھوں نے امام کے سر اقدس کا بوسہ لیتے ہوئے آپ سے چلنے کی اجازت چاہی اور کہا: ''آپ نے میری وہ مشکل حل کر دی جس کے متعلق میں غفلت میں پڑا تھا۔''(۱)

---

(۱) قدریہ سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جن کا یہ کہنا ہے کہ خدا نے تمام امور بندوں کے ذمے کر دیئے ہیں۔

مامون کا بنی عباس سے' امام جوادؑ کی شان میں مناظرہ

شیخ مفید علیہ الرحمۃ کتاب ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ عباسی دور کا ساتواں خلیفہ مامون' امام جواد علیہ السلام پر فریفتہ ہو گیا تھا کیونکہ اس نے امام کے علم و فضل اور کمال کا مشاہدہ ان کے بچپنے میں ہی کر لیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جو علم و کمال امام کی ذات میں پائے جاتے ہیں وہ اس دور کے بڑے بڑے علماء اور دانشوروں میں دکھائی نہیں دیتے۔

انہیں کمالات کی بنا پر مامون نے اپنی لڑکی (ام الفضل) کی شادی آپ سے کر دی اور مامون نے امام کو بڑی شان و شوکت سے مدینے کی طرف روانہ کیا۔ حسن بن محمد سلیمانی' ریان بن شبیب سے روایت کرتے ہیں کہ جب مامون نے چاہا کہ اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی امام جواد علیہ السلام سے کرے اور یہ بات بنی عباس کے کانوں تک پہنچی تو انہیں یہ بات بہت گراں محسوس ہوئی اور وہ مامون کے اس ارادے سے بہت ناراض ہوئے۔ انہیں اس بات کا خوف لاحق ہو گیا کہ ولیعہد کا منصب کہیں بنی ہاشم کے ہاتھوں میں نہ چلا جائے۔

اسی وجہ سے بنی عباس کے تمام افراد نے ایک جگہ جمع ہو کر مامون سے کہا۔'' اے امیر المومنین! ہم لوگ تجھے خدا کی قسم دیتے ہیں کہ تو نے جو ام الفضل کی شادی، امام جواد سے کرنے کا ارادہ کیا ہے اسے ترک کر دے ورنہ اس چیز کا امکان پایا جاتا ہے کہ خداوند متعال نے جو ہمیں منصب وتخت وتاج عنایت فرمایا ہے وہ ہمارے ہاتھ سے چلا جائے اور جو مقام و منزلت اور عزت وحشمت کا لباس ہمارے تن پر ہے وہ اتر جائے کیونکہ خاندان بنی ہاشم سے ہمارے آباؤ اجداد کی دشمنی سے تو اچھی طرح واقف ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ گزشتہ تمام خلفاء نے انہیں شہر بدر کیا اور انہیں ہمیشہ جھوٹا سمجھتے رہے۔ اس کے علاوہ تو نے جو حرکت امام رضا کے ساتھ کی تھی اس سے ہمیں بہت تشویش ہوئی تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس سے بچا لیا۔ تجھے خدا کی قسم ہے کہ تو اپنے اس عمل میں ذرا غور و فکر کر جس نے ہمارے دلوں میں تکلیف پیدا کر دی ہے تو اس ارادے سے باز آ جا اور ام الفضل کا رشتہ خاندان بنی عباس کے کسی مناسب فرد سے کر دے۔

مامون نے بنی عباس کے اعتراض کے جواب میں کہا۔'' تمہارے اور ابو طالب کے بیٹوں کے درمیان کینہ پروری اور دشمنی کی وجہ خود تم لوگ ہو اگر انہیں انصاف سے ان کا حق دیں تو اس منصب خلافت کے وہی حقدار ہوتے ہیں لیکن جیسا کہ تم نے بیان کیا کہ ہمارے گزشتہ خلفاء نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا میں ایسے کاموں سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں خدا کی قسم جو بھی میں نے امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے لئے کیا تھا اس پر میں ذرا بھی پشیمان نہیں ہوں۔ میں نے تو یہی چاہا تھا کہ وہ خلافت کے امور کو سنبھال لیں مگر خود انہوں نے ہی اسے قبول نہیں کیا اس کے بعد خدا نے کیا کیا یہ تم لوگوں نے خود دیکھا۔ لیکن جس وجہ سے میں نے امام جواد کو اپنا داماد بنانا چاہا ہے وہ ان کا بچپنے کا علم وفضل ہے وہ تمام لوگوں سے افضل و برتر ہیں اور ان کی عقل کی بلندی اس عمر میں بھی تعجب خیز ہے

۔میں تو یہ سوچتا ہوں کہ میری نظروں نے جو دیکھا، اس کا تم لوگوں نے بھی مشاہدہ کیا ہے اور جلدی جلدی ہی تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے وہی درست ہے۔"

ان لوگوں نے مامون کے جواب میں کہا: "بے شک اس کم عمر نوجوان کی رفتار اور کردار نے تجھے تعجب میں ڈال دیا ہے اور اس طرح اس نے تجھے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے لیکن جو بھی ہو وہ ابھی بچہ ہے اس کا علم و ادراک ابھی کم ہے اسے کچھ دن چھوڑ دے تا کہ وہ باعقل اور علم دین میں ماہر ہو جائے اس کے بعد جو تیرا دل چاہے کرنا۔"

مامون نے کہا۔ "تم لوگوں پر وائے ہو، میں اس جوان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور اسے بہت اچھی طرح سے پہچانتا ہوں۔ یہ جوان اس خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو خدا کی طرف سے علم لے آتا ہے اور اس کا علم لامحدود ہے کیونکہ اس کے علم کا تعلق الہام سے ہوتا۔ ہے اس کے تمام آباؤ اجداد علم دین میں تمام لوگوں سے بے نیاز تھے اور دوسرے لوگ ان کے کمال کے سامنے بے حیثیت تھے اور ان کی ڈیوڑھی پر علم و کمال کے حصول کے لئے ہاتھ پھیلانے کھڑے رہتے تھے۔ اگر تم میری باتوں کو تصدیق کرنا چاہتے ہو تو ان کا امتحان لے لو تا کہ تمہارے نزدیک بھی ان کا فضل و کمال واضح ہو جائے۔"

ان لوگوں نے کہا: "یہ اچھا مشورہ ہے اور اس بات پر ہم خوش بھی ہیں کہ اس بچے کی آزمائش ہو جائے اب تو ہمیں اس بات کی اجازت دے کہ ہم کسی ایسے شخص کو لے آئیں جو اس نوجوان سے مسائل شرعیہ کے بارے میں بحث و مناظرہ کر سکے وہ چند سوالات کرے گا اگر انہوں نے اس کے سوالات کے درست جواب دیئے تو ہم تجھے اس کام سے ہرگز نہیں روکیں گے اور اس طرح تجھ پر اپنے، پرائے کا فرق بھی واضح ہو جائے گا اور اگر یہ نوجوان جواب دینے سے قاصر رہا تو تجھے پتہ چل جائے گا کہ ہمارا یہ مشورہ مستقبل کے لئے کتنا سودمند ہے۔"

مامون نے کہا: "جہاں بھی تم چاہو ان کا امتحان لے سکتے ہو میری طرف سے یہ اجازت ہے۔"

وہ لوگ مامون کے پاس سے چلے گئے اور بعد میں سب نے مل کر یہ پیش کش پاس کر دی کہ مشہور زمانہ عالم اور قاضی یحییٰ بن اکثم کو امام کے مقابل لایا جائے۔

امام جواد علیہ السلام میدان علم و دانش کے مجاہد

وہ سارے کے سارے معترضین یحییٰ بن اکثم کے پاس گئے اور اسے ڈھیروں دولت کا لالچ دے کر امام علیہ السلام سے مناظرہ کرنے پر آمادہ کرلیا۔

ادھر کچھ لوگ مامون کے پاس تاریخ معین کرنے پہنچ گئے' مامون نے تاریخ معین کر دی' معین دن اس دور کے بڑے بڑے علماء یحییٰ بن اکثم کے ساتھ موجود تھے۔ مامون کے حکم کے مطابق امام جوادؑ کے لئے مسند بچھائی گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد امام علیہ السلام تشریف لے آئے (اس وقت آپ کی عمر محض نو سال تھی) مامون کی مسند بھی آپ کے بالکل قریب بچھی تھی اور اس پر آ کر بیٹھ گیا اور دوسروں کو جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے۔ یحییٰ بن اکثم نے مامون کی طرف رخ کر کے کہا۔ "اے امیر المومنین! کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں ابو جعفرؑ سے سوال کروں؟"

مامون: "خود ان سے اجازت لو۔"

یحییٰ بن اکثم نے آپ کی طرف مڑ کر کہا۔ "میں آپ پر قربان ہو جاؤں کیا مجھے سوال کرنے کی اجازت ہے؟"

امام جواد علیہ السلام نے اس سے کہا۔ "پوچھو"

یحییٰ: "اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے حالت احرام میں شکار کیا ہو؟"

امام علیہ السلام: "آیا حرم میں قتل کیا ہے یا حرم سے باہر؟ وہ مسئلے اور حکم سے آگاہ تھا یا نہیں؟ جان بوجھ کر قتل کیا یا بھول کر؟ پہلی دفعہ تھا یا اس سے پہلے بھی چند دفع ایسا کر چکا تھا؟ وہ شکار پرندہ تھا یا اس کے علاوہ کچھ اور؟ وہ شکار چھوٹا تھا یا بڑا اور ساتھ ساتھ اس کام میں وہ بیباک تھا یا پشیمان؟ دن میں تھا یا رات میں؟ احرام عمرہ میں تھا یا احرام حج میں؟ (ان بیس قسموں میں سے کون سی قسم تھی کیونکہ ان سب کا حکم الگ الگ ہے)

یحییٰ ان سوالات کے سامنے حیرت زدہ رہ گیا اور اس کی بے بسی اور لاچاری کی کیفیت چہرہ سے ظاہر ہونے لگی' اس کی زبان لکنت کرنے لگی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر تمام لوگوں نے

امام جواد علیہ السلام کے سامنے اسے بے بس اور لاچار سمجھ لیا۔

مامون نے کہا۔"خداوند عالم کی اس نعمت پر شکر ادا کرتا ہوں کہ جو میں نے سوچ رکھا تھا وہی ہوا اس کے بعد اس نے تمام خاندان کے افراد کی طرف رخ کر کے کہا۔"دیکھا جو تم لوگ نہیں مانتے تھے۔"اس کے بعد امام جواد علیہ السلام کا نکاح مامون کی بیٹی سے ہو گیا۔(ترجمہ ارشاد مفید' ج۲' ص۲۶۹ سے لے کر ۲۷۳ تک)

ایک مناظرہ جس نے عراقی فلسفی کی حالت متغیر کر دی

اسحاق کندی (جو کافر تھا) عراق کا بہت بڑا عالم اور فلسفی مانا جاتا تھا۔اس نے قرآن کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ بعض آیتیں بعض کے خلاف ہیں تو اس نے ایک ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ کیا جس میں تناقص قرآن کو جمع کر دیا گیا ہو۔اس نے یہ کام شروع کر دیا۔

اس کا ایک شاگرد امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو امام نے اس سے فرمایا۔"تمہارے درمیان کوئی عاقل و باشعور شخص نہیں ہے جو اسحٰق کو اس کے اس کام سے باز رکھے؟"

شاگرد نے کہا۔"میں اس کا شاگرد ہوں اسے اس کام سے کیسے باز رکھ سکتا ہوں۔"

امام حسن عسکری نے فرمایا۔"میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جسے تم اسحاق کندی کے پاس جا کر کہہ دینا۔تم اس کے پاس جاؤ اور چند دن تک اس کے اس کام میں اس کی مدد کرتے رہو جب وہ تمہیں اپنا قریبی دوست سمجھ لے اور تم سے مانوس ہو جائے تو اس سے کہو کہ میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں وہ کہے گا" پوچھو۔"تو تم اس سے کہنا۔"اگر قرآن کا بھیجنے والا تمہارے پاس آئے اور آ کر کہے کہ جس آیت کا جو معنی تم نے مراد لیا ہے اس کے علاوہ اس کے معنی کچھ اور ہیں۔" اسحٰق کندی کہے گا۔"ہاں۔یہ امکان پایا جاتا ہے۔" تب تم اس سے کہنا کہ تمہیں کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے جو معنی تم نے سمجھے ہیں خدا نے اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی مراد لیا ہو۔"

شاگرد اسحٰق کندی کے پاس پہنچا اور کچھ دن تک اس کی کتاب کی تالیف میں اس کی مدد کرتا رہا یہاں تک کہ امام عسکری علیہ السلام کے حکم کے مطابق اس نے اسحاق کندی سے کہا۔"آیا

اس بات کا امکان ہے کہ خداوند متعال نے اس معنی کے علاوہ کوئی دوسرا مطلب مراد لیا ہو جو تم نے سمجھ رکھا ہے؟"

استاد نے کہا۔"ہاں ممکن ہے کہ خداوند متعال ظاہری معنی سے ہٹ کر کوئی اور معنی مراد لئے ہوں۔"اس کے بعد اس نے شاگرد سے کہا۔"یہ بات تجھے کس نے بتائی؟"

شاگرد نے کہا۔"یوں ہی میرے دل میں یہ سوال پیدا ہو گیا تھا۔"

اس نے کہا۔"یہ بہت ہی معیاری اور پائے کا کلام ہے۔ابھی تو وہاں تک نہیں پہنچ سکا ہے۔سچ بتا یہ کس کا کلام ہے؟"

شاگرد نے کہا۔"یہ بات میں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے سنی ہے۔"

استاد نے کہا۔"ہاں اب تو نے صحیح کہا۔اس طرح کی باتیں اس خاندان کے علاوہ کہیں اور کا کوئی فرد نہیں کر سکتا۔"

اس کے بعد اسحٰق کندی نے آگ منگوا کر وہ ساری چیزیں جلا ڈالیں جو اس نے تناقض قرآن کے متعلق لکھ رکھی تھیں۔

دوسرا حصہ

علماء اسلام
عظیم اسلامی شخصیتوں
اور دانشوروں کے مناظرے

ایک ہوشیار عورت کا سبط بن جوزی سے مناظرہ

سبط بن جوزی اہل سنت کا ایک بہت ہی مشہور و معروف عالم تھا اس نے بہت ہی اہم اہم کتابیں لکھی ہیں یہ بغداد کی مسجدوں میں وعظ کیا کرتا تھا اور لوگوں کو تبلیغ کرتا تھا' ۱۲ رمضان المبارک ۵۹۸ھ کو اس کی وفات ہوئی۔ (سفینۃ البحار ج ۱۔۱۹۳)

حضرت علی علیہ السلام کہا کرتے تھے۔ اس طرح کی باتیں آپ اور دوسرے معصوم آئمہ علیہم السلام سے مخصوص ہیں ان کے علاوہ جس نے بھی اس کا دعویٰ کیا وہ ذلیل ہوا۔ اب آپ ایک باہمت عورت کا سبط ابن جوزی کے ساتھ مناظرہ ملاحظہ فرمائیں۔

ایک دن منبر پر جانے کے بعد سبط ابن جوزی نے بھی دعوائے سلونی کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ اے لوگو! تمہیں جو کچھ بھی پوچھنا ہے پوچھ لو قبل اس کے میں تمہارے درمیان نہ رہوں۔ ''منبر کے نیچے بہت سے شیعہ سنی مرد اور عورتیں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ سنتے ہی ان میں سے ایک عورت کھڑی ہوئی اور اس نے سبط بن جوزی سے اس طرح سوال کیا۔

''مجھے یہ بتا کہ کیا یہ خبر ہے کہ جب حضرت عثمان کو قتل کر دیا گیا تو ان کا جنازہ تین دن تک پڑا رہا اور کوئی بھی انہیں دفن کرنے نہ آیا؟''

سبط: ''ہاں ایسا ہی ہے۔''

عورت: ''کیا یہ بھی صحیح ہے کہ جناب سلمان علیہ الرحمۃ نے مدائن میں جب وفات پائی تو حضرت علی علیہ السلام مدینے سے مدائن گئے اور آپ نے ان کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی اور ان کی نماز جنازہ پڑھائی؟''

سبط: ''ہاں صحیح ہے۔''

عورت: ''اسی طرح علی علیہ السلام حضرت عثمان کی وفات کے بعد کیوں نہیں ان کے جنازے پر گئے جبکہ وہ خود مدینے میں موجود تھے اس طرح دو ہی صورت رہ جاتی ہے یا تو حضرت علی علیہ السلام نے غلطی کی جو ایک مومن کی لاش تین دن تک پڑی رہی اور آپ گھر ہی بیٹھے رہے یا پھر عثمان غیر مومن تھے جس کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام نے ان کی تجہیز و تکفین میں کسی طرح کا کوئی حصہ نہیں لیا اور اپنے عمل کو اپنے لئے درست سمجھا۔ (یہاں تک کہ انہیں تین روز بعد مخفی طور پر قبرستان

بقیع کے پیچھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا جیسا کہ طبری نے اپنی تاریخ میں یہ ذکر کیا ہے ج ۹' ص ۱۴۳)

سبط ابن جوزی' اس عورت کے اس سوال کے آگے بے بس ہو گیا کیونکہ اس نے دیکھا کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو بھی خطا کار ٹھہرائے گا تو یہ بات خلاف عقیدہ ہو جائے گی کیونکہ اس کے نزدیک دونوں خلیفہ حق پر تھے لہذا اس نے اس عورت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اے عورت! تیرا برا ہو' اگر تو اپنے شوہر کی اجازت سے گھر کے باہر آئی ہے تو خدا تیرے شوہر پر لعنت کرے اور اگر بغیر اجازت آئی ہے تو خدا تجھ پر لعنت کرے۔''

اس ہوشمند عورت نے بڑی بے باکی سے جواب دیا۔

''آیا حضرت عائشہ جنگ جمل میں مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے لڑنے' اپنے شوہر (رسول خدا) کی اجازت سے آئیں تھیں یا بغیر اجازت کے؟''

یہ سوال سن کر سبط ابن جوزی کے رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے اور وہ گڑ بڑا گیا کیونکہ اگر وہ یہ کہے کہ عائشہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر ہی آئی تھیں تو عائشہ خطا کار ہوں گی اور اگر یہ کہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت سے باہر آئیں تھیں تو علی علیہ السلام خطا کار ٹھہرتے تھے۔ یہ دونوں صورت حال اس کے عقیدے کے خلاف تھیں لہذا وہ نہایت بے بسی کے عالم میں منبر سے اترا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا (الصراط المستقیم' نقل بحار کے مطابق' ج ۸' طبع قدیم' ص ۱۸۳)

ایک وار میں تین سوالوں کے جواب

بہلول بن عمرو کوفی امام صادق اور امام کاظم علیہم السلام کے دور کے ایک زبردست بذلہ سنج عالم تھے انہوں نے ہارون کی طرف سے پیش کیے جانے والے عہدہ قضاوت سے جان چھڑانے کی لئے خود کو دیوانہ بنا لیا تھا۔ وہ مناظرہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور مخالف کے الٹے سیدھے اعتراضوں کا بڑی عمدگی سے جواب دیا کرتے تھے۔ انہوں نے سن رکھا تھا کہ حضرت ابوحنیفہ نے اپنے ایک درس میں کہا کہ جعفر بن محمد (امام صادق علیہ السلام) نے تین باتیں کہی لیکن میں ان میں سے کسی بھی بات کو قابل قبول نہیں سمجھتا وہ تین باتیں یہ ہیں۔

۱۔ شیطان جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔ ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ خود آگ

سے لہذا آگ اسے کیسے جلاسکتی ہے؟

۲-وہ کہتے ہیں کہ خدا دکھائی نہیں دیتا۔ جبکہ جو چیز بھی موجود ہے اسے دکھائی دینا چاہیے؟

۳-بندگان جو کام انجام دیتے ہیں وہ اپنے اختیار وارادے سے انجام دیتے ہیں۔ ان کی یہ بات بھی سراسر احادیث وروایت کے خلاف ہے وہ تمام اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ بندوں کے تمام کام خدا کی طرف منسوب ہیں اور اس کے حکم کے بغیر کوئی انجام پذیر ہو ہی نہیں سکتا۔

ایک دن وہ بہلول کو نظر آ گیا انہوں نے زمین سے ایک ڈھیلا اٹھایا اور اس کی پیشانی پر مار دیا' ابوحنیفہ نے ہارون سے بہلول کی شکایت کی اور ہارون نے بہلول کو بلوالیا اور اس کی سرزنش کرنے لگا تو آپ نے ابوحنیفہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

ا۔تمہیں جو درد ہو رہا ہے دکھاؤ ورنہ اپنے اس عقیدے کو غلط کہو جو تم یہ کہتے ہو کہ ہر موجود چیز کا دکھائی دینا ضروری ہے۔

۲-تم تو یہ کہتے ہو کہ بندوں کے سارے کام خدا کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو پھر مجھ سے کیوں شکوہ کرتے ہو کیونکہ یہ ڈھیلا تو خدا نے مارا ہے۔

یہ سن کر ابوحنیفہ خاموشی سے اس بزم سے نکل گیا وہ سمجھ گیا کہ بہلول کا یہ ڈھیلا میرے اس عقیدے کے لئے چلا تھا۔ (مجالس المومنین' ج ۲' ص ۴۱۹۔ بھجۃ الآمال' ج ۲' ص ۴۳۶)

وزیر کو بہلول کا بہترین جواب

ایک دن ہارون رشید کے درباری وزیر نے بہلول سے کہا۔ "تم بڑے خوش قسمت ہو تمہیں خلیفہ نے سوروں اور بھیڑیوں کا سرپرست بنا دیا ہے۔"

بہول نے بڑی بے باکی سے کہا۔ "اب جب تو اس بات سے آگاہ ہو گیا ہے تو تیرے اوپر آج سے میری اطاعت لازم ہو جاتی ہے۔" بہلول کا یہ جواب سن کر وہ شرمندگی سے خاموش ہو گیا۔ (بھجۃ الآمال' ج ۲' ص ۴۳۷)

مذہب جبر کے ایک استاد سے شیعہ رکن کا مناظرہ

ایک دن اہل سنت کا ایک بزرگ عالم اور مذہب جبر کا استاد ضرار بن ضحی ہارون رشید کے وزیر یحییٰ بن خالد کے پاس آ کر کہنے لگا۔ ''میں بحث و مناظرہ کرنا چاہتا ہوں تم کوئی ایسا آدمی لے آؤ جو مجھ سے بحث کر سکے۔''

یحییٰ: ''تم کسی شیعی رکن سے بحث کرو گے؟''

ضرار: ''ہاں میں ہر ایک سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

یحییٰ نے ہشام بن حکم (امام کے شاگرد رشید) کو یہ پیغام بھیجا۔ جناب ہشام مناظرے کے لئے آئے اور مناظرہ اس طرح شروع ہوا۔

ہشام: ''امامت کے سلسلہ میں انسان کی ظاہری صلاحیتیں معیار ہیں یا باطنی؟''

ضرار: ''ہم تو ظاہر ہی پر حکم لگاتے ہیں کیونکہ کسی کے باطن کو صرف ''وحی'' کے ذریعے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔''

ہشام: ''تو نے سچ کہا۔ اب یہ بتا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ علیہ السلام میں ظاہری اور باطنی اعتبار سے کون رسولؐ خدا کے زیادہ ساتھ رہا' کس نے اسلام کا زیادہ دفاع کیا اور نہایت بہادری سے اسلام کی راہ میں جہاد کیا' اسلام کے دشمنوں کو نیست و نابود کیا اور ان دونوں میں وہ ہے جس کا کردار تمام اسلامی فتوحات میں سب سے زیادہ اہم رہا؟''

ضرار: ''علی علیہ السلام نے جہاد بہت کیا اور اسلام کی بڑی خدمت کی لیکن حضرت ابوبکر معنوی لحاظ سے ان سے بلند تھے۔''

ہشام: ''یہ تو باطن کی باتیں کیوں کرنے لگا جبکہ ابھی ابھی تو نے یہ کہا کہ باطن کی باتیں صرف وحی کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہیں اور ہم نے یہ طے کیا تھا کہ ہم صرف ظاہر کی باتیں کریں گے اور تو نے اس اقرار سے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اسلامی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اس بات کا بھی اعتراف کر لیا کہ وہ اور دوسرے لوگوں کے مقابل خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔''

ضرار: ''ہاں ظاہراً تو یہی بات درست ہے۔''

ہشام: ''اگر کسی کا نیک ظاہر نیک باطن جیسا ہو تو کیا یہ چیز اس کے افضل اور برتر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔''

ضرار: ''یقیناً یہ چیز انسان کے افضل و برتر ہونے کی دلیل ہو گی۔''

ہشام: ''کیا تمہیں اس حدیث کی اطلاع ہے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں ارشاد فرمائی اور جسے تمام اسلامی فرقوں نے قبول کیا ہے کہ ''اے علی تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

ضرار: ''میں اس حدیث کو قبول کرتا ہوں۔'' (اس بات کی طرف توجہ رہے کہ ضرار نے کہا تھا کہ کسی کا باطن صرف وحی کے ذریعے پہچانا جا سکتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام باتیں وحی الہی سے ہوا کرتی تھیں)

ہشام: ''کیا یہ صحیح ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس طرح کی تعریف اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی علیہ السلام باطنی طور پر بھی ایسی ہی صلاحیتوں کے مالک تھے؟ ورنہ رسول خدا کی تعریف غلط ہو جائے گی۔''

ضرار: ''ہاں یہ اس بات کی دلیل ہے۔ یقیناً حضرت علی علیہ السلام باطنی طور پر بھی ویسی ہی صلاحیتوں کے مالک رہے ہوں گے جبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تعریف کی۔''

ہشام: ''بس اب اس طرح خود تمہارے قول سے حضرت علی علیہ السلام کی امام ثابت ہو گئی کیونکہ تم نے خود ہی کہا ہے کہ باطن کی اطلاع وحی کے ذریعے ممکن ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی تعریف کی ہے اور وہ کسی کی بغیر وحی کے تعریف نہیں کر سکتے لہذا حضرت علی دوسرے تمام لوگوں کے مقابل زیادہ خلافت کے حقدار ہوئے۔ (تھوڑی سی توضیح کے ساتھ' فصول المختار سید مرتضیٰ ج ۱ ص ۹۔ قاموس الرجال' ج ۹ ص ۳۴۲ سے اقتباس)

ابو حنیفہ سے فضال کا دلچسپ مناظرہ

امام صادق علیہ السلام اور ابو حنیفہ کا دور تھا۔ایک دن مسجد کوفہ میں ابو حنیفہ درس دے رہا تھا تبھی امام صادق علیہ السلام کے ایک شاگرد ''فضال بن حسن'' اپنے ایک دوست کے ساتھ ٹہلتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ابو حنیفہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ انہیں درس دے رہا ہے۔فضال نے اپنے دوست سے کہا۔''میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک ابو حنیفہ کو مذہب تشیع کی طرف راغب نہ کرلوں۔''

اس کے بعد فضال اپنے دوست کے ساتھ اس جگہ پہنچے جہاں بیٹھا ابو حنیفہ درس دے رہا تھا یہ بھی اس کے شاگردوں کے پاس بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر کے بعد فضال نے مناظرے کے طور پر اس سے چند سوالات کیے۔

فضال:''اے رہبر! میرا ایک بھائی ہے جو مجھ سے بڑا ہے مگر وہ شیعہ ہے۔حضرت ابو بکر کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے میں جو بھی دلیل لے آتا ہوں، وہ رد کر دیتا ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے چند ایسے دلائل بتا دیں جن کے ذریعے میں اس پر حضرت ابو بکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان کی فضیلت ثابت کر کے اسے اس بات کا قائل کر دوں کہ یہ تینوں حضرت علیؑ سے افضل و برتر تھے۔''

ابو حنیفہ :''تم اپنے بھائی سے کہنا کہ وہ آخر کیوں حضرت علی کو حضرت علی ابو بکر' حضرت عمر اور عثمان پر فضیلت دیتا ہے جبکہ یہ تینوں حضرات، ہر جگہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے اور آنحضرت حضرت علی علیہ السلام کو جنگ میں بھیج دیتے تھے یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ان تینوں کو زیادہ چاہتے تھے اسی لئے ان کی جانوں کی حفاظت کے لئے انہیں جنگ میں نہ بھیج کر حضرت علی علیہ السلام کو بھیج دیا کرتے تھے۔''

فضال:''اتفاق سے یہی بات میں نے اپنے بھائی سے کہی تھی تو اس نے جواب دیا کہ قرآن کے لحاظ سے حضرت علی چونکہ جہاد میں شرکت کرتے تھے اس لئے وہ ان تینوں سے افضل ہوئے کیونکہ قرآن مجید میں خدا کا خود فرماتا ہے۔

''وفضل الله المجاهدين على القاعدين اجرا عظيما''

''خداوند عالم نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم کے ذریعے فضیلت بخشی ہے

(سورہ نساء-۹۷)

ابوحنیفہ: ''اچھا ٹھیک ہے تم اپنے بھائی سے یہ کہو کہ وہ کیسے حضرت علی علیہ السلام کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے افضل و برتر سمجھتا ہے جبکہ یہ دونوں آنحضرت کے پہلو میں دفن ہیں اور حضرت علی مرقد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوسوں دور دفن ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونا ایک بہت بڑا افتخار ہے یہی بات ان کے افضل اور برتر ہونے کے لئے کافی ہے۔''

فضال: ''اتفاق سے میں نے بھی یہی دلیل اپنے بھائی سے بیان کی تھی مگر اس نے اس کے جواب میں کہا کہ خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے۔

''لاتدخلوا بيوت النبى الاان يوذن لكم''

''رسولؐ خدا کے گھر میں بغیر ان کی اجازت کے داخل نہ ہو (احزاب-۵۳)

یہ بات واضح ہے کہ رسولؐ خدا کا گھر خود ان کی ملکیت میں تھا اس طرح وہ قبر بھی خود رسولؐ خدا کی ملکیت تھی اور رسولؐ خدا نے انہیں اس طرح کی کوئی اجازت نہیں دی تھی اور نہ ہی ان کے ورثا نے اس طرح کی کوئی اجازت دی۔''

ابوحنیفہ: ''اپنے بھائی سے کہو کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ دونوں کی مہر رسول خدا پر باقی تھی ان دونوں نے اس کی جگہ رسول خدا کے گھر کا وہ حصہ اپنے باپ کو بخش دیا۔

فضال: ''اتفاق سے یہ دلیل بھی میں نے اپنے بھائی سے بیان کی تھی تو اس نے جواب میں کہا کہ خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے۔

''يا ايها النبى انا احللنا ازواجك التى آتيت اجورهن''

''اے نبی! ہم نے تمہارے لئے تمہاری ان ازواج کو حلال کیا ہے جن کی اجرتیں (مہر) تم نے ادا کر دی (احزاب ۴۹)

اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول خدا نے اپنی زندگی میں ہی ان کی مہر ادا کر دی تھی۔''

ابوحنیفہ: ''اپنے بھائی سے کہو کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رسول خداؐ کی بیویاں تھیں

انہوں نے ارث کے طور پر ملنے والی جگہ اپنے باپ کو بخش دی لہذا وہ وہاں دفن ہوئے۔"

فضال: "اتفاق سے میں نے بھی یہ دلیل بیان کی تھی مگر میرے بھائی نے کہا کہ تم اہل سنت تو اس بات کا عقیدہ رکھتے ہو کہ پیغمبر وفات کے بعد کوئی چیز بطور وراثت نہیں چھوڑتا اور اسی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو تم لوگوں نے فدک سے بھی محروم کر دیا اور اس کے علاوہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ پیغمبران خدا' وفات کے وقت ارث چھوڑتے ہیں تب یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ کی نو بیویاں تھیں (۱) اور وہ بھی ارث کی حقدار تھیں۔ اب وراثت کے قانون کے لحاظ سے گھر کا آٹھواں حصہ ان تمام بیویوں کا حق بنتا تھا۔ اب اگر اس حصے کو نو بیویوں کے درمیان تقسیم کیا جائے تو ہر بیوی کے حصے میں ایک بالشت زمین سے زیادہ کچھ نہیں آئے گا ایک آدمی قدوقامت کی بات ہی نہیں۔"

ابوحنیفہ یہ بات سن کر حیران ہو گیا اور غصے میں آ کر اپنے شاگردوں سے کہنے لگا۔ "اسے باہر نکالو یہ خود رافضی ہے اس کا کوئی بھائی نہیں۔" (۲)

---

(۱) جن کے نام یہ ہیں عائشہ' حفصہ' ام سلمہ' ام حبیبہ' زینب' میمونہ' صفیہ' جویریہ اور سودہ

(۲) خزائن نراقی' ص ۱۰۹

ایک بہادر عورت کا حجاج سے زبردست مناظرہ

عبدالملک (دور اموی کا پانچواں خلیفہ) کی طرف سے تاریخ کا بدترین مجرم حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے جناب کمیل' قنبر' سعید بن جبیر کو قتل کیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام سے بہت بغض رکھتا تھا۔

اتفاق سے ایک دن ایک نہایت بہادر و دلیر عورت جسے حلیمہ سعدیہ کی بیٹی کہا جاتا ہے اور جس کا نام حرہ تھا حجاج کے دربار میں آئی یہ حضرت علی علیہ السلام کی چاہنے والی تھی۔

اس طرح حجاج اور حرہ کے درمیان ایک نہایت پر معنی اور زبردست مناظرہ ہوا جس کی

تفصیل کچھ یوں ہے:

حجاج: ''حرہ! کیا تم حلیمہ سعدیہ کی بیٹی ہو؟''

حرہ: ''یہ بے ایمان شخص کی ذہانت ہے (یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میں حرہ ہوں مگر تو نے بے ایمان ہوتے ہوئے مجھے پہچان کر اپنی ذہانت کا ثبوت دیا ہے)

حجاج: ''تجھے خدا نے یہاں لا کر میرے چنگل میں پھنسا دیا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تو علی کو ابوبکر و عمر و عثمان سے افضل سمجھتی ہے؟''

حرہ: ''تجھ سے اس سلسلے میں جھوٹ کہا گیا ہے کیونکہ ان تینوں کی کیا بات میں حضرت علی علیہ السلام کو جناب آدمؑ، جناب نوحؑ، جناب لوطؑ، جناب ابراہیمؑ، جناب موسیٰؑ، جناب داؤدؑ، جناب سلیمانؑ اور جناب عیسیٰ علیہم السلام سے افضل سمجھتی ہوں۔''

حجاج: ''تیرا برا ہو تو علیؑ کو تمام صحابہ سے برتر جانتی ہے اور اس کے ساتھ ہی انہیں آٹھ پیغمبروں سے جن میں بعض اولوالعزم بھی ہیں افضل و برتر جانتی ہے اگر تو نے اپنے اس دعوے کو دلیل سے ثابت نہ کیا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔''

حرہ: ''یہ میں نہیں کہتی کہ میں علی علیہ السلام کو ان پیغمبروں سے افضل و برتر جانتی ہوں بلکہ خداوند متعال نے خود انہیں ان تمام پر برتری عطا کی ہے قرآن مجید جناب آدم علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔''

''وعصى آدم ربه فغوى'' ''اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی نتیجہ میں وہ اس کی جزا سے محروم ہو گئے (طہ۔۱۱۲)

لیکن خداوند متعال علی علیہ السلام، ان کی زوجہ اور ان کی بیٹوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

''وكان سعيكم مشكورا''

تمہاری سعی و کوشش قابل قدر ہے۔ (انسان ۲۲)

حجاج: ''شاباش لیکن یہ بتا کہ حضرت علی علیہ السلام کو تو نے حضرت نوح و لوط علیہم السلام پر کس دلیل سے فضیلت دی ہے؟''

حرہ: ''خداوند متعال انہیں ان لوگوں سے افضل و برتر جانتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔

''ضرب الله مثلا للذين كفروا امرته نوح و امرئته لوط كانتا تحت

عبدین من عبادنا صالحین فخانتا هما فلم یغنیا عنهما من الله شیئا و قیل ادخلا النار مع الداخلین"

"خدا نے کافر ہونے والے لوگوں کو نوح ولوط کی بیویوں کی مثالیں دی ہیں یہ دونوں ہمارے صالح بندوں کے تحت تھیں مگر ان دونوں نے ان کے ساتھ خیانت کی لہذا ان کا ان دونوں سے تعلق انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا اور ان سے کہا گیا کہ جہنم میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ (تحریم ۱۰)

لیکن علی علیہ السلام کی زوجہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں جن کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ہے اور جن کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے۔"

حجاج: "شاباش حرہ مگر تو یہ بتا کہ حضرت علی کو پیغمبر کے جدّ جناب ابراہیم علیہ السلام سے کس دلیل کی بنا پر افضل و برتر جانتی ہو؟"

حرہ: "خداوند متعال قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔

"ربی ارنی کیف محی الموتی قال اولم تو من قال بلی ولکن لیطمئن قلبی"

"ابراہیم نے کہا پالنے والے مجھے تو یہ دکھا دے کہ تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے تو خدا نے کہا کیا تمہیں ایمان نہیں ہے تو انہوں نے کہا کیوں نہیں مگر میں اطمینان قلب چاہتا ہوں (البقرہ ۲۶۰)"

لیکن میرے مولا علی علیہ السلام اس حد تک یقین کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا۔

"لو کشف الغطاء ماازددت یقینا"

اگر تمام پردے میرے سامنے سے ہٹا لئے جائیں تو بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

اس طرح اس سے پہلے کسی نے نہیں کہا تھا اور نہ اب کوئی ایسا کہہ سکتا ہے۔"

حجاج: "شاباش لیکن تو کس دلیل سے حضرت علی کو جناب موسیٰ کلیم خدا پر فضیلت دیتی ہے؟"

حرہ: "خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے۔

"فخرج منها خائفا يترقب"

"وہ وہاں سے ڈرتے ہوئے (کسی بھی حادثے کی) توقع میں (مصر) سے باہر نکلے (قصص ۲۱)

لیکن علی علیہ السلام کسی سے نہیں ڈرے شب ہجرت رسول خدا کے بستر پر آرام سے سوئے اور خدا نے ان کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی۔

"ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضات الله"

"اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنے نفس کو اللہ کی رضا کے لئے بیچ دیتے ہیں" (بقرہ ۲۰۷)

حجاج: "شاباش لیکن اب یہ بتا کہ داؤد علیہ السلام کے سلسلے میں فرماتا ہے۔

"يا داؤد انا جعلناك خليفة فى الارض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله"

"اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے لہذا تم لوگوں کے درمیان حق سے فیصلہ کرو اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو کہ اس طرح تم راہ خدا سے بھٹک جاؤ گے (ص۔۲۶)"

حجاج: "جناب داؤد کی قضاوت کس سلسلے میں تھی؟"

حرہ: "دو آدمیوں کے بارے میں ان میں ایک کے پاس بھیڑیں تھیں اور دوسرے کا کھیت تھا ان بھیڑوں نے اس کسان کے کھیت کو چر لیا تو جناب داؤد نے فیصلہ کیا کہ بھیڑ کے مالک کو اپنی تمام بھیڑوں کو بیچ کر ان کا پیسہ کسان کو دے دینا چاہیے تاکہ وہ ان پیسوں سے کھیتی کرے اور اس کا کھیت پہلے کی طرح ہو جائے لیکن جناب سلیمان نے اپنے والد سے کہا۔ "آپ کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ بھیڑوں کا مالک کسان کو دودھ اور اون دے دے تاکہ اس طرح اس کے نقصان کی بھرپائی ہو جائے۔" اس سلسلے میں خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔" ہم نے حکم (حقیقی) سلیمان کو سمجھا دیا (انبیاء ۷۹)

لیکن حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "سلونی قبل ان تفقدونی" جنگ خیبر کی فتح کے دن آپ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے آئے تو حضرت نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ "تم میں سب سے افضل اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے

علی ہیں۔"

حجاج: "شاباش لیکن اب یہ بتا کہ کس دلیل سے علی جناب سلیمان علیہ السلام سے افضل ہیں؟"

حرہ: "قرآن میں جناب سلیمان کا یہ قول نقل ہوا ہے۔"

"رب اغفرلی وھب ملکالا ینبغی لاحد من بعدی"

"پالنے والے! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا کر دے جو میرے بعد کسی کے لئے شائستہ نہ ہو۔ (ص ۳۵)" لیکن مولا علی علیہ السلام نے دنیا کو تین دفعہ طلاق دی ہے جس کے بعد یہ آیت اتری۔

"تلك الدار الآخرة نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقین"

"وہ آخرت کا مقام ان لوگوں کے لئے ہم قرار دیتے ہیں جو زمین پر بلندی اور فساد کو دوست نہیں رکھتے اور عاقبت تو متقیوں کے لئے ہے (قصص ۸۳)"

حجاج: "شاباش اے حرہ اب یہ بتا کہ تو کیوں حضرت علی کو جناب عیسیٰ علیہ السلام سے افضل و برتر جانتی ہے؟

حرہ: "خداوند متعال قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"واذ قال الله یا عیسی بن مریم انت قلت للناس اتخذونی و امی الھین من دون الله قال سبحانك مایکون لی بحق ان کنت قلته فقد علمة تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسك انك انت علام الغیوب ما قلت لھم الا ما امرتنی به"

"اور جب (روز قیامت) خدا کہے گا اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا قرار دو تو وہ کہیں گے تو پاک و پاکیزہ ہے میں کیسے ایسی بات کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے حق نہیں اگر میں نے کہا ہوتا تو تو ضرور جان لیتا تو جانتا ہے میرے نفس میں کیا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ تیرے نفس میں کیا ہے تو علام غیوب ہے میں نے ان سے صرف وہی بات کہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا (مائدہ ۱۱۷۔۱۶۵)"

اس طرح جناب عیسیٰ کی عبادت کرنے والوں کا فیصلہ قیامت کے دن کے لئے ٹال دیا

گیا مگر جب نسیریوں نے حضرت علی علیہ السلام کی عبادت شروع کردی تو آپ نے انہیں فوراً قتل کر دیا اور ان کے عذاب و فیصلے کو قیامت کے لئے نہیں چھوڑا۔"

حجاج: "اے حرہ تو قابل تعریف ہے تو نے اپنے جواب میں نہایت اچھے دلائل پیش کئے اگر تو آج اپنے تمام دعوؤں میں سچی ثابت نہ ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔"

اس کے بعد حجاج نے حرہ کو انعام دے کر باعزت رخصت کر دیا۔ (فضائل ابن شاذان ص ۱۲۲۔ بحار ج ۴۶ ص ۱۳۴ سے ۱۳۶ تک)

ایک گمنام شخص کا ابوالھذیل سے عجیب مناظرہ

ابوالھذیل اہل سنت کا ایک بہت ہی مشہور و معروف عراقی عالم کہتا ہے کہ میں ایک سفر کے دوران جب شہر "رقہ" (شام کا ایک شہر) میں وارد ہوا تو وہاں میں نے سنا کہ ایک دیوانہ مگر بہت خوش گفتار شخص "معبد زکی" میں رہتا ہے۔

میں جب اس کے دیدار کے لئے معبد گیا تو میں نے وہاں ایک نہایت خوبصورت اور اچھی قد و قامت کا ایک بوڑھا شخص بوریے پر بیٹھا ہوا دیکھا جو اپنے بالوں اور داڑھی میں کنگھی کر رہا تھا۔ میں نے داخل ہوتے ہی اسے سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا اس کے بعد ہمارے درمیان اس طرح گفتگو ہوئی۔

گمنام شخص: "تم کہاں سے تعلق رکھتے ہو؟"

ابوالھذیل: "عراق کا رہنے والا ہوں۔"

گمنام شخص: "اچھا یعنی تم بہت ہی ماہر ہو اور زندگی کے آداب و اطوار سے بخوبی آشنا ہو اچھا یہ بتاؤ کہ تم عراق کے کس خطے سے تعلق رکھتے ہو۔"

ابوالھذیل: "بصرہ سے"

گمنام شخص: "بس علم و عمل سے آشنا ہو تمہارا نام کیا ہے؟"

ابوالھذیل: "مجھے ابوالھذیل علاف کہتے ہیں۔"

گمنام شخص: وہی جو بہت ہی مشہور کلامی ہے؟"

ابوالھذیل: "ہاں"

یہ سن کر اس نے ایک فرش کی طرف مجھے ایک اشارہ کیا اور تھوڑی دیر بات چیت کرنے کے بعد اس نے مجھ سے سوال کیا۔ "امامت کے بارے میں تیرا کیا نظریہ ہے؟"

ابوالھذیل: "تیری مراد کون سی امامت ہے؟"

گمنام شخص: "میری مراد یہ ہے کہ تو نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ان کے جانشین کے طور پر کسے لوگوں پر ترجیح دیتے ہوئے خلیفہ تسلیم کیا ہے؟"

ابوالھذیل: "اسی کو جسے پیغمبر اکرم نے ترجیح دی۔"

گمنام شخص: "وہ کون ہے؟"

ابوالھذیل: "وہ حضرت ابوبکر ہیں۔"

گمنام شخص: "تم نے انہیں کیوں مقدم جانا؟"

ابوالھذیل: "کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ 'اپنے لوگوں میں سب سے اچھے شخص کو مقدم رکھو اور اسے رہبر سمجھو۔' "تمام کے تمام لوگ حضرت ابوبکر کو مقدم سمجھنے کے لئے راضی ہوئے ہیں۔"

گمنام شخص: "اے ابوالھذیل! یہاں تو نے خطا کی ہے۔ کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اپنے میں سب سے اچھے شخص کو مقدم رکھو اور اسی کو اپنا رہبر جانو" میرا اعتراض یہ ہے کہ خود حضرت ابوبکر نے منبر سے کہا "میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔" اگر لوگ حضرت ابوبکر کے جھوٹ کو بہتر سمجھتے ہیں اور انھیں اپنا رہبر بناتے ہیں تو گویا سب کے سب رسول اللہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی مخالفت کر رہے ہیں اور اگر خود حضرت ابوبکر جھوٹ کہتے ہیں کہ میں "تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں" تو جھوٹ بولنے والے کے لئے مناسب نہیں کہ وہ منبر رسول پر جائے اور تم نے جو یہ کہا تھا کہ حضرت ابوبکر کی رہبری پر سب راضی تھے تو یہ اس وقت درست ہوگا جب انصار و مہاجرین نے ایک دوسرے سے یہ نہ کہا ہوتا کہ "ایک امیر ہمارے قبیلے سے ایک تمہارے قبیلے سے" لیکن مہاجروں کے درمیان زبیر نے کہا کہ میں علی علیہ السلام کے پاس آ کر کہا "اگر آپ چاہیں تو مدینے کی گلیوں کو پیادوں اور سوار فوجیوں سے بھر دوں۔" جناب سلیمان نے بھی

باہر آ کر کہا" انہوں نے (بیعت ابوبکر) کیا اور نہیں بھی کیا انہیں معلوم ہی نہیں کہ کیا کیا۔" اسی طرح جناب مقداد اور ابوذر نے بھی اعتراض کیا ان سب سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کے سب لوگ حضرت ابوبکر کی خلافت سے راضی نہیں تھے۔

اے ابوالھذیل! میں تجھ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں تو مجھے اس کا جواب دے"

۱۔ مجھے بتا کیا یہ درست نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر نے بالائے منبر یہ اعلان کیا۔"میرے لئے ایک شیطان ہے جو مجھے بہکا دیا کرتا ہے لہذا جب میں غصہ میں رہا کروں تو مجھ سے دور ہو جایا کرو۔" وہ دراصل یہ کہنا چاہتے تھے کہ" پاگل ہوں۔" لہذا تم لوگوں نے آخر کیوں ایسے شخص کو اپنا رہبر معین کرلیا۔؟

۲۔تو یہ بتا کہ جو شخص اس بات کا معتقد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا مگر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا جانشین معین کیا۔ جبکہ اس کے بعد حضرت عمر نے اپنا جانشین کسی کو نہیں بنایا کیا اس کے اعتقاد میں ایک طرح کا تناقض نہیں پایا جاتا۔ اس کا تیرے پاس کیا جواب ہوگا؟

۳۔ مجھے یہ بتا جب حضرت عمر نے اپنی خلافت کے بعد ایک شوریٰ تشکیل دی تو یہ کیوں کہا کہ یہ چھ کے چھ جنتی ہیں اور اگر ان میں سے دوافراد چار کی مخالفت کریں تو انھیں قتل کردو اور اگر تین، تین افراد آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں تو جس طرح عبدالرحمٰن بن عوف رہے اس گروہ کو قتل کر دینا۔ ذرا یہ بتا کہ یہ کس طرح صحیح ہوگا اور کہاں کی دیانتداری ہوگی کہ اہل بہشت کو قتل کرنے کا حکم صادر کیا جائے؟

۴۔تو یہ بھی بتا دے کہ ابن عباس اور عمر کی ملاقات اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کو تو کس کے عقیدے کے مطابق سمجھا ہے؟

جب عمر بن خطاب زخمی ہونے کی وجہ سے بستر پر تھا اور عبداللہ ابن عباس اس کے گھر گے تو دیکھا کہ وہ بستر پر تڑپ رہا ہے ابن عباس نے پوچھا۔" کیوں تڑپ رہے ہو؟" تو عمر نے کہا ۔"میں اپنی تکلیف کی وجہ سے نہیں تڑپ رہا ہوں بلکہ اس لئے تڑپ رہا ہوں کہ میرے بعد رہبری نہ جانے کس کے ہاتھوں میں ہوگی۔ اس کے بعد ابن عباس اور عمر کے درمیان اس طرح گفتگو ہوئی۔

ابن عباس: "طلحہ بن عبیداللہ کو لوگوں کا رہبر بنا دو۔"

عمر" وہ تند مزاج ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے میں ایسا ہی فرمایا کرتے تھے' میں اس طرح کے تند خو شخص کے ہاتھ میں رہبری کی مہار نہیں دینا چاہتا۔"

ابن عباس: "زبیر بن عوام کو رہبر بنادو۔"

عمر: "وہ کنجوس آدمی ہے میں نے خود اسے دیکھا ہے وہ اپنی بیوی کی مزدوری کے بارے میں بڑی سختی سے پیش آرہا تھا میں کنجوس آدمی کے ہاتھ میں رہبری نہیں دے سکتا۔"

ابن عباس: "سعد وقاص کو رہبر بنادو۔"

عمر: "وہ تیر وتلوار اور گھوڑوں سے کام رکھتا ہے ایسے افراد رہبری کے لئے مناسب نہیں ہوتے۔"

ابن عباس: "عبدالرحمٰن بن عوف کو کیوں نہیں رہبر بنادیتے؟"

عمر: "وہ اپنے گھر کو تو چلا نہیں سکتا۔"

ابن عباس: "اپنے بیٹے عبداللہ کو بنادو۔"

عمر: نہیں خدا کی قسم نہیں۔ جو شخص اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا اس کے حوالے میں رہبری نہیں کرسکتا۔"

ابن عباس: "عثمان کو رہبر بنادو"

عمر نے کہا خدا کی قسم (تین بار کہا) اگر میں عثمان کو رہبر بنادوں گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے "طائفہ معیط" (بنی امیہ کی ایک شق) کو مسلمان کی گردن پر سوار کردوں جس سے مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ لوگ عثمان کو قتل کر ڈالیں۔"

ابن عباس کہتے ہیں۔ "اس کے بعد خاموش ہو گیا اور چونکہ حضرت علی علیہ السلام اور عمر کے درمیان عداوت تھی اس لئے میں نے ان کا نام لیا لیکن عمر نے خود مجھ سے کہا۔ "اے ابن عباس! اپنے دوست کا نام لو۔"

میں نے کہا۔ "تو علی کو خلیفہ بنادو۔"

عمر: "خدا کی قسم! میں صرف اس وجہ سے پریشان ہوں کہ میں نے حق کو حقدار سے چھین لیا ہے اگر میں علی کو لوگوں کا رہبر بنادوں تو وہ یقیناً لوگوں کو شاہراہ حق وہدایت تک پہنچادیں گے اور اگر لوگ ان کی پیروی کریں گے تو وہ انہیں جنت میں داخل کرادیں گے۔"

عمر نے یہ سب کہا مگر پھر بھی اپنے بعد خلافت کے مسئلے کو چھ نفری شوریٰ کے حوالے کر دیا اس پر خدا کی لعنت ہو۔

ابوالھذیل کہتا ہے۔"جب وہ گمنام شخص یہاں تک پہنچا تو اس کی حالت غیر ہونے لگی اور وہ ہوش وحواس سے بیگانہ نظر آنے لگا۔اس کا پورا واقعہ میں نے ساتویں اموی خلیفہ مامون سے بیان کیا وہ اس منطقی بات کی وجہ سے شیعہ ہو گیا اس نے اس شخص کو بلوا کر اس کا علاج کرایا اور اسے اپنا ندیم خاص قرار دیا۔(احتجاج طبری، ج ۲، ص ۱۵۱ سے ۱۵۴ تک)

علماء سے مامون کا مناظرہ

اہل سنت کے عظیم علماء کے لئے ایک نشت کا اہتمام کیا گیا جس میں مامون (عباسی دور کا ساتواں خلیفہ) صدر کی حیثیت سے بیٹھا ہوا تھا اس بزم میں ایک بہت ہی طویل مناظرہ ہوا جس کا ایک حصہ ہم پیش کرتے ہیں۔

اہل سنت کے ایک عالم نے کہا۔"روایت میں ملتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی شان میں فرمایا۔

ابوبکر و عمر سیداکھول الجنۃ

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جنت کے بوڑھوں کے سردار ہیں۔

مامون نے کہا۔"یہ حدیث غلط ہے۔کیونکہ جنت میں بوڑھوں کا وجود ہی نہیں ہے کیونکہ روایت میں ملتا ہے کہ ایک دن ایک بوڑھی عورت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا۔"بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔"بوڑھی عورت گریہ و زاری کرنے لگی تو آپؐ نے فرمایا خداوند متعال قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

"انا انشانا ھن انشا، فجعلنا ھن ابکارا عربا اترابا"

ہم نے انہیں بہترین طریقے سے خلق کیا اور ان سب کو باکرہ قرار دیا وہ ایسی بیویاں ہوں گی جو اپنے شوہروں سے محبت کرتی ہوں گی خوش گفتار اور ان کی ہم سن سال ہوں گی۔"(واقعہ ۳۵-۳۷)

اگر تمہاری فکر کے مطابق حضرت ابوبکر و عمر جوان ہوں گے تو جنت میں جائیں گے۔ تو کس طرح تم کہتے ہو کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

"الحسن و الحسین سید اشباب اہل الجنۃ الاولین و لآخرین وابوھما خیر منھما"

حسن و حسین علیہم السلام جنت کے اول و آخر جوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والد علی بن ابی طالب علیہما السلام کا مقام ان سے بالا و برتر ہے۔ (بحار' ج ۴۹' ص ۱۹۳)

رسول خداؐ کی حدیث پر بیٹے کے اعتراض پر ابودلف کا جواب

قاسم بن عیسیٰ عجلی جو "ابودلف" کے نام سے مشہور تھا یہ نہایت باہمت' سخی' کشادہ قلب' عظیم شاعر' اپنے خاندان کا سربراہ اور محب علی ابن ابی طالب علیہما السلام تھا۔ اس نے ۲۲۰ ھ۔ ق کو اس دنیا کو خیر باد کہا۔

ابودلف کا ایک بیٹا تھا جس کا نام "دلف" تھا یہ بیٹا بالکل اپنے باپ کے برعکس بہت ہی بدبخت اور بدزبان تھا۔

ایک دن اس کے بیٹے دلف نے اپنے دوستوں کے درمیان علی علیہ السلام کی محبت و عداوت کے سلسلہ میں بحث چھیڑ دی۔ یہ بحث یہاں تک پہنچی کہ اس کے ایک دوست نے کہا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ

"یا علی لا یحبك الا مومن تقیٌ ولا یبغضك الا ولد زنیۃ او حیضۃ"

"اے علی! تم سے صرف متقی مومن محبت کرتا ہے اور تم سے وہی دشمنی و عداوت رکھتا ہے جو زنازادہ ہو یا جس کا نطفہ حالت حیض میں منعقد ہوا ہو"

دلف' جو ان تمام چیزوں کا منکر تھا اس نے اپنے دوست سے کہا۔ "میرے باپ ابودلف کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟ آیا کوئی شخص اس بات کی جرات کرسکتا ہے کہ ان کی بیوی سے

زنا کرے۔"

اس کے دوستوں نے کہا۔ "نہیں ہرگز نہیں۔ ابو دلف کے بارے میں ایسا سوچنا بھی غلط ہے۔"

دلف نے کہا۔ "خدا کی قسم میں علی علیہ السلام سے شدید دشمنی رکھتا ہوں (جب کہ میں نہ ولد الزنا ہوں اور نہ ولد حیض)

اسی وقت ابو دلف گھر سے باہر نکل رہا تھا ان کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی اور دیکھا کہ وہ چند لوگوں سے گفتگو میں مصروف ہے جب ابو دلف موضوع بحث سے آگاہ ہوا تو سامنے آ کر کہا۔ "خدا کی قسم! دلف زنا زادہ بھی ہے اور ولد حیض بھی۔ کیونکہ میں ایک روز بخار میں مبتلا تھا اور اپنے بھائی کے گھر جا کر سو گیا تھا دیکھا کہ ایک (کنیز) لڑکی گھر میں وارد ہوئی نفس امارہ مجھے اس کی طرف کھینچ کر لے گیا تو اس نے کہا۔" میں اس وقت حالت حیض میں ہوں۔"

میں نے جماع کے لئے اس کو مجبور کیا نتیجے میں وہ حاملہ ہو گئی جس سے دلف پیدا ہوا اس طرح یہ ولد الزنا بھی ہے اور ولد حیض بھی (کشف الیقین علامہ حلی، ص ۱۶۶۔ بحار ج ۳۹ ص ۲۸۷)

تمام دوستوں نے یہ سمجھ لیا کہ علی علیہ السلام کی دشمنی دلف کے نطفہ کے وقت سے شروع ہوئی جو آج جڑ پکڑ گئی۔ جب بنیاد ہی غلط تھی تو منزل کیوں نہ غلط ہوتی۔

ابو ہریرہ سے ایک غیور جوان کا دندان شکن مناظرہ

معاویہ نے پیسے کے ذریعے چند معتبر لوگوں کو خرید رکھا تھا تا کہ وہ علی علیہ السلام کے خلاف حدیث گڑھیں ان میں جیسے ابو ہریرہ، عمرو عاص، مغیرہ بن شعبہ وغیرہ شامل تھے۔

ابو ہریرہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد کوفہ آیا اور عجیب حیلہ ومکر سے اس نے علی علیہ السلام کے بارے میں نامناسب باتیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کر دی تھیں۔

راتوں میں وہ "باب الکندہ" مسجد کوفہ کے پاس آ کر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو اپنے حیلہ ومکر سے منحرف کرتا رہتا۔

ایک رات ایک غیور اور دانشمند جوان نے اس جلسے میں شرکت کی تھوڑی دیر تک وہ ابو ہریرہ کی پوچ باتیں سنتا رہا اس کے بعد اس نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''تجھ پر خدا کی قسم ہے کیا تو نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علی علیہ السلام کے بارے میں یہ دعا کرتے ہوئے نہیں سنا ہے۔

''اللھم وال من والاہ وعادمن عاداہ''

''خدایا تو اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھتا ہے اور اسے دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھتا ہے۔'' ابو ہریرہ نے جب یہ دیکھا کہ وہ اس واضح حدیث کی تردید نہیں کر سکتا تو کہا۔ ''اللھم نعم'' خدایا تجھے شاہد و ناظر جانتا ہوں میں نے یہ سنا ہے۔ غیور نوجوان نے کہا۔ ''میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ تو دشمن علی کو دوست رکھتا ہے اور دوست علی کو دشمن رکھتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت کا مستحق ہے۔'' اس کے بعد یہ نوجوان بڑی متانت سے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ (۱)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید' ج ۴' ص ۶۳ اور ۶۸)

بزدلانہ تہمتوں کا جواب

ایک دوست کہتا ہے کہ میں سعودی عرب میں تھا وہاں کی ایک مسجد میں ایک ادھیڑ عمر میرے پاس آیا میں سمجھ گیا کہ یہ شام کا رہنے والا ہے اور اس نے بھی مجھے جان لیا کہ میں شیعہ اثنا عشری ہوں۔

چند سوالات کے تبادلے کے بعد اس نے کہا۔ ''تم شیعہ لوگ نماز کے آخر میں تین مرتبہ کیوں خان الامین' خان الامین' خان الامین' جبرئیل نے خیانت کی کہتے ہو؟''

یہ بات سن کر میں حیرت زدہ ہو گیا اور اسی وقت میں نے اس سے کہا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دو اور تم یہ اچھی طرح دیکھو کہ میں نماز کس طرح پڑھتا ہوں۔

اس نے کہا۔ '' ٹھیک تم نماز پڑھو میں کھڑا ہوں۔'' میں دو رکعت نماز آخری تین تکبیروں کے ساتھ بجالایا اس کے بعد اس کا نظریہ معلوم کیا تو اس نے کہا۔ ''تم نے تو ایک ایرانی اور

عجم ہوتے ہوئے بھی ہم عربوں سے اچھی نماز پڑھی ہے لیکن خان الامین کیوں نہیں کہا؟''

میں نے کہا: ''یہ چیزیں شیاطین استعمار کی طرف سے تم جیسے سادہ لوگوں کے دلوں میں القاء کی گئی ہیں اور تہمت ہمارے دشمنوں کی طرف سے لگائی گئی ہے تاکہ مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ اختلاف رہے۔''

توضیح کے طور پر: خان الامین سے ان کا مطلب یہ ہے کہ العیاذ باللہ شیعہ اس بات کے معتقد ہیں کہ جبرئیل امین جو فرشتہ وحی خداوندی لاتے تھے انہیں علی علیہ السلام کے پاس قرآن لانا چاہیے تھا لیکن انہوں نے دھوکا دیا اور آتے آتے راستہ بدل دیا اور قرآن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئے اور قرآن آپ کے حوالہ کر دیا۔ اسی وجہ سے شیعہ حضرات نماز کے بعد تین مرتبہ ''خان الامین'' (جبرئیل نے خیانت کی) کہتے ہیں۔

کتنی بے انصافی ہے؟ ارے کون شیعہ ہے جو اس طرح کا عقیدہ رکھتا ہے؟ سچ سچ اگر دنیا کے مسلمان شیعیوں کو (جو مسلمانوں کا ایک اٹوٹ حصہ ہے) اس عقیدہ سے پہچاننے لگیں تو کیا وہ کافر کہنے کا حق نہیں رکھتے ہیں؟(۱)

اسی طرح کی دوسری تہمت یہ ہے کہ ہمارے استاد کہتے ہیں کہ حجاز کے ایک درباری ملاں نے اپنے خطبہ میں اس طرح کہا۔

''اگر شیعہ اتحاد کی دعوت دیں تو ان کے قریب نہ جانا وہ ہم سے کسی بھی چیز میں ایک نظریہ نہیں رکھتے نہ توحید کے بارے میں نہ صفات خدا نہ قرآن کے بارے میں اور نہ دوسرے امور میں وہ ہم سے متحد ہیں وہ ہمارے اور عالم اسلام کے لئے بہت ہی خطرناک ہیں۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ وغیرہ۔ ۔ ۔ اس نے یہاں تک کہا کہ شیعہ اس بات کے معتقد ہیں کہ خدا نہ عالم ہے نہ سمیع ہے نہ بصیر بلکہ یہ تمام صفات وہ اپنے امام سے منسوب کرتے ہیں اور جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ لوگ اسے قبول نہیں کرتے۔ ۔ ۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات تو یہ تھی کہ اس ملاں نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ تمام باتیں اس نے شیعی کتب سے کہی ہیں۔ اس مزدور ملاں سے کہنا چاہیے۔ ''اگر تو غرض پرست نہیں ہے

---

(۱) یہ ''خان الامین'' والی تہمت بعض سنی فرقوں میں خاصی مشہور ہے۔ جب بھی یہ شیعوں کے عقائد پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں تو یہ جملہ ان کی زبانوں پر لگاتار جاری رہتا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر تیجانی ساوی نے اپنی کتاب ''پھر میں ہدایت پا گیا'' میں دو جگہ اس تہمت کا ذکر کیا ہے۔

تو ذرا انصاف سے فیصلے کر۔ شیعوں کی حقیقی کتابیں ہر جگہ دستیاب ہیں اور شیعوں کا قرآن بھی لاکھوں لوگوں کے پاس موجود ہے شیعوں میں کس جگہ یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ خدا سمیع وعلیم نہیں ہے مگر آئمہ سمیع وعلیم ہیں وہ کون سا قرآن شیعوں کے پاس ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے؟

تمہارے لئے مناسب ہے کہ ایران کا ایک سفر کرو اور شیعوں کے حوزہائے علمیہ کو قریب سے دیکھو تب تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ تمہاری بیہودہ تہمتیں شیعوں سے ہزاروں کلومیٹر دور ہیں۔

استدلال کے سامنے ایک وھابی دانشور کی بے بسی

ایک عالم دین فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں تھا تو مسجد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قبر منور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑا ہوا تھا کہ ناگاہ ایک ایرانی شیعہ آیا اور مرقد شریف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درودیوار کو بوسہ دیا۔

مسجد کا امام جماعت جو ایک وھابی عالم تھا اس نے ایرانی کو بوسہ دیتے دیکھ کر چیخ کر کہا۔

''کیوں پتھر اور کھڑکی کی جو فہم وشعور نہیں رکھتے ان کا بوسہ دے کر شرک کے مرتکب ہو رہے ہو؟

اس وھابی امام جماعت کی چیخ سن کر ایرانی شیعہ کے لئے میرے دل میں محبت پیدا ہوئی۔ میں نے امام جماعت کو سامنے جا کر اس سے کہا''۔ درودیوار کا بوسہ دینا اس بات کی علامت ہے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں جس طرح ایک باپ اپنے چھوٹے بچہ کی محبت کی وجہ سے اس کا بوسہ دیتا ہے (اس کام میں کسی بھی طرح کا کوئی شرک نہیں ہے)

اس نے کہا۔''نہ یہ شرک ہے۔''

میں نے اس سے کہا۔''آیا سورہ یوسف کی ۹۶ ویں آیت قرآن میں پڑھی ہے جس میں خداوند عالم فرماتا ہے۔

''فلما جاء البشیر القاہ علی وجھه فارتد بصیرا''

''جب بشیر (یوسف کی زندگی کی بشارت لے کر یعقوب کے پاس) آیا اور اسے (قمیض) ان کے چہرے پر ڈال دیا گیا تو ان کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی''

میرا سوال تم سے یہ ہے کہ یہ پیراہن تو ایک کپڑا تھا اس کپڑے نے کس طرح جناب یعقوب علیہ السلام کو بینائی عطا کی۔ آیا اس کے علاوہ کوئی بات اور ہے کہ یہ کپڑا جناب یوسف علیہ السلام کے پاس رہنے سے ان خصوصیتوں کا مالک ہوگیا تھا؟

وھابی امام جماعت میرے اس سوال کے جواب میں بے بس ہوگیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

سورہ یوسف کی ۹۴ ویں آیت میں بھی آیا ہے۔

جس وقت قافلہ سرزمین مصر سے جدا ہوا (اور کنعان کی طرف روانہ ہوا) تو یعقوب علیہ السلام (کنعان مصر سے تقریباً ۸۰ فرسخ پر واقع ہے) نے کہا۔

"انی لاجد ریح یوسف"

"میں بوئے یوسف سونگھ رہا ہوں۔"

پتہ چلا اولیاء علیہم السلام معنوی طاقت کے مالک ہوتے ہیں اور ان کی اس نامرائی طاقت سے بہرہ مند ہونا نہ یہ کہ شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے کیونکہ ایسے آثار ان کے پاک و منزہ عقیدہ توحید سے وجود میں آئے ہیں۔

توضیح کے طور پر یہ کہ قبور اولیاء خدا علیہم السلام پر ہم دل کی گہرائی سے ان سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں اور انہیں ہم خانہ خدا کے دروازے قرار دیتے ہیں کیونکہ ہماری زبان اس چیز کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ بغیر کسی وسیلہ کے خدا سے رابطہ پیدا کرسکیں۔

اس لئے ہم انہیں خدا اور اپنے درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں۔

جیسا کہ سورہ یوسف کی آیت ۹۷ میں آیا ہے۔

"قالو یا ابانا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خاطئین"

انہوں نے (اخوان یوسف) کہا اے بابا! آپ ہمارے گناہوں کے لئے استغفار کریں ہم گناہ گار تھے۔

اس طرح اولیا علیہم السلام سے توسل کرنا جائز ہے اور جو لوگ اسے توحید کے خلاف جانتے ہیں وہ یا تو قرآن کے متون سے آگاہ نہیں ہیں یا انہوں نے اپنے آنکھوں پر تعصب کی عینک چڑھا رکھی ہے۔

سورہ مائدہ کی ۳۵ ویں آیت میں ہم پڑھتے ہیں۔

"یا ایھا الذین آمنوااتقواللہ وابتغو الیہ الوسیلہ"

"اے ایمان لانے والو اللہ سے ڈروں اور اس کے لئے وسیلہ چاہو"

اس آیت میں وسیلہ سے مراد صرف انجام واجبات اور ترک محرمات نہیں ہے بلکہ مستحبات اور من اولیاء خدا علیہم السلام سے توسل کرنا بھی وسیلہ شمار ہوگا۔

روایتوں میں آیا ہے کہ منصور دوانقی (عباسی دور کا دوسرا خلیفہ) نے مفتی اعظم (مالک بن انس مذہب مالکی کا بانی) سے پوچھا "حرم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آیا رو بہ قبلہ کھڑے ہو کر دعا مانگوں یا رو بہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟"

مالک نے جواب کہا۔

"لم تصرف و جھك عنه وھو وسیلتك وسیلة ابیك آدم علیه السلام الی یوم القیامة بل استقبله واستفع به فیشفعك الله قال الله تعالی ولوانھم اذظلموا انفسھم..."

"تو کیوں اپنا چہرہ ادھر سے گھمانا چاہتا ہے جبکہ وہ تیرے وسیلہ ہیں تیرے باپ آدم کے وسیلہ ہیں قیامت تک کے لئے، بلکہ ان کی طرف رخ کر کے دعا مانگ اور ان سے شفاعت طلب کر تو اللہ تیری شفاعت کرے گا خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔

"ولوانھم اذظلموا جائوك فاستغفرو الله واستغفرلھم الرسول لوجد والله توابارحیما" (سورہ نساء آیت ۶۴)

"اگر وہ ظلم کرنے کے بعد تمہارے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت کرتے اور رسول خدا بھی ان کے لئے مغفرت کرتے تو وہ یقیناً خدا کو تواب و رحیم پاتے" (۱)

شیعہ و سنی روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ توبہ کے وقت حضرت آدم علیہ السلام نے خانہ خدا میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واسطہ قرار دیتے ہوئے کہا تھا۔

"اللھم اسئلك بحق محمدالاغفرت لی"

"خدایا تجھے محمدؐ کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے" (۲)

اس مطلب کی تائید میں کہ اولیاء خدا علیہم السلام کی قبروں کا بوسہ دینا شرک نہیں ہے

---

(۱) وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۷۶، الدرر السنیہ ذینی وحلان، ص ۱۰

(۲) الدر المنثور ج ۱ ص ۵۹۔ مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۶۱۵۔ مجمع البیان ج ۱ ص ۸۹

مندرجہ ذیل تین احادیث اہل سنت پر توجہ فرمائیں۔

۱۔ ایک شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں آ کر پوچھا۔ ''اے رسول خدا! میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جنت کے دروازے اور حورالعین کی پیشانی کا بوسہ دوں اب میں کیا کروں؟''

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''ماں کا پیر اور باپ کی پیشانی کا بوسہ دو (یعنی اگر ایسا کرو گے تو اپنی آرزو حور عین کی پیشانی کا بوسہ دینا اور جنت کے دروازہ کا بوسہ دینے تک پہنچ سکتے ہو۔)

اس نے پوچھا۔ ''اگر ماں باپ مر گئے ہوں تو کیا کروں؟''

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''ان کی قبروں کا بوسہ دو۔'' (۱)

۲۔ جس وقت جناب ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسمعیل علیہ السلام کے دیدار کے لئے شام سے مکہ میں آئے تو دیکھا اسمعیل علیہ السلام گھر پر نہیں ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام واپس چلے گئے جب جناب اسمعیل علیہ السلام اپنے سفر سے واپس آئے تو ان کی زوجہ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کی آمد کی اطلاع دی اسمعیل علیہ السلام نے اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کے قدم کی جگہ کو معلوم کر کے احترام کے طور پر قدم کے نشان کا بوسہ دیا۔ (۲)

۳۔ سفیان ثوری (مذہب اہل سنت کا صوفی) نے امام صادق علیہ السلام کے قریب آ کر عرض کیا ''کیوں لوگ کعبہ کے پردے کا دامن پکڑتے ہیں جبکہ وہ پردہ بالکل پرانا ہو چکا ہے جو کسی طرح کوئی فائدہ نہیں پہنچانے والا ہے؟''

امام صادق علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔ ''یہ اس کام کے مانند ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے بارے میں گناہ کا مرتکب ہوا ہو (مثلاً اس کا حق ضایع کر دیا ہو) اور اس کے دامن سے چپکے، لپٹے اور اس کے اطراف اس امید سے گھومے کہ اس کا گناہ معاف کر دے گا۔'' (۳)

---

(۱) الاعلام قطب الدین حنفی، ص ۲۴

(۲) وہی مصدر

(۳) انوار البہیہ، شرح حال امام صادق علیہ السلام

ایک مرجع کا ایک وھابی سے مناظرہ

آیت اللہ العظمی سید عبداللہ شیرازی (قدس سرہ) کتاب ''الاحتجاجات العشرہ'' میں اس طرح فرماتے ہیں''ایک روز میں مدینہ قبر مطہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تو وہاں دیکھا کہ حوزہ علمیہ قم کا ایک طالب علم ضریح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھا اور اس جب دیکھا کہ شرطی (امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کارکن جو ضریح مقدس کا بوسہ دینے والوں کو روکتے ہیں) اس سے غافل ہے تو اس نے قریب پہنچ کر ضریح مقدس کا کئی بار بوسہ لیا۔

شرطی نے جب دیکھا تو بہت ناراض ہوا اور مجھے دیکھ کر میرے پاس آ کر اس نے بڑے احترام سے کہا۔''اے آقا! اپنے چاہنے والوں کو ضریح چومنے سے منع کیوں نہیں کرتے یہ درو دیوار جو بوسہ دیتے ہیں یہ لوہے کے علاوہ کچھ بھی نہیں جسے استامبول سے لایا گیا ہے انہیں چومنے سے منع کریں کیونکہ شرک ہے۔''

میں نے کہا۔''تم حجر اسود کا بوسہ دیتے ہو؟''

شرطی نے کہا۔''ہاں''

میں نے کہا۔''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر بھی پتھر ہے اگر اس پتھر کا چومنا شرک ہے تو حجر اسود کا بھی چومنا شرک ہے۔''

اس نے کہا۔''حجر اسود کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوما ہے۔''

میں نے کہا۔''اگر کسی چیز کا ''تیمناً'' و ''تبرکاً'' چومنا شرک ہے تو پیغمبر اور غیر پیغمبر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس نے کہا۔''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس لئے چوما کہ وہ جنت سے آیا ہے۔''

میں نے کہا۔''حجر اسود جنت سے لایا گیا ہے اس لئے وہ محترم ومقدس ہو گیا ہے اور اسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوما ہے اور حکم دیا ہے کہ اسے چوما جائے کیونکہ بہشت کا ایک حصہ ہے

اس نے کہا۔ "ہاں یہی وجہ ہے۔"

میں نے کہا۔ "بہشت اور اجزاء بہشت کا مقدس اور محترم ہونا وجود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے"

اس نے کہا۔ "ہاں"

میں نے کہا۔ "جب بہشت اور اجزاء بہشت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی وجہ سے مقدس ومحترم ہو جاتے ہیں اور ان کا بوسہ دینا تیمنا" "وتبرکا" جائز ہو جاتا ہے تو یہ لوہا (جو قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اطراف میں لگا ہوا ہے) اگرچہ استامبول سے آیا ہے لیکن قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجاورت کی وجہ سے مقدس اور محترم ہو گیا ہے اس وجہ سے ان کا بھی چومنا جائز ہے۔"

توضیح کے لئے بات آگے بڑھاؤں۔ جلد قرآن چمڑے سے بنائی جاتی ہے۔ کیا یہ چمڑا صحراء اور دریا کی گھاس کھانے والے حیوانوں سے نہیں لیا جاتا ہے جس کا نہ پہلے احترام کرنا ضروری تھا اور نہ نجس کرنا حرام تھا لیکن اسی چمڑے سے جلد قرآن بننے سے وہ محترم ہو جاتا ہے اور اس کی توہین کرنا حرام ہے اور ہم اسے بوسہ دیتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں جیسا کہ صدر اسلام سے لیکر آج تک مسلمانوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ جلد قرآن کا اسی طرح بوسہ دیتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹے کا بوسہ دیتے ہیں اور آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ جلد قرآن کا چومنا شرک ہے، حرام ہے۔ اسی طرح ضریح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام ائمہ علیھم السلام کی ضریحوں کا بوسہ دینا نہ شرک ہے نہ بت پرستی۔

مصنف کہتا ہے کہ لیلی ومجنوں کی تاریخ حیات میں ملتا ہے کہ ایک کتا لیلی کے محلہ سے ہوتا ہوا مجنوں کے محلہ تک پہنچ گیا مجنوں نے جب اسے دیکھا تو اسے اپنے پاس بلایا اور اسے لپٹا کر بوسہ دینے لگا ایک آدمی نے اس سے کہا۔

"لیس علی المجنوں حرج"

"مجنوں کے لئے یہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔"

یعنی تم دیوانہ ہو اس لئے کتے کا بوسہ دیتے ہوئے میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔

مجنوں نے جواب میں کہا

"لیس علی الاعمی حرج"

''اندھے کے لئے کوئی بات نہیں ہے''

یعنی تم اندھے ہو اور تم ہمارے اس بوسہ لینے کو درک نہیں کر سکتے ہو۔

یہ رباعی بھی مجنوں کے لئے منسوب ہے۔

امر علی الدیار لیلی

قبل ذاالجدار ذاالجدار

وما حب الدیار شغفن قلبی

ولکن حب من سکن الدیار

''میں لیلی کے گھر کی طرف سے گزرتا ہوں تو اس کے درودیوار کو چومتا ہوں اس گھر کی محبت نے مجھے پاگل نہیں کیا بلکہ اس کی محبت نے مجھے دیوانہ بنا دیا جو اس گھر میں رہتا ہے۔ (کشکول شیخ بہائی، ج ۱ ص ۱۹)

علی بن میثم کے چند دلچسپ مناظرے

تاریخ شیعہ کے ایک برجستہ اور زبردست متکلم جناب میثم تمار کے پوتے جن کا نام علی ابن اسمعیل بن شعیب بن میثم تھا لیکن انہیں لوگ علی بن میثم کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ امام رضا علیہ السلام کے صحابیوں میں سے تھے اور اپنے مخالف سے بحث و مناظرہ کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

یہاں پر ہم نمونے کے طور پر ان کے چند مناظرے تحریر کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ایک مسیحی سے علی بن میثم کا مناظرہ

ایک روز آپ نے ایک مسیحی سے اس طرح مناظرہ کیا۔

علی بن میثم: ''صلیب کی شکل تم لوگوں نے اپنی گردن میں کیوں لٹکا رکھا ہے۔''

مسیحی: ''کیوں کہ یہ شکل اس چیز سے شباہت رکھتی ہے جس میں حضرت عیسیٰ کو لٹکا کر پھانسی دی گئی تھی۔''

علی بن میثم: کیا ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اس طرح کی چیز کا اپنی گردن میں لٹکانا پسند کریں گے؟''

مسیحی: ''ہرگز نہیں۔''

علی بن میثم: ''کیوں۔''

مسیحی: کیوں ''کہ وہ جس چیز پر قتل کئے گئے ہیں اس کو ہرگز پسند نہیں کریں گے۔''

علی بن میثم: ''مجھے یہ بتاؤ کہ کیا جناب عیسیٰ علیہ السلام اپنے کاموں کے لئے گدھے پر سوار ہوتے تھے۔''

مسیحی: ''ہاں۔''

علی بن میثم: ''کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس چیز کو پسند کرتے کہ وہ گدھا باقی رہے اور ان کی ضرورت کے وقت انہیں ان کی منزل مقصود تک لے جائے؟''

مسیحی: ''ہاں''

علی بن میثم: ''تم نے اس چیز کو ترک کر دیا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ باقی رہے اور جس چیز کو وہ پسند نہیں کرتے تھے تم لوگوں نے اسے باقی رکھا ہے اور اسے اپنی گردن میں لٹکا رکھا ہے جب کہ تمہاری فکر اور اندازہ کے مطابق تو تمہارے لئے بہتر یہ تھا کہ گدھے کی شکل کی کوئی چیز گردن میں لٹکاتے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے باقی رکھنا چاہتے تھے تم صلیب کو دور پھینکو ورنہ اس سے تمہاری جہل و نادانی ثابت ہوگی۔ (الفصول المختار سید مرتضیٰ، ج ۱، ص ۳۱)

علی بن میثم کا ایک منکر خدا سے زبردست مناظرہ

ایک روز علی بن اسمٰعیل (حسن بن سہل) وزیر مامون کے پاس گئے تو دیکھا ایک

ہوا و ہوس پرست منکر خدا لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے اور وزیر مامون اس کا بہت احترام کر رہا ہے اور دیگر تمام بڑے بڑے اور عظیم دانشور حضرات اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ منکر خدا بڑی گستاخی کے ساتھ اپنے مسلک کی حقانیت کے بارے میں باتیں کر رہا ہے۔

علی بن میثم یہ دیکھ کر ٹھہر گئے اور اپنے مناظرہ کی شروعات کی۔

انھوں نے حسن بن سہل سے اس طرح کہا۔ ''اے وزیر آج میں نے تمہارے گھر کے باہر ایک بہت ہی عجیب چیز دیکھی ہے؟

وزیر: ''کیا دیکھا؟''

علی بن میثم: ''دیکھا کہ ایک کشتی بغیر کسی ناخدا کے ادھر سے ادھر چل رہی ہے۔'' اسی وقت وہ منکر خدا جو وہاں بیٹھا ہوا تھا اس نے وزیر سے کہا۔ ''یہ (علی بن میثم) دیوانہ ہے کیونکہ یہ عجیب الٹی سیدھی بات کرتا ہے۔''

علی بن میثم: ''نہیں صحیح بات کر رہا ہوں میں دیوانہ کیوں ہونے لگا؟''

منکر خدا: ''لکڑی کی کشتی جو جمادات سے بنائی گئی اور بغیر عقل و جان کے ہے وہ بغیر ناخدا کے کیسے ادھر سے ادھر جائیگی؟''

علی بن میثم: میری یہ بات تعجب آور ہے یا تمہاری کہ عالم ہستی جو عقل و جان رکھتی ہے۔ یہ مختلف گھاس جو زمین سے اگتی ہے یہ باران رحمت جو زمین پر نازل ہوتی ہے تیری فکر میں بغیر کسی خالق و مدبر کے ہے، جب کہ تو ایک چھوٹی سی چیز کے لئے کہتا ہے کہ بغیر کسی ناخدا اور راہنما کے ادھر سے ادھر حرکت نہیں کر سکتی؟

یہ منکر خدا علی بن میثم کا جواب دینے سے بے بس ہو گیا اور اس چیز کو اس نے درک کر لیا کہ یہ کشتی والی مثال مجھے شکست دینے کے لئے دی گئی ہے۔ (وہی مصدر ص ۴۴)

ابوالھذیل سے علی بن میثم کا مناظرہ

ایک روز علی بن میثم نے ابوالھذیل سے پوچھا۔ ''کیا یہ صحیح ہے کہ ابلیس نوع انسان کو ہر

نیکی سے روکتا ہے اور ہر بدی کرنے کا حکم دیتا ہے؟"

ابوالھذیل: "ہاں یہ صحیح ہے۔"

علی بن میثم: "آیا یہ مناسب ہے کہ ابلیس نیکی کرنا جانتا ہو اور اس سے لوگوں کو روکتا ہو یا بدی کو نہ جانتا ہو اور اس سے روتا ہو؟"

ابوالھذیل: "نہیں بلکہ وہ جانتا ہے۔"

علی بن میثم: "یعنی یہ ثابت ہے کہ ابلیس ہر نیکی اور ہر بدی کو جانتا ہے۔"

ابوالھذیل: "ہاں"

علی بن میثم: مجھے یہ بتاؤ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمہارا امام کون تھا؟ کیا وہ تمام نیکی اور بدی کو جانتا تھا یا نہیں؟

ابوالھذیل: "نہیں، تمام نیکی اور بدی کو نہیں جانتا تھا۔"

علی بن میثم: بس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابلیس تمہارے امام سے زیادہ عقل مند ہے۔"

ابوالھذیل اس بات کا جواب دینے سے قاصر رہا اور وہ بری طرح پھنس گیا۔(الفصول المختار سید مرتضیٰ، ج۱ص۵۔ بحار ج۱۰ ص۳۷۰)

ایک روز ابوالھذیل نے علی بن میثم سے پوچھا کہ علی علیہ السلام کی امامت اور بعد از رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر سے افضل ہونے کی کیا دلیل ہے؟

علی بن میثم: "رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد تمام مسلمانوں کی یہ متفقہ رائے تھی کہ علی علیہ السلام مومن اور عالم کامل ہیں جبکہ اس وقت حضرت ابوبکر کے سلسلہ میں اس طرح کا اجماع نہیں تھا۔"

ابوالھذیل: "استغفر اللہ خدا معاف کرے کس شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر کے علم وایمان پر اجماع نہیں کیا تھا؟"

علی بن میثم: "میں اور مجھ سے پہلے والے اور حالیہ زمانے میں میرے ساتھی۔"

ابوالھذیل: "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اور تمہارے ہمنوا گمراہی میں زندگی گزار رہے ہیں۔"

علی بن میثم: "اس طرح کا جواب گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے کے علاوہ کچھ نہیں (یعنی تو منطقی جواب نہ دے کر برا بھلا کہہ رہا ہے اور مجھے گمراہ جانتا ہے) تیرا بھی جواب گالی گلوچ ہی ہے (اینٹ کا جواب پتھر ہی ہے۔)

حضرت علیؑ کی برتری کا اعلان

عمر بن عبدالعزیز (اموی دور کا آٹھواں خلیفہ) کے دور خلافت میں ایک سنی نے اس طرح قسم کھائی۔

" ان علینا " خیر هذه الا مته والاامراتی طالق ثلاثا."

"یقیناً علی علیہ اسلام اس امت کے بہترین فرد ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو میری بیوی کو تین طلاق ہو"۔ وہ شخص اس بات کا معتقد تھا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بہترین شخص علی بن ابی طالب علیہما اسلام ہیں بس اس وجہ سے اس کی طلاق باطل ہو جاتی ہے۔

ہاں اہل بیت حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر ایک نشست میں تین مرتبہ طلاق طلاق کہہ دیا جائے تو طلاق صحیح ہے اس شخص کی بیوی کا باپ اس طلاق کو صحیح جانتا تھا کیونکہ اس کے عقیدہ کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت کے بعد علی علیہ السلام تمام مسلمانوں سے افضل و برتر نہیں تھے۔

اس عورت کے شوہر اور اس کے باپ میں بحث ہوگئی۔

شوہر کہتا تھا: "یہ عورت میری بیوی ہے، اور طلاق باطل ہے کیونکہ شرط طلاق علی علیہ السلام کا تمام امت میں برتر نہ ہونا ہے جب کہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ علی علیہ السلام تمام لوگوں سے افضل و برتر ہیں تو طلاق کہاں واقع ہوئی؟"

باپ کہتا تھا: "طلاق واقع ہوئی کیونکہ علی علیہ السلام تمام لوگوں سے افضل و برتر نہیں ہیں نتیجہ میں یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہے۔"

یہ بحث آگے بڑھ گئی اور کچھ لوگ باپ کے طرفدار ہو گئے اور کچھ شوہر کے اور یہ مسئلہ

ڈرانے دھمکانے تک آ گیا۔

میمون بن مہران نے اس واقعہ کو عمر بن عبدالعزیز کے پاس لکھ بھیجا تا کہ وہ اسے حل کرے۔

عمر بن عبدالعزیز نے ایک نشست بلوائی جس میں بنی ہاشم، بنی امیہ اور قریش کے چند بزرگوں کو شرکت کی دعوت دی اور ان سے کہا کہ اس مسئلے کا حل تلاش کریں۔

اس میٹنگ میں بات چیت تو بہت زیادہ ہوئی۔ بنی امیہ اس کا جواب دینے سے بے بس تھے اس لئے انہوں نے سکونت اختیار کیا۔

آخر میں بنی ہاشم کے ایک شخص نے کہا:

''طلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ علی علیہ السلام تمام امت میں ب سے افضل و برتر ہیں۔ اور طلاق کی شرط عدم برتری ہے لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی۔''

اس شخص نے اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے عمر بن عبدالعزیز سے کہا۔ تجھ پر خدا کی قسم ہے کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بیمار پڑنے پر ان کی عیادت کے لئے گئے تھے اور اس وقت آپ علی علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں۔

آپ نے فرمایا۔ ''بیٹی کیا کھانا چاہتی ہو؟''

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے عرض کیا۔

''بابا انگور کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔''

حالانکہ یہ انگور کا موسم نہیں تھا اور حضرت علی علیہ السلام بھی سفر پر تھے مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دعا کی۔

''اللهم آتنابه مع افضل امتى عندك منزلة''

''خدا انگور کو میرے پاس اس کے ذریعے پہنچا جو تیرے نزدیک منزلت میں سب سے زیادہ ہو۔''

ناگاہ علی علیہ السلام نے دق الباب کیا اور ایک ٹوکری جوان کے ہاتھ میں تھی اس پر عبا کا دامن پڑا ہوا تھا لے کر گھر میں داخل ہوئے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''علی یہ کیا ہے؟''

علی علیہ السلام نے کہا۔ "یہ انگور ہے جس کی فاطمہ زہرا نے خواہش کی ہے۔"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ اکبر خدایا تو نے جس طرح علی کو اس امت کا بہترین شخص قرار دے کر مجھے خوش کیا اسی طرح اس انگور کو میری فاطمہؑ کے لیے شفا قرار دینا۔"

اس کے بعد آپ نے انگور کو فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس رکھ کر فرمایا۔ "بیٹی اسے بسم اللہ کہہ کر کھاؤ۔"

ابھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر سے باہر نہیں نکلے تھے کہ آپ صحت یاب ہو گئیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے مرد بنی ہاشم سے کہا۔ "سچ کہا اور اچھی طرح بیان کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس حدیث کو میں نے سنا ہے اور کئی جگہ دیکھا ہے اور قبول کیا ہے۔"

اس کے بعد عبدالعزیز نے اس عورت کے شوہر سے کہا۔ "عورت کا ہاتھ پکڑ اور اپنے گھر لے جا وہ تیری بیوی ہے اگر اس کا باپ روکے تو مار مار کر اس کا چہرہ بگاڑ دے۔" (۲)

اس طرح اس اہم جلسے میں عمر بن عبدالعزیز (اموی دور کے آٹھویں خلیفہ) نے قانونی طور پر تمام امت پر امام علیہ السلام کی برتری کا اعلان کر ہی دیا جس کی وجہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ عورت اس اہل سنت شخص کی زوجیت میں باقی ہے۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، احقاق الحق سے نقل کے مطابق، ج ۴، ص ۲۹۲ ذرع لیکر ۲۹۵ تک

شیخ بہائی کا ایک عجیب مناظرہ

دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے عالم تشیع کے ایک بہت جلیل القدر عالم دین محمد بن حسین بن عبدالصمد گزرے ہیں جنھیں لوگ "شیخ بہائی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شیخ بہائی نے ۱۰۳۱ھ قمری میں اس دنیا کو خیر آباد کہا۔ آپ کی قبر امام رضا علیہ السلام کے مرقد مقدس کے جوار میں واقع ہے۔

ایک سفر کے دوران ان کی ملاقات ایک شافعی مذہب عالم دین سے ہوئی تو انہوں نے اس کے سامنے اپنے آپ کو شافعی ظاہر کیا۔ جب اس شافعی کو یہ معلوم ہوا کہ شیخ بہائی شافی مسلک ہیں اور مرکز تشیع (ایران) سے آئے ہیں تو اس نے شیخ بہائی سے کہا۔

''یہ شیعہ حضرات اپنی باتوں سے اثبات کے لئے کوئی دلیل وشاہد بھی رکھتے ہیں؟''

شیخ بہائی نے کہا۔ ''میرا کبھی کبھی ان سے سامنا ہوا ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ وہ اپنے مطلب ومقصد کے ثبوت میں بہت ہی محکم دلائل رکھتے ہیں۔''

شافعی عالم نے کہا۔ ''اگر ممکن ہو تو ان میں کوئی دلیل نقل کرو۔''

شیخ بہائی نے کہا۔ ''مثلاً وہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔''(۱)

اور اس کے چار ہی ورق کے بعد یہ لکھا ہے۔

''وخرجت فاطمه من الدنيا وہی غاضبة علیهما''(۲)

''فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اس دنیا سے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر سے ناراض ہو کر رخصت ہوئیں'' دونوں راویتوں کو جمع کرنے کے بعد اہل سنت کے مطابق ان کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔؟

شافعی مذہب فکر میں ڈوب گیا (ان دو روایتوں پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں عادل نہیں تھے اور رہبری کی لیاقت نہیں رکھتے تھے) اور تھوڑے تامل کے بعد اس نے کہا۔ ''کبھی کبھی شیعہ جھوٹ بھی بول لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ بھی جھوٹ ہو مجھے کچھ وقت دو تا کہ میں صحیح

(۱) صحیح بخاری طبع ''دار الجیل بیروت ج ۷ ص ۴۷ (۲) وہی مصدر ج ۹ ص ۱۸۵۔ اور دوسرے مصادر' کتاب ''فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ'' ج ۳ ص ۱۹۰ میں دیکھئے

بخاری کا مطالعہ کروں اور اس روایت کے صدق وکذب کا پتہ لگاؤں اور سچ ہونے کی صورت میں اس کا جواب بھی معلوم کرلوں۔"

شیخ بہائی کہتے ہیں۔

"دوسرے دن جب میں نے ان (شافعی) کو دیکھا تو میں نے اس سے کہا۔" تمہاری تحقیق کہاں تک پہنچی؟"

اس نے کہا۔

"وہی ہوا جو میں کہتا تھا کہ شیعہ جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ میں نے ان دونوں روایتوں کو صحیح بخاری میں دیکھا لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان چار ورق کا فاصلہ ہے لیکن میں نے جب گنا تو پانچ ورق کا فاصلہ پایا۔"

کتنا بہترین جواب ہے؟ کتنی بڑی حماقت ہے۔

صحیح بخاری میں ان دونوں روایتوں کا موجود ہونا مقصود ہے خواہ وہ پانچ ورق کے فاصلے پر ہوں یا پچاس ورق کے فاصلے پر؟۔(روضات الجنات، شرح حال شیخ بہاء الدین عاملی)

علامہ حلی کا سید موصلی سے مناظرہ

آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں شاہ خدا بندہ ایلخیان کا گیارہواں بادشاہ سنی المذہب تھا مگر ۷۰۹ ہجری میں علامہ حلی (شیعوں کے بزرگ مرجع متوفی ۷۲۶ھ) کے زبردست مناظروں کی وجہ سے وہ شیعہ ہوگیا تھا۔ اس نے مذہب جعفری کا قانونی طور پر اعلان کردیا اور پورے ایران میں اسی وجہ سے شیعہ مذہب رائج ہوا تھا۔

ایک دن اس کے پاس اہل تسنن کے بڑے بڑے علماء بیٹھے ہوئے تھے علامہ حلی بھی شاہ کی دعوت پر وہاں موجود تھے اس بزم میں شیعہ اور سنی کے درمیان مختلف مناظرے ہوئے ان میں ایک مناظرہ یہ بھی تھا۔

اہل سنت کے ایک عظیم عالم سید موصلی نے علامہ حلی سے کہا۔" پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دوسروں لوگوں (یعنی آئمہ علیہم السلام) پر صلوات بھیجنے کا کیا جواز ہے؟؟"

علامہ نے یہ آیت پڑھ دی۔

"وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله و انا الیه راجعون الیك علیهم صلوات من ربهم رحمة"

ان صابروں کو بشارت دو جن کے اوپر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم خدا کے لئے ہیں اور سی کی طرف واپس پلٹ کے جائیں گے ان لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے صلوات ورحمت ہے۔" (بقرہ ۱۵۵ سے ۱۵۷)

سید موصلی نے بڑی بے اعتنائی سے کہا۔ "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ (آئمہ علیہم السلام) اورکس پر ایسی مصیبت نازل ہوئی کہ وہ صلوات کے مستحق ہو جائیں؟"

علامہ حلی نے فوراً کہا۔ "سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے ان کی (وہ سید تھا لہذا آئمہ کی نسل میں تھا) نسل میں ایک تیرے جیسا آدمی بھی ہے جو منافقوں کو آل رسول پر ترجیح دیتا ہے"

علامہ کی اس حاضر جوابی پر سارا مجمع ہنس پڑا(۱)

---

(۱) بهجة الامال ج ۳ ص ۲۲۳ شروح من لا یحضره الفقیه سے نقل، مزید وضاحت کے لئے مناظرہ ۷۰ سے رجوع کریں۔

ایک شیعہ عالم کا امر بالمعروف کے مسئول سے مناظرہ

ایک شیعہ عالم دین سعودی حکومت کے مرکز امر بالمعروف اور نہی از منکر میں پہنچ گئے یہاں انھوں نے اس کے سرپرست سے کچھ گفتگو کی جو ایک مناظرہ کی شکل اختیار کر گئی۔ ہم اسے یہاں نقل کر رہے ہیں۔

سرپرست: "رسول اکرم دنیا سے چلے گئے اور جو مر جاتا ہے وہ کسی کو نقصان یا فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو پھر تم لوگ قبر رسول سے کیا چاہتے ہو؟"

شیعہ عالم دین: "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ اس دنیا کو چھوڑ چکے ہیں مگر در حقیقت وہ زندہ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم

یرزقون"

"اور اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والوں کو تم ہرگز مردہ نہ سمجھنا وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی طرف سے رزق پاتے ہیں۔" (آل عمران۔۱۶۳)

اسی طرح بہت سی روایتیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندگی میں احترام کرنا واجب تھا اسی طرح مرنے کے بعد بھی ان کا احترام کرنا چاہیے۔

سرپرست: "اس آیت میں جو زندگی مراد لی گئی ہے کیا وہ ہماری اس زندگی سے مختلف ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور زندگی ہے؟"

شیعہ عالم: "اس میں کیا مضائقہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت کے بعد ایک دوسری زندگی کے مالک ہوں اور ہماری باتیں سنیں اور اسی عالم میں خدا کے حکم سے ہم پر لطف کریں ہماری مشکلات حل کریں؟ میں تمہیں سے پوچھتا ہوں" جب تمہارا باپ مرجاتا ہے تو کیا تم اس کی قبر پر نہیں جاتے اور اس کے لئے خدا سے مغفرت کی دعا نہیں کرتے؟"

سرپرست: "کیوں نہیں ہم جاتے ہیں۔"

شیعہ عالم: "میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا کہ اس طرح ان کی زیارت سے مشرف ہو جاتا لہذا آب ان کی قبر کی زیارت کے لئے آیا ہوں۔"

اس سے واضح عبارت میں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کی وجہ سے قبر کے اطراف کا حصہ یقیناً مبارک ہو گیا ہے اگر ہم اس قبر مقدس کی خاک کا بوسہ لیتے ہیں یا اسے تبرک سمجھتے ہیں تو یہ بالکل اس کے مانند ہے کہ جیسے ایک شاگرد یا بیٹا اپنے استاد یا باپ کی محبت کی وجہ سے اس کے پیر کی خاک اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتا ہے۔

مولف کا قول ہے: مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب امام خمینی کو ملک بدر کیا گیا تھا تو اس وقت میرے ایک نہایت بزرگ استاد نے کہا تھا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اپنے عمامہ کے تحت الحنک کو امام خمینی کے نعلین سے مس کروں اور اس خاک آلود تحت الحنک کے ساتھ نماز پڑھوں۔"

اس طرح کی باتیں دراصل شدید محبت اور تعلق کی غمازی کرتی ہیں ان میں کسی طرح کے کسی شرک کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا قرآن کریم نے اولیاء خدا سے توسل کرنا جائز قرار دیتے ہوئے اسے بخشش و مغفرت کا ذریعہ قرار دیا ہے جیسا کہ سورہ نساء کی ۶۴ ویں آیت میں ہم پڑھتے ہیں۔

"ولوانهم ازظلمو اانفسم جائوك فاستغفروا......."

"اور جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا تو اگر تمہارے پاس آ کر اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتا تو وہ اللہ کو تواب ورحیم پاتے۔"

علامہ امینی کا قانع کنندہ جواب

علامہ امینی شیعوں کے عظیم عالم دین مولف کتاب "الغدیر" نے اپنے ایک سفر کے دوران ایک جلسے میں شرکت کی تو وہاں ایک سنی عالم دین نے آپ سے کہا۔"تم شیعہ حضرت علی علیہ السلام کے سلسلہ میں غلو کرتے ہو اور انہیں حد سے زیادہ بڑھاتے ہو مثلاً انہیں ید اللہ' عین اللہ جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ صحابہ کی اس حد تک توصیف کرنا غلط ہے"

علامہ امینی نے برجستہ جواب دیا۔"اگر حضرت عمر بن خطاب نے علی علیہ السلام کو ان القاب سے یاد کیا ہو تو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس نے کہا۔"حضرت عمر کی بات ہمارے لئے حجت ہے۔"

علامہ امینی نے اس بزم میں اہل سنت کی ایک کتاب منگوائی وہ کتاب لائی گئی۔ علامہ نے چند ورق پلٹنے کے بعد اس صفحے کو کھول دیا جہاں یہ عبارت نقل ہوئی تھی۔

"ایک شخص خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا اسی وقت اس نے ایک نامحرم پر غلط نظر ڈال دی تو امام علیہ السلام نے وہیں اس کے چہرے پر ایک طمانچہ مارا وہ اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے عمر بن خطاب کے پاس شکایت کرنے آیا اور پورا واقعہ بیان کیا۔

عمر نے اس کے جواب میں کہا۔"بیشک خدا کی آنکھ نے دیکھا اور خدا کے ہاتھ نے مارا۔"

سوال کرنے والے نے جب اس حدیث کو دیکھا تو قانع ہو گیا۔ اس طرح کی تعبیریں اور القاب دراصل احترام اور تعظیم کی خاطر ہوا کرتے ہیں مثلاً "روح اللہ" جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اللہ کی روح بھی ہوتی ہے بلکہ یہ ان کی عظمت و بلندی کے بیان کرنے کے لئے کہا جاتا ہے

کیا پتھر اور مٹی پر سجدہ کرنا شرک ہے؟

ایک مرجع تقلید کہتے ہیں کہ میں ایک روز مسجد نبویؐ میں نماز صبح انجام دینے کے بعد روضہ مقدس میں بیٹھا ہوا تھا اور قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھا۔ اسی دوران میں نے دیکھا کہ ایک شیعہ آیا اور روضہ کے بائیں طرف کھڑا ہو کر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گیا' اس کے قریب ہی دو آدمی مصری روضے کے ستون سے ٹیک لگائے کھڑے تھے' جب انہوں نے اس شیعہ کو نماز کے دوران اپنی جیب سے سجدہ گاہ نکالتے دیکھا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ "اس عجمی کو دیکھو یہ پتھر پر سجدہ کرنا چاہتا ہے۔"

شیعہ مرد رکوع میں گیا اور رکوع کے بعد سجدہ کرنے کے لئے ایک پتھر پر اپنی پیشانی رکھ دی یہ منظر دیکھ کر ان میں سے ایک دوڑتا ہوا اس کی طرف جانے لگا لیکن قبل اس کے وہ وہاں تک پہنچ پاتا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "تم کیوں ایک مسلمان کی نماز باطل کرنا چاہ رہے ہو جو اس مقدس جگہ پر نماز ادا کر رہا ہے"

اس نے کہا۔ "وہ پتھر پر سجدہ کرنا چاہ رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "پتھر پر سجدہ کرنے میں کیا اشکال ہے میں بھی پتھر پر سجدہ کرتا ہوں۔"

اس نے کہا۔ "کیوں اور کس لئے۔"

میں نے کہا۔ "وہ شیعہ ہے اور مذہب جعفری کا پیرو ہے میں بھی مذہب جعفری کا معتقد ہوں کیا جعفر بن محمد امام صادق علیہ السلام کو پہچانتے ہو؟"

اس نے کہا: "ہاں"

میں نے کہا۔ "کیا وہ اہل بیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہیں؟"

اس نے کہا "ہاں"

میں نے کہا۔ "وہ ہمارے مذہب کے پیشوا ہیں

وہ کہتے ہیں کہ فرش اور ٹاٹ پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ایسی چیز پر سجدہ کرنا چاہیے جو زمین کے اجزاء میں سے ہو۔"

اس سنی شخص نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ ''دین ایک ہے نماز بھی ایک ہے۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں دین ایک ہے نماز ایک ہے تو اہل سنت بھی نماز کے وقت مختلف طریقوں سے کیوں نماز ادا کرتے ہیں''

تمہارے مذہب میں کچھ لوگ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں اور کچھ ہاتھ باندھ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ دین ایک ہے اور رسول خدا نے ایک ہی طریقے سے نماز ادا کی تھی پھر یہ اختلاف کیوں؟ تم کہو گے کہ کہ ابو حنیفہ یا شافعی یا مالک یا احمد بن حنبل نے اس طرح اس طرح کہا ہے (ہاتھ کے اشارے سے بتایا)

اس نے کہا۔ ''ہاں ان لوگوں نے اسی طرح کہا ہے۔''

میں نے کہا۔ امام صادق علیہ السلام ہمارے مذہب کے پیشوا ہیں جن کے لئے تم نے اعتراف کیا ہے کہ وہ خاندان رسالت سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اسی طرح نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

اس بات پر بھی توجہ رہے کہ ''اھل بیت ادری بما فی البیت'' گھر والے گھر کی باتیں دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں۔ ''لہذا رسول خدا کے اہلبیت' احکام الٰہی سے دوسروں کے مقابل زیادہ آگاہ ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا علم بہر حال ابو حنیفہ سے کئی گنا زیادہ ہے ان کا قول ہے کہ ''زمین کے اجزاء پر سجدہ کرنا چاہیے مگر اون اور روئی پر سجدہ کرنا درست نہیں ہے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اختلاف کی نوعیت بالکل وہی ہے جو خود تمہارے مذہب میں پائے جانے والے مختلف مسالک میں ہاتھ باندھنے اور کھولنے کے سلسلے میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف فروع دین کا اختلاف ہے نہ کہ اصول دین کا اور فروع دین کا اختلاف کسی بھی طرح سے شرک سے تعلق نہیں رکھتا۔

جب میری بات یہاں تک پہنچ گئی تو وہاں بیٹھے ہوئے تمام اہل سنت حضرات نے میری بات کی تصدیق کی اور تب میں نے غصے میں اس سے (جو شیعہ کی سجدہ گاہ چھیننے کے لئے دوڑا تھا) کہا۔

کیا تجھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرم نہیں آتی کہ ایک شخص ان کی قبر کے سامنے نماز پڑھتا ہے اور تو اس کی نماز باطل کر رہا ہے جبکہ وہ خود اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے اور یہ شخص اس مذہب سے تعلق رکھتا ہے جو مذہب یہ صاحب قبر لے کر آیا ہے؟

''الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطھر ھم تطھیرا''

تمام کے تمام حاضرین نے اس کی لعنت و ملامت کی اور اس سے کہا۔ ''جب وہ اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے تو اس سے کیوں لڑائی جھگڑا کرتا ہے'' اور اس کے بعد سب لوگوں نے مجھ سے معافی مانگی۔(۱)

مختصر شرح

واقعی وہابیوں اور سنیوں کے علماء کا کام کتنا حیرت انگیز ہے کہ وہ عوام کو فریب دیتے ہیں اور انہیں یہ بات ذہن نشین کراتے ہیں کہ خاک شفا' پتھر یا لکڑی پر سجدہ کرنا حرام اور شرک ہے۔ میں ان سے پوچھتا ہوں سجدہ خاک شفا' لکڑی پتھر یا فرش اور ٹاٹ پر کرنے میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟ تم ٹاٹ پر کرتے اور چٹائی پر سجدہ کرتے ہو اسے شرک نہیں قرار دیتے ہو لیکن شیعہ حضرات اگر پتھر اور خاک شفا پر سجدہ کریں تو یہ شرک ہے؟

کیا جو شخص فرش اور چٹائی پر سجدہ کرتا ہے تو گویا اس کی عبادت کرتا ہے؟ تم لوگ جو شیعہ حضرات کی شرک کی نسبت دیتے ہو کیا انہیں سجدہ کرتے وقت نہیں دیکھتے کہ سجدہ میں وہ تین بار سبحان اللہ کہتے ہیں یا ایک بار سبحان ربی الاعلی (پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات) اور اس کی حمد و ستائش پر غور نہیں کرتے؟ تم لوگوں کی زبان بھی عربی ہے۔ تمہیں عربی الفاظ سے زیادہ واقف ہونا چاہیے۔ تمہیں یہ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ جس پر سجدہ کیا جاتا ہے اور جس کے لئے سجدہ کیا جاتا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

اگر ہم کسی چیز پر سجدہ کرتے ہیں تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ہم اس کی عبادت کرنے لگے ہیں بلکہ سجدہ کی حالت میں ہم نہایت ہی خضوع اور خشوع کے ساتھ اپنے خداوند متعال کے سامنے سر نیاز خم کرتے ہیں۔ لیا تم نے یہ دیکھا ہے کہ بت پرست اپنے سر کے نیچے بتوں کو رکھ کر ان کا سجدہ کرتے ہیں؟ نہیں بلکہ وہ اپنے بتوں کو اپنے سامنے کھڑا کرتے ہیں اور اس کے بعد ان کے سامنے اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں' نہ کہ ان چیزوں کی جس پر وہ اپنی پیشانیوں کو رکھا کرتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ پتھر پر سجدہ یا فرش پر سجدہ کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہے کہ ہم ان کا سجدہ کرتے ہیں بلکہ یہ تمام سجدے صرف خداوند متعال کے لیے ہوتے ہیں ۔ہاں فرق یہ ہے کہ ہمارے مذہب کے پیشوا اور رہبر امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ اجزا زمین

(پتھر یا ایسی سجدہ گاہ جو مٹی یا پتھر سے بنی ہو) پر سجدہ کرو لیکن اہلسنت کے مذہب کے رہبر (مثلاً ابوحنفیہ۔امام شافعی وغیرہ) کہتے ہیں۔ کہ اگر فرش پر نماز پڑھ رہے ہو تو اسی پر سجدہ کرو۔

یہاں پر اہلسنت حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ تم لوگ فرش پر سجدہ کیوں نہیں کرتے بلکہ خاک یا خاک کی انواع میں سے کسی ایک پر سجدہ کرتے ہو؟

اس کا یہی جواب ہے۔ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وال وسلم فرش پر سجدہ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ریت اور خاک پر سجدہ کیا کرتے تھے (۱) ہاں بعض روایتوں کے مطابق شدید گرمی کی وجہ سے لباس پر سجدہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

جیسا کہ انس بن مالک سے ایک روایت نقل ہوئی ہے۔

"کنا نصل مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ کنا نصل مع النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فیضع احد ناطرف الثوب من شدة الحرفی مکان السجود"

"ہم لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو بعض لوگ شدید گرمی کی وجہ سے سجدہ کے وقت مقام سجدہ پر اپنے دامن رکھ دیا کرتے تھے۔ (وہی مصدر)

اس روایت سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ضرورت کے وقت فرش پر سجدہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن یہ کہ آیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی وقت ضرورت گرمی کی شدت کی وجہ سے فرش پر سجدہ کیا تھا یا نہیں؟ اس طرح کی کوئی روایت اس موضوع پر آپ کے سلسلے میں نہیں پائی جاتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ زمین کے اجزاء پر سجدہ کرنا شرک ہے تو ہمیں یہ بھی کہنا چاہیے کہ خدا کے حکم سے فرشتوں کا سجدہ جو ان لوگوں نے آدمؑ کے سامنے کیا تھا وہ بھی شرک ہی تھا یا کعبہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنا بھی شرک ہے۔ بلکہ ان دونوں موارد پر تو شرک میں خاصی شدت پائی جاتی ہے کیونکہ فرشتوں نے تو جناب آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا تھا نہ کہ حضرت آدم پر اور اس طرح تمام مسلمان بھی کعبہ پر سجدہ نہیں کرتے بلکہ کعبہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔

اس کے باوجود کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ جناب آدم علیہ السلام کے سامنے یا کعبہ کی

(۱) مزید معلومات کے لئے کتاب "التاج الجامع" ج ۲ ص ۹۲ اور احادیث صحاح ستہ ج ا باب سجود سے رجوع کریں۔ ط

سمت سجدہ کرنا شرک ہے کیونکہ حقیقت سجدہ یعنی نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ خداوند متعال کے حکم کے سامنے سر نیاز خم کرنا ہے۔ اسی وجہ سے کعبہ کی سمت سجدہ کرنا خدا کے حکم سے خدا کا سجدہ کرنا ہے اور جناب آدم علیہ السلام کے سامنے بھی جناب آدم کا سجدہ اولاً تو حکم خدا تھا جس کی اطاعت کے لئے فرشتوں نے اپنی پیشانیاں خم کی تھیں دوسرے یہ کہ یہ سجدہ شکر الٰہی کے طور پر تھا اور اس بنیاد پر ہم سجدہ گاہ خاک شفا یا لکڑی پر سجدہ تو کرتے ہیں لیکن یہ سجدہ خدا کے حکم کی بجا آوری کے لئے ہے اور ہمارا یہ سجدہ اس چیز پر ہے جو زمین کے اجزاء میں سے ہے جیسا کہ ہمارے مذہب کے راہنما و پیشوا نے فرمایا ہے کہ خدا کے سجدہ کے وقت اپنی پیشانی کو زمین کے اجزاء میں سے کسی چیز پر ٹکاؤ۔

امر بالمعروف کے سرپرست سے ایک شیعہ مفکر کا مناظرہ

''ایک شیعہ عالم دین مدینہ میں امر بالمعروف کمیٹی کے رئیس کے پاس اپنے کسی کام سے گیا تو وہاں کمیٹی کے رئیس اور شیعہ عالم دین میں بعض شیعہ امور کے سلسلہ میں اس طرح بحث ہوئی۔

رئیس: ''تم لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب نماز زیارت کس لئے پڑھتے ہو جبکہ غیر خدا کے لئے نماز پڑھنا شرک ہے؟''

شیعہ مفکر: ''ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نماز نہیں پڑھتے بلکہ نماز خدا کے لئے پڑھتے ہیں اور اس کا ثواب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کے لئے ہدیہ کرتے ہیں''۔

رئیس: ''قبروں کے پاس نماز پڑھنا شرک ہے''

شیعہ مفکر: ''اگر قبروں کے پاس نماز پڑھنا شرک ہے تو کعبہ میں بھی نماز پڑھنا شرک ہے کیونکہ حجر اسمٰعیل علیہ السلام میں بھی قبر جناب ہاجرہ وقبر جناب اسمٰعیل اور بعض دوسرے پیغمبروں کی بھی قبریں پائی جاتی ہیں اور یہ بات اہل سنت اور اہل تشیع دونوں سے نقل ہے کہ بعض پیغمبروں کی قبریں وہاں پر موجود ہیں تمہارے کہنے کے مطابق حجر اسمٰعیل میں نماز پڑھنا شرک ہے جبکہ تمام مذہب کے علماء (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرہ) سب کے سب حجر اسمٰعیل میں نماز پڑھتے ہیں۔ لہذا

اس بنا پر قبروں کے قریب نماز پڑھنا شرک نہیں ہے۔"(۱)

اس کمیٹی کے ایک شخص نے کہا۔" پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔"

شیعہ مفکر:" یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سراسر تہمت لگائی گئی ہے اگر قبر کے پاس نماز پڑھنے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے تو لاکھوں اور کروڑوں زائر کیوں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور مسجد نبوی میں آپ کی قبر اور حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کی قبروں کے سامنے اس فعل کے مرتکب ہوتے ہیں؟

اس سلسلے میں چند روایتیں بھی نقل ہوئی ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے چند صحابیوں نے قبروں کے قریب نماز پڑھی ہے۔ منجملہ

صحیح بخاری (۲) میں نقل ہوا ہے کہ عید قربان کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بقیع میں نماز پڑھی اور اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

"آج کے دن کی خاص عبادت یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور اس کے بعد واپس ہوں اور قربانی کریں اور جس نے اس طرح کیا اس نے گویا میری سنت پر عمل کیا۔"

اس روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کے قریب نماز پڑھی ہے لیکن تم لوگوں کو قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے روکتے ہو اور کہتے ہو کہ اسلام میں یہ چیز جائز نہیں ہے اگر اسلام سے تمہارا مطلب شریعت محمدی ہے تو صاحب شریعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بقیع میں نماز پڑھی ہے۔ ہاں اس بات کی طرف توجہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ میں وارد ہوئے تھے تو اس وقت بقیع قبرستان تھا اور اب بھی ہے۔

اس بناء پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اور ان کی پیروی کرنے والوں کے نزدیک قبروں کے پاس نماز پڑھنا جائز ہے۔ لیکن تم لوگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کے خلاف قبروں کے نزدیک نماز پڑھنے سے منع کرتے ہو۔

---

(۱) مناظرات فی الحرمین الشریفین۔ سید علی بطحائی، مناظرہ پنجم

(۲) ج ۸، ص ۲۶ (طبع مطابع الشعب)

اس سلسلے میں ایک غم انگیز واقعہ

ڈاکٹر سید محمد تیجانی سماوی اہل سنت کے ایک ایسے مفکر ہیں جنہوں نے شیعیت اختیار کرلی وہ لکھتے ہیں۔

''میں بقیع زیارت کے لئے گیا ہوا تھا اور وہاں کھڑا ہو کر اہل بیت علیہم السلام پر درود پڑھ رہا تھا کہ دیکھا کہ ایک بوڑھا ضعیف اور ناتواں رو رہا ہے میں نے اس کے گریہ سے سمجھ لیا کہ وہ شیعہ ہے تھوڑی ہی دیر بعد یہ شخص قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھ رہا تھا کہ ناگہاں دیکھا ایک سعودی فوج کا آدمی اس کے پاس دوڑا ہوا آیا جس سے یہ پتہ چل رہا تھا کہ بہت ہی دیر سے وہ اس شیعہ کی ٹوہ میں لگا ہوا تھا آتے ہی اس نے اپنی اونچی ایڑی کے جوتے سے اسے اس طرح مارا کہ فوراً ہی وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور کچھ دیر کے لئے وہ بے ہوش ہو گیا اور اسی بے ہوشی کی حالت میں وہ فوج کا آدمی اسے کچھ دیر تک مارتا اور برا بھلا کہتا رہا۔

اس بوڑھے کو دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور خیال کیا کہ میرا دل مر چکا ہے لیکن یکایک میری غیرت جوش میں آئی اور میں نے اس فوجی سے کہا۔

''خدا خوش نہیں ہوگا اسے نماز پڑھنے کی حالت میں کیوں مار رہے ہو؟''

اس نے ترخ کر مجھ سے کہا۔ ''خاموش ہو جا ورنہ تیرا بھی یہی حشر ہوگا جو اس کا ہوا ہے۔''

میں نے اسی جگہ بعض زائرین کو دیکھا وہ کہہ رہے تھے۔ ''وہ جوتے ہی کا مستحق ہے کیونکہ اس نے قبر کے پاس نماز پڑھی ہے۔''

غصہ میں، میں نے کہا۔ ''قبر کے پاس نماز پڑھنا کس نے حرام قرار دیا ہے؟ اور طویل گفتگو کے بعد میں نے کہا۔

''اگر بالفرض قبر کے پاس نماز پڑھنا حرام ہی ہے تو نرمی سے منع کرنا چاہیے نہ کہ غصہ سے۔''

میں ایک بادیہ نشین کا واقعہ تمہارے لئے نقل کروں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ تھا ایک بے حیا اور بے شرم بادیہ نشین نے آکر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مسجد میں آ کر پیشاب کر دیا یہ دیکھ کر ایک صحابی اپنی شمشیر لے کر اسے قتل کرنے کے لئے بڑھے لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سختی سے روکا اور کہا۔" اسے اذیت نہ دو ایک بالٹی پانی لا کر اس کے پیشاب پر ڈال دو تاکہ مسجد پاک ہو جائے تم لوگ لوگوں کے امور کو آسان کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو نہ کہ اذیت دینے کے لئے (تم میں جاذبیت ہونی چاہیے نہ کہ نفرت)

اصحاب نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کیا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادیہ نشین کو بلایا اور اپنے قریب بٹھا کر بڑے ہی نرم لہجے میں اس سے کہا۔" یہ خدا کا گھر ہے اسے نجس نہیں کرنا چاہیے۔"

وہ بادیہ نشین اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

کیا واقعی حرمین کے خدام کا اسی طرح کا سلوک ہونا چاہیے جس طرح وہ ایک بوڑھے اور نابینا سے پیش آتے ہیں اور کیا اس طرح اپنے اخلاق کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق کہہ کر لوگوں کے لئے اپنے کو نمونہ قرار دیں گے؟ (ڈاکٹر تیجانی کی کتاب سے اقتباس)

مظلومیت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کیوں؟

امر بالمعروف کمیٹی کے ساتھ شیعہ علماء کے چند مناظرے بیان کئے جا چکے اور اب ہم چند دوسرے حصے بیان کر رہے ہیں توجہ فرمائیں۔

رئیس:" قبر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے پاس اذکار کے درمیان تم لوگ" السلام علیک ایتها المظلومة " کیوں کہتے ہو (اے مظلومہ تم پر سلام ہو) کس شخص نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پر ظلم کیا ہے؟

شیعہ مفکر:" فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں غم انگیز ستم کا واقعہ تمہاری کتابوں میں پایا جاتا ہے۔"

رئیس: کس کتاب میں؟"

شیعہ مفکر: ''کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' کے صفحہ نمبر ۱۳ پر جس کے مولف ابن کتبہ دینوی ہیں۔''

رئیس: ''ہمارے پاس اس طرح کی کوئی کتاب نہیں ہے۔''

شیعہ: ''میں اس کتاب کو دوکان سے خرید کر تمہارے لئے لاؤں گا۔''

رئیس نے میری اس پیش کش کو قبول کر لیا میں بازار جا کر کتاب ''الامامتہ والسیاستہ'' خرید لایا اور اس کے سامنے ج اول ص ۱۹ کھول کر رکھ دیا اور کہا اسے پڑھو۔ اس صفحہ پر اس طرح لکھا ہوا تھا۔''

''اس وقت حضرت ابو بکر ان لوگوں کی جستجو میں تھا جنہوں نے اس کی بیعت کرنے سے انکار کر کے علی علیہ السلام کے گھر میں پناہ لی تھی۔ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو ان لوگوں کے پاس بھیجا حضرت عمر، علی علیہ السلام کے گھر کے پاس آ کر بلند آواز سے علی علیہ السلام اور ان کے گھر میں جو بھی لوگ تھے انھیں بلایا اور کہا حضرت ابو بکر کی بیعت کے لئے گھر سے باہر نکل آؤ مگر وہ گھر سے باہر نہیں آئے تو حضرت عمر نے آگ لکڑی منگوائی اور کہا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں حضرت عمر کی جان ہے تم لوگ جلد سے جلد باہر آؤ ورنہ تم لوگوں کے ساتھ اس گھر کو آگ لگا دوں گا۔

حضرت عمر کے بعض ساتھیوں نے کہا اس گھر میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔

عمر نے کہا۔ ''ہوا کریں۔''

مجبور ہو کر حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ تمام لوگ گھر سے باہر نکل آئے۔

اسی صفحہ کے ذیل میں لکھا ہوا۔ ہے کہ مرتے وقت حضرت ابو بکر نے بستر علالت پر کہا۔

کاش علی علیہ السلام کے گھر پر حملہ نہ ہوا ہوتا اگرچہ انھوں نے ہم سے اعلان جنگ کیا تھا۔''

یہاں شیعہ نے وہابی رئیس سے کہا۔ ''حضرت ابو بکر کی بات پر خوب توجہ کرو مرتے وقت انھوں نے کس طرح تاسف اور پشیمانی کا اظہار کیا۔''

رئیس اس کتاب کے استدلال ۔ ے تلملا اٹھا اور کہنے لگا۔ ''اس کتاب کا مولف ابن قتیبہ شیعوں کی طرف مائل ہے۔''

شیعہ مفکر: ''اگر ابن قتیبہ مذہب تشیع کی طرف مائل ہے تو صحیح مسلم، بخاری کے مولفین کے

بارے میں کیا کہتے ہو جبکہ دونوں روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا مرتے وقت ابوبکر سے ناراض تھیں اور نفرت کرتی تھیں یہاں تک کہ دنیا کو خدا حافظ کہا۔"
(اس سلسلہ میں صحیح مسلم، ج ۵، ص ۱۵۳ طبع مصر۔ صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۷۷ طبع الشعب (باب غزوۃ خیبر) ملاحظہ فرمائیں)۔

خاک شفاء کی سجدہ گاہ پر سجدہ کرنے کے متعلق ایک مناظرہ

مصر کی "الازھر" یونیورسٹی کا فارغ التحصیل اہل سنت کا ایک عالم دین جن کا نام "شیخ محمد مرعی انطا کی" تھا اور یہ شام کے رہنے والے ہیں انھوں نے اپنی بہت ہی عظیم تحقیق کے بعد مذہب تشیع اختیار کرلیا۔ وہ اپنی کتاب "لماذا اخترت مذہب الشیعہ" میں اپنے مذہب شیعہ اختیار کرنے کے سلسلے میں تمام علل واسباب کے مدارک لکھتے ہیں۔"
یہاں پر اہل سنت سے ان کا ایک مناظرہ نقل کر رہے ہیں جو خاک شفا پر سجدہ کرنے کے سلسلے میں ہوا تھا ملاحظہ فرمائیں۔"
محمد مرعی اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے چند اہل سنت ان کے گھر پر ان کی زیارت کے لئے آئے جن میں ان کے کچھ جامعہ ازہر کے پرانے دوست بھی تھے۔ گھر پر گفتگو کے دوران بات چیت یہاں تک پہنچ گئی۔"
علماء اہل سنت: "تمام شیعہ حضرات خاک شفا پر سجدہ کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ مشرک ہیں۔ محمد مرعی: خاک شفا پر سجدہ کرنا شرک نہیں ہے کیونکہ شیعہ خاک شفا پر خدا کے لئے سجدہ کرتے ہیں نہ کہ مٹی کا سجدہ کرتے ہیں البتہ تمہاری فکر میں اگر اس میں کوئی چیز ہے اور شیعہ اس کا سجدہ کرتے ہیں تو وہ شرک ہے لیکن شیعہ اپنے معبود خدا کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ خدا کے سجدہ کے وقت اپنی پیشانی کو خاک پر رکھتے ہیں۔ اس سے واضح یہ کہ حقیقت سجدہ خدا کے سامنے خضوع کا آخری درجہ ہے نہ کہ خاک شفا کے سامنے خضوع خشوع ہے۔
ان میں سے ایک حمید نامی شخص نے کہا تمہیں اس چیز کی میں داد دیتا ہوں کہ تم نے بہت

ہی اچھا تجزیہ کیا لیکن ہمارے لئے ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ تم لوگ (شیعہ) کیوں اس چیز پر مصر ہو کہ خاک شفا پر ہی سجدہ کیا جائے اور جس طرح مٹی پر سجدہ کرتے ہو اسی طرح دوسری تمام چیزوں پر سجدہ کیوں نہیں کرتے؟

محمد مرعی: ''ہم لوگ اس بنیاد پر خاک پر سجدہ کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث جو تمام فرقوں میں پائی جاتی ہے فرمایا''

''جعلت لی الارض مسجد اوطھورا''

''زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک وپاکیزہ قرار دی گئی ہے۔''

حمید: ''کس طرح تمام مسلمان اس نظریہ پر اتفاق نہیں رکھتے ہیں؟''

محمد مرعی: جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اسی وقت آپ نے مسجد بنانے کا حکم دیا کیا اس وقت اس مسجد میں فرش تھا؟''

حمید: ''نہیں فرش نہیں تھا۔''

محمد مرعی: ''بس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس وقت کے تمام مسلمانوں نے کس چیز پر سجدہ کیا تھا؟''

حمید: ''مسلمانوں نے اس زمین پر سجدہ کیا تھا جس کا فرش خاک سے بنا ہوا تھا۔''

محمد مرعی: ''تمہارے اس اعتراض کی بنیاد پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام نمازوں کے سجدے زمین پر کئے ہیں اس طرح تمام مسلمانوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور ان کے بعد بھی زمین پر ہی سجدہ کیا بس انہیں وجوہ کی بنا پر خاک پر سجدہ کرنا صحیح ہے۔''

حمید: ''ہمارا اعتراض یہ ہے کہ شیعہ صرف خاک پر سجدہ کرتے ہیں اور خاک زمین سے لی گئی ہے اسے سجدہ گاہ بنا دیا اور جس پر وہ اپنی جبینوں کو رکھتے ہیں اور سجدہ کے وقت اسی کو دوسری زمین پر رکھتے ہیں اور اس پر سجدہ کرتے ہیں۔''

محمد مرعی: ''اولاً یہ کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق ہر طرح کی زمین پر سجدہ کرنا جائز ہے خواہ پتھر کا فرش ہو یا خاک کا فرش ہو۔ ثانیاً یہ کہ جہاں سجدہ کیا جائے وہ پاک ہو بس نجس زمین میں یا خاک پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اسی وجہ سے وہ مٹی کا ایک ٹکڑا جو سجدہ گاہ کی شکل کا بنایا جاتا ہے وہ اپنے ساتھ

رکھتے ہیں، تا کہ اس بات کا اطمینان رہے کہ یہ پاک ہے اور اس پر سجدہ ہو سکتا ہے۔

حمید: ''اگر شیعوں کی مراد صرف پاک اور خالص مٹی پر سجدہ کرنا ہے۔ تو وہ کیوں اپنے ساتھ سجدہ گاہ رکھتے ہیں کیوں نہیں تھوڑی سی خاک اپنے پاس رکھتے؟

محمد مرعی: ''اپنے ساتھ خاک رکھنے سے کپڑے وغیرہ گندے ہو سکتے ہیں کیونکہ خاک کی طبیعت ہے کہ اسے جہاں بھی رکھا جائے گا وہ اسے آلودہ کر دے گی شیعہ حضرات اسی وجہ سے اس خاک کو پانی میں ملا کر ایک خوبصورت شکل کی سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں تا کہ اسے اپنے ساتھ رکھنے میں زحمت نہ ہو اور لباس گندہ نہ ہونے پائے۔

حمید: ''خاک کے علاوہ بوریا' قالین وغیرہ پر سجدہ کیوں نہیں کرتے؟''

محمد مرعی: ''میں نے کہا کہ سجدہ کا مطلب یہ کہ خدا کے سامنے آخری درجہ کا خضوع اور خشوع جو میں کہتا ہوں کہ خاک پر سجدہ کرنا خواہ وہ سجدہ گاہ ہو یا نرم خاک ہو خدا کے سامنے زیادہ خضوع یا خشوع پر دلالت کرتا ہے کیونکہ خاک سب سے زیادہ حقیر چیز ہے اور ہم اپنے جسم کا سب سے عظیم حصہ (یعنی پیشانی) سب سے حقیر اور پست چیز پر سجدہ کے وقت رکھتے ہیں تا کہ خدا کی عبادت بہت ہی خضوع اور خشوع سے کریں۔ اسی وجہ سے مستحب یہ ہے کہ جائے سجدہ' پیر اور اعضاء بدن سے نیچی ہو تا کہ زیادہ سے زیادہ خضوع و خشوع کا اظہار ہو۔ خاک کے ایک ٹکڑے (سجدہ گاہ) پر سجدہ کرنا اسی وجہ سے تمام چیزوں سے بہتر ہے اگر کوئی انسان اپنی پیشانی کو ایک بہت ہی قیمتی سجدہ گاہ پر وقت سجدہ رکھے تو اس سے اس کے خضوع میں کمی آ جاتی ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہو گا کہ بندہ خدا کے سامنے اپنے کو چھوٹا اور پست شمار نہیں کرے گا۔

اسی توضیح کے ساتھ کہ آیا کسی شخص کے خشک مٹی (سجدہ گاہ) پر سجدہ کرنے سے تا کہ اس کا خضوع اور خشوع خدا کے نزدیک زیادہ ہو جائے وہ مشرک اور کافر ہو جائے گا؟ لیکن قالین' سنگ مرمر اور فرش وغیرہ پر سجدہ کرنا خضوع و خشوع میں زیادتی کرتا ہے اور تقرب خدا کا سبب بنتا ہے؟ اس طرح کا تصور کرنے والا شخص غلط اور گھٹیا فکر کا مالک ہوتا ہے۔''

حمید: ''یہ کیا ہے جو شیعوں کی سجدہ گاہ پر لکھا ہوا ہوتا ہے؟''

محمد مرعی: ''اولاً تو یہ کہ تمام سجدہ گاہوں پر لکھا ہوا نہیں بلکہ اکثر ایسی ہیں جن پر کچھ نہیں لکھا ہوتا ہے ثانیاً بعض پر اگر لکھا بھی ہوتا ہے تو وہ ''سبحان ربی الاعلی و بحمدہ'' ہے جو ذکر سجدہ کی طرف

اشارہ کرتا ہے اور بعض سجدہ گاہ پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ یہ مٹی کربلا سے لی گئی ہے تم پر خدا کی قسم ہے آیا یہ لکھے ہوئے کلمات موجب شرک ہیں؟ اور آیا یہ لکھے ہوئے کلمات مٹی کو مٹی ہونے سے خارج کر دیتے ہیں؟''

حمید: ''نہیں یہ ہرگز موجب شرک نہیں ہے اور اس پر سجدہ کرنے میں عدم جواز پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے لیکن ایک دوسرا سوال یہ کہ خاک شفا کیا خصوصیت رکھتی ہے کہ اکثر شیعہ خاک شفا پر ہی سجدہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں؟''

محمد مرعی: اسکا راز یہ ہے کہ ہمارے آئمہ اہلبیت علیہم السلام سے روایت ہے کہ خاک شفا تمام خاکوں سے افضل و برتر ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

''السجود علی تربۃ الحسین یخرق الحجب السبع''

''خاک شفا پر سجدہ کرنے سے سات حجاب ہٹ جاتے ہیں''(۱) یعنی نماز قبولیت کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے اور آسمان کی طرف جاتی ہے نیز یہ بھی روایت ہے کہ آپ خدا کی بارگاہ میں تذلل اور انکساری کی وجہ سے صرف خاک شفا پر سجدہ کرتے تھے (۲) اس بنا پر خاک شفا میں ایک ایسی فضیلت ہے جو دوسری خاک میں نہیں پائی جاتی ہے۔''

حمید: ''آیا خاک شفا پر سجدہ کرنے سے نماز قبول ہوتی ہے اور اس کے علاوہ کسی مٹی پر سجدہ کرنے سے نماز قبول نہیں ہوگی یعنی باطل ہوگی؟''

محمد مرعی: ''مذہب شیعہ کہتا ہے کہ اگر نماز کے شرائط صحت سے کوئی بھی شرط فاقد ہو جائے تو نماز باطل ہے اور قبول نہیں ہوگی لیکن اگر نماز کے تمام شرائط صحت پائے جاتے ہیں اور اس کا سجدہ خاک شفا پر کیا گیا ہے تو نماز قبول بھی ہوگی اور ساتھ ساتھ وہ اہمیت کی بھی حامل ہوگی اور اس کا ثواب زیادہ ہو جائے گا۔''

حمید: ''کیا زمین کربلا تمام زمینوں حتی کہ مکہ اور مدینہ کی زمینوں سے بھی افضل و برتر ہے تا کہ یہ کہا جائے کہ خاک شفا پر نماز پڑھنا تمام خاک سے افضل و برتر ہے؟''

محمد مرعی: ''اس میں کیا اعتراض ہے کہ خداوند عالم نے اس طرح کی خصوصیت کو خاک

---

(۱) بحار ج ۸۵ ص ۱۵۳ (۲) وہی مصدر، ص ۱۵۸۔ ارشاد القلوب، ص ۱۴۱

کربلا ہی میں رکھا ہو۔"

حمید: "زمین مکہ جو جناب آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک مقام کعبہ ہے اور مدینہ کی زمین جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک مدفون ہے کیا ان کا مقام و منزلت کربلا کی زمین سے کمتر ہے؟ یہ بڑی عجیب بات ہے کیا حسین علیہ السلام اپنے جدِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل برتر ہیں؟"

محمد مرعی: "نہیں ہر گز نہیں بلکہ حسین علیہ السلام کی عظمت و منزلت ان کے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہے لیکن خاک کربلا کو فضیلت حاصل ہونے کے سلسلے میں یہ راز ہے کہ امام حسین علیہ السلام اس سرزمین پر اپنے نانا کے دین کی راہ میں شہید ہوئے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام مقام رسالت کا ایک جزو ہے لیکن بات یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور خاندان کے لوگوں نے شریعت محمدی کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں اپنی جانیں قربان کی ہیں اس وجہ سے خداوند عالم نے انہیں تین خصوصیتیں عنایت فرمائی ہیں۔

۱- آپ کے مرقد شریف میں گنبد کے نیچے قبولیت دعا کی ضمانت۔

۲- تمام دیگر آئمہ علیہم السلام آپ کی نسل سے ہیں۔

۳- آپ کی خاک (خاک کربلا) میں شفا ہے۔

آیا اس طرح خاک کربلا کو خصوصیتیں عطا کرنا کوئی اشکال اعتراض کا مقام ہے کیا زمین کربلا کو زمین مدینہ سے افضل کہنے کا یہ مطلب ہوا کہ امام حسین علیہ السلام اپنے نانا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل و برتر ہیں؟ اور تمہیں اس طرح اعتراض کرنے کا موقع مل جائے؟ نہیں بلکہ مطلب اس کے برعکس ہے یعنی امام حسین علیہ السلام کا احترام ان کے جد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام خدا کا احترام ہے۔"

جب یہ بات یہاں تک پہنچی تو انہیں میں سے ایک شخص جو قانع ہو چکا تھا وہ خوش ہو کر وہاں سے اٹھا اور میری تعریف و تمجید کرنے لگا اور اس نے شیعوں کی کتابوں کی درخواست کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"تمہاری باتیں نہایت سنجیدہ اور نپی تلی ہیں ابھی تک میں خیال کر رہا تھا کہ شیعہ حضرات امام حسین علیہ السلام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل و برتر سمجھتے ہیں۔ آج مجھے حقیقت

معلوم ہوئی تمہارے اس حسین بیان سے میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں۔ آج کے بعد سے میں بھی خاک شفا کی سجدہ گاہ اپنے ساتھ رکھوں گا اور اس پر نماز پڑھوں گا(۱)

(۱) محمد مرعی انطا کی کی کتاب "لماذا اخترت مذہب التشیع" ص ۳۴۱ سے ۳۴۸ تک سے اقتباس

اگر رسول خداؐ کے بعد کوئی رسول ہوتا تو وہ کون ہوتا؟

ایک مرجع تقلید (مرحوم آیت اللہ العظمیٰ سید عبداللہ شیرازی) نے فرمایا:

"جب میں مکہ میں تھا تو "باب اسلام" کے نزدیک کتاب خریدنے ایک کتاب کی دوکان پر گیا تو وہاں بہت ہی پڑھے لکھے اہل سنت کے عالم سے میری ملاقات ہوگئی۔ اس نے جب مجھے پہچان لیا کہ میں ایک شیعہ عالم ہوں تو اس نے میرا بہت ہی اچھی طرح احترام کیا اور اس نے مجھ سے چند سوالات کئے جن میں سے چند خاص خاص سوالات میں بتا رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے اس طرح پوچھنا شروع کیا۔"

تم اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"لو کان نبی غیری لکان عمر" "اگر میرے بعد پیغمبر ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے"

میں نے کہا۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرگز اس طرح کی کوئی حدیث نہیں بیان کی ہے یہ حدیث جھوٹی اور جعلی ہے۔"

اس نے کہا۔ "کیا دلیل ہے؟"

میں نے کہا۔ "تم حدیث منزلت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ آیا یہ حدیث ہمارے اور تمہارے درمیان قطعی یقینی ہے یا نہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا۔

"یا علی انت منی بمنزلتی هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی"

اے علی تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔"(۱)

(۱) صحیح مسلم، ج ۳، ص ۲۳۶، صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۸۵۔ مسند حنبل، ج ۱، ص ۹۸، ۱۱۸ وغیرہ

اس نے کہا۔ ''ہماری نظر میں اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''ہماری حدیث کی دلالت التزامی سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ قطعی اور یقینی طور پر علی علیہ السلام ہوتے اس حدیث کی بنیاد پر جس کا تم اعتراف کرتے ہو کہ یقینی اور قطعی ہے دوسری حدیث خود بخود بے بنیاد محض جھوٹ ثابت ہو جاتی ہے۔

وہ اس بات کے سامنے بے بس اور لاچار ہو گیا اور حیرت زدہ ہو کر خاموشی اختیار کر لی۔(۱)

---

(۱) الاحتجاجات العشرۃ، ص۱۶

متعہ کے جواز پر مناظرہ

مرحوم آیت اللہ العظمی سید عبداللہ شیرازی فرماتے ہیں۔ ''اس نے اپنا دوسرا سوال اس طرح پیش کیا۔''

کیا تم شیعہ حضرات متعہ کو جائز جانتے ہو؟

میں نے کہا۔ ''ہاں''

اس نے کہا۔ ''کس دلیل سے؟''

میں نے کہا۔ ''عمر بن خطاب کی بات کی بنا پر خطاب نے کہا تھا۔

''متعتان محللتان فی زمن الرسول وانا احرمهما''

''دو متعہ رسول خدا کے زمانے میں حلال تھے اور میں ان دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں۔''

اور بعض عبارتوں میں اس طرح آیا ہے۔

''متعتان کانتا علیٰ عهد رسول الله وانا انهی عنهما واعاقب علیهما متعته الحج ومتعة النساء'' (تفسیر فخر رازی، سورہ نساء کی ۲۴ ویں آیت کے ذیل میں)

''رسول اسلام کے زمانے میں دو متعہ پائے جاتے تھے لیکن میں ان دونوں سے منع کرتا

ہوں اور ان دونوں کے انجام دینے والوں کو سزا دوں گا وہ دو متعہ۔ متعہ حج اور متعہ نساء ہے۔"

حضرت عمر کی اس بات سے (روایت و قرآن کے دلائل کو چھوڑتے ہوئے) یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں متعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جائز تھے لیکن اسے عمر نے حرام قرار دیا ہے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ حضرت عمر نے کس وجہ سے ان کو حرام قرار دیا آیا وہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیغمبر ہو گئے اور انہیں خداوند متعال نے حکم دیا کہ تم ان دونوں کو حرام کر دو یا عمر پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی؟ کس دلیل سے انہوں نے متعہ کو حرام قرار دیا جبکہ یہ بھی ہے کہ

"حلال محمد حلال الی یوم القیامة و حرامه حرام الی یوم القیامة"

حلال محمدؐ قیامت تک کے لئے حلال اور محمدؐ کا حرام قیامت تک کے لئے حرام ہے۔"

آیا اس طرح کی تبدیلی اس قسم کی بدعت نہیں ہے، جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی کی وجہ سے انسان جہنم میں جھونکا جائے گا" اس وجہ سے اب مسلمان کس دلیل سے حضرت عمر کی بدعت کی پیروی کرتے ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو چھوڑ دیتے ہیں؟"

وہ اس طرح کی باتوں کے سامنے بے بس ولاچار ہو کر خاموش ہو گیا۔

مولف کا قول ہے۔ "اس سلسلے میں بہت سی باتیں ہیں کہ جس کا اصل مقام فقہ کی کتابیں ہیں۔ سورہ نساء کی ۲۴ ویں آیت متعہ کے جائز ہونے پر ایک دلیل ہے یہاں پر متعہ کے بارے میں امام علیہ السلام سے ایک روایت نقل کرنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

"ان المتعة رحمة رحم الله بها عباده ولولانهی عمر مازنی الاشقی"

متعہ ایک ایسی رحمت ہے جس کے ذریعے خداوند عالم نے اپنے بندوں پر رحم کیا ہے اور اگر اسے عمر حرام نہ کرتا تو کسی بدبخت کے علاوہ اور کوئی زنا کا مرتکب نہ ہوتا۔(۱)

(۱) تفسیر ثعلبی و تفسیر طبری، سورہ نساء کی ۲۴ ویں آیت کے ذیل میں

ایک شیعہ مفکر کا مسیحی مفکر سے مناظرہ اور مسیح کی بے بسی

قرآن کے سورہ "عبس" کی پہلی اور دوسری آیت میں آیا ہے۔

"عبس و تولی ان جائه الا عمی"

کتب اہل سنت میں ایک روایت اس آیت کی شان نزول کے بارے میں نقل ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے سرداروں سے باتیں کر رہے تھے تاکہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دے سکیں ان کے درمیان ایک نابینا مومن فقیر بھی تھا جس کا نام "عبداللہ بن مکتوم" تھا اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آ کر چند بار کہا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی قرآنی آیات کی تعلیم دیجیے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر ناراض ہو گئے اور آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا تو خداوند متعال نے سورہ عبس کے شروع کی آیت کے ذریعے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فعل پر سرزنش کی (۱)

لیکن شیعہ روایت کے مطابق سورہ عبس کی شروع کی آیتیں حضرت عثمان کے لئے نازل ہوئی ہیں اور اسے خدا کی طرف سے ڈانٹا گیا ہے کہ نابینا فقیر سے کیوں بے اعتنائی کی ہے (۲)

اب آنے والے اس مناظرے کو آپ ملاحظہ فرمائیں جو ایک شیعہ مفکر اور مسیحی مفکر کے درمیان ہوا ہے۔

مسیحی مفکر: "ہمارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر ہیں اس لئے کہ تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑے سے بداخلاق تھے کیونکہ انہوں نے ایک نابینا فقیر سے جھلا کر اسے ڈانٹا اور اس کی طرف سے منہ موڑ لیا جیسا کہ سورہ عبس کی شروع کی آیت

---

(۱) اسباب النزول سیوطی، سورہ عبس کے ذیل میں (۲) تفسیر برہان و تفسیر نور الثقلین، اسی آیت کے ذیل میں

میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے پیغمبر حضرت عیسٰی علیہ السلام اس قدر خوش اخلاق تھے کہ جب بھی کبھی کسی نابینا کو دیکھ لیتے تھے تو ایسا نہیں کہ جھلائے ہوں بلکہ اسے شفا دے دیتے تھے۔"

شیعہ مفکر: "ہم شیعہ اس بات کے معتقد ہیں کہ یہ سورہ عثمان کی درستی پر نازل ہوئی ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے تھے چہ برسد مومنین ہدایت یافتہ۔ جیسا کہ تم نے قرآن کا نام لیا اسی قرآن میں خداوند متعال پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ارشاد فرماتا ہے۔

"انک لعلی خلق عظیم"

بلاشبہ تم عظیم اخلاق کے درجے پر فائز ہو (القلم ۴)

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

"وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین"

ہم نے تمہیں صرف عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے (الانبیاء ۱۰۷)

مسیحی مفکر: "یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ میں نے بغداد کے ایک مسلمان خطیب سے سنا ہے۔"

شیعہ مفکر: "ہم شیعوں کے نزدیک یہی مشہور ہے جو میں نے کہا آیات سورہ عبس حضرت عثمان کے لئے نازل ہوئی ہیں لیکن بعض پست اور بنی امیہ کے زرخرید راویوں نے حضرت عثمان کی عزت محفوظ رکھنے کے لئے ان آیتوں کی نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دے دی ہے۔ بعبارت دیگر۔ یہ کہ سورہ عبس کی آیت میں تصریح نہیں ہوئی ہے کہ جس نے اس نابینا سے منہ موڑا تھا وہ شخص کون تھا؟ ایک قرینہ کے مطابق جیسے سورہ قلم کی چوتھی آیت اور سورہ انبیاء کی ۱۰۷ ویں آیت میں اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ سورہ عبس کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ "سورہ عبس بنی امیہ کے ایک شخص کے سلسلے میں

نازل ہوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا اور اس نے جب ابن ام مکتوم نابینا کو دیکھا تو اس پر ناراض ہوا اور اس سے دور بھاگنے لگا اور اس نے اپنا منہ موڑ لیا (۱)

یہ سن کر مسیحی مفکر بے بس ہو گیا اور اس کے بعد کچھ نہیں کہا۔

---

(۱) یہ حدیث مجمع البیان ج ۱۰، ص ۴۳۷ میں بھی آئی ہے جو لوگ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق خیال کرتے انھوں نے اس اعتراض کا کہ یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بداخلاقی کی دلیل ہے اس طرح جواب دیا ہے۔

ابن ام مکتوم نے آداب مجلس کا خیال نہیں کیا لہذا اس کی سزا یہی تھی کہ اسے اسی لحظہ سزا دی جائے اور اس سے بے توجہی برتی جائے اور خدا نے جو اس عمل کے متعلق سرزنش کی ہے وہ اس لئے کہ بھلے ہی اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ موڑنا درست تھا مگر پھر بھی اس بات کا امکان موجود تھا کہ دشمن یہ خیال کریں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فقیر ہونے کی وجہ سے منہ موڑا اور پیسے والوں کی طرف متوجہ رہے لہذا خداوند عالم نے اس آیت کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سمجھایا ہے کہ بھلے ہی کوئی کام درست ہو لیکن اگر اس کی وجہ سے دشمن سوء ظن میں مبتلا ہو جائیں تو اس عمل کو انجام نہ دو اور اگر انجام دے بھی دیا تو وہ ترک اولیٰ ہوگا۔

شیخ مفیدؒ کا قاضی عبدالجبار سے مناظرہ

شیعوں کے بہت ہی برجستہ اور مشہور و معروف عالم دین محمد بن محمد نعمان جنہیں لوگ شیخ مفید کے نام سے جانتے ہیں۔

آپ ذی الحجہ ۳۳۶ یا ۳۳۸ ھ ق میں "سوبقہ" نام کے ایک دیہات (جو بغداد سے دس فرسخ شمال واقع "عکبرا" کے علاقے میں واقع ہے) میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے باپ جو ان کے معلم بھی تھے کے پاس بغداد آئے وہاں پر تعلیمی سلسلہ کو آگے بڑھایا یہاں تک کہ عظیم علماء میں شمار کئے جانے لگے اور مسلمانوں کے تمام فرقوں میں مقبول ہو گئے۔

علامہ حلی شیخ مفید کے بارے میں کہتے ہیں۔ "وہ شیعوں کے ایک جلیل القدر عالم اور بڑے بڑے علماء کے استاد ہیں۔ ان کے بعد آنے والے تمام لوگوں نے ان کے علم سے استفادہ

کیا۔(۱)

ابن کثیر شامی کتاب ''البدایۃ والنھایۃ'' میں کہتے ہیں۔''شیخ مفید شیعوں کے رہبر' مصنف اور شیعیت کی طرف سے دفاع کرنے والے تھے ان کے درس میں طرح طرح کے مذاہب کے علمائے شرکت کرتے تھے۔''(۲)

شیخ مفید نے مختلف فرقوں پر دو سو سے زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں معروف نسب شناس نجاشی' ان کی ۱۷۰ کتابوں سے زیادہ کا نام لکھتا ہے۔شیخ مفید علیہ الرحمہ نے شب جمعہ میں ماہ مبارک رمضان سال ۴۱۳ ھ ق کو بغداد میں انتقال پایا اور آپ کی قبر کاظمین میں امام جواد علیہ السلام کی قبر کے قریب مسلمانوں کے ایک قبرستان میں واقع ہے۔(۳)

شیخ مفید فن مناظرہ میں بہت ہی قوی اور مضبوط تھے۔ان کے مناظروں میں سے کچھ ٹھوس اور مستدل مناظرے جو کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں ان میں سے ایک مناظرہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس مناظرہ کی وجہ سے انہیں شیخ مفید کا لقب ملا ہے۔(۴)

شیخ مفید کے زمانہ میں اہل سنت کا ایک بہت ہی عظیم عالم دین جسے لوگ ''قاضی عبدالجبار'' کے نام سے جانتے تھے جو بغداد میں درس دیا کرتا تھا۔ایک روز قاضی عبدالجبار درس کے لئے بیٹھا تھا اور تمام سنی شیعہ شاگرد بھی اس کے اس درس میں موجود تھے اس دن شیخ مفید بھی درس میں حاضر ہوئے اور آکر چوکھٹ پر بیٹھ گئے۔

قاضی نے شیخ مفید کو اب تک نہیں دیکھا تھا لیکن اس نے ان کے اوصاف سن رکھے تھے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد شیخ مفید نے قاضی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آیا مجھے ان دانشوروں کے سامنے اجازت دیتے ہو کہ میں تم سے ایک سوال کروں؟''

---

(۱) رجال نجاشی' ص ۳۱۱

(۲) البدایۃ والنھایۃ' ج ۱۲' ص ۱۵

(۳) مقدمہ اوائل المقالات' طبع تبریز سال ۱۳۷۱ ھ۔ق

(۴) شیخ مفید کا مناظرہ کے متعلق ایسا عقیدہ تھا کہ وہ کہا کرتے تھے۔

قاضی: پوچھو۔''

شیخ مفید: ''یہ حدیث جس کے بارے میں شیعہ حضرات روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحرائے عرب غدیر میں علی علیہ السلام کے لئے فرمایا۔

''من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ''

جس کا میں مولا ہوں پس اس کے علیؑ مولا ہیں۔

صحیح ہے یا شیعوں نے جھوٹ گڑھ لی ہے؟

قاضی: ''یہ روایت صحیح ہے۔''

شیخ مفید: ''اس روایت میں کلمہ مولا سے کیا مراد ہے؟''

قاضی: ''مولا سے مطلب سرپرست اور اولویت ہے۔''

شبہ علماء شیعہ اثنا عشری اور علم دین میں ان کے بڑے بڑے علماء مناظرے میں بھی ماہر ہوا کرتے تھے انہیں اس کی قدر و قیمت کا بھرپور احساس تھا' اسی لئے ان کے بعد آنے والوں نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے مناظرے کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ لوگ مناظرہ اب بھی مخالف کا منہ بند کرنے کا ایک بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔'' (الفصول المختار' ص ۲، ص ۱۱۹)

شیخ مفید: ''اگر اسی طرح ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق علی علیہ السلام دوسرے لوگوں کے سرپرست اور سب پر اولویت رکھتے ہیں۔''

اب اس حدیث کے بعد شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف اور دشمنی کیوں ہے؟

قاضی: ''اے برادر یہ حدیث ''غدیر'' روایت (ایک بار نقل ہوئی) ہے لیکن خلافت حضرت ابوبکر ''درایت'' اور امر مسلم ہے اور عاقل شخص روایت کی خاطر درایت کو ترک نہیں کرتا۔

شیخ مفید: ''تم اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔

''یا علی حربك حربی و سلمك سلمی''

اے علی علیہ السلام! تمہاری جنگ میری جنگ اور تمہاری صلح میری صلح ہے۔

قاضی: ''یہ حدیث صحیح ہے۔''

شیخ مفید: ''اس حدیث کی بنیاد پر جن لوگوں نے جنگ جمل شروع کی جیسے' طلحہ' زبیر وغیرہ

نے علیؑ علیہ السلام سے جنگ کی اس حدیث کی رو سے "جبکہ تمہارا یہ بھی اعتراف ہے کہ حدیث صحیح ہے تو ان لوگوں نے گویا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی۔

قاضی: "اے برادر! ان لوگوں (طلحہ زبیر وغیرہ) نے توبہ کیا۔"

شیخ مفید: "جنگ جمل درایت اور قطعی ہے لیکن یہ کہ جنگ کرنے والوں نے توبہ کی یہ روایت اور ایک سنا ہوا قول ہے اور تم نے خود ہی کہا ہے کہ درایت کو روایت پر قربان نہیں کرنا چاہیے اور عاقل شخص درایت کو روایت کی وجہ سے ترک نہیں کرتا ہے۔"

قاضی اس سوال کا جواب دینے سے بے بس ہو گیا اور ایک لمحہ بعد اس نے چونک کر اپنا سر اٹھایا اور کہا۔ "تم کون ہو"

شیخ مفید: "میں آپ کا خادم محمد بن نعمان ہوں۔"

قاضی اسی دم اپنی جگہ سے اٹھا اور شیخ مفید کا ہاتھ پکڑ کر اس نے اپنی جگہ بٹھا کر ان سے کہا۔

"انت المفید حقا"

"تم حقیقت میں مفید ہو۔"

بزم کے تمام علماء قاضی کی اس بات سے رنجیدہ خاطر ہوئے اور کافی شور و غل مچایا قاضی نے ان لوگوں سے کہا۔ "میں اس شیخ مفید کا جواب دینے میں بے بس ہو گیا۔ تم میں سے جو بھی ان کا جواب دے سکے وہ اٹھے اور بیان کرے۔"

ایک آدمی بھی نہیں اٹھا اس طرح شیخ مفید کامیاب ہو گئے اور اسی بزم سے ان کا لقب مفید ہو گیا جو تمام لوگوں کی زبان پر آج تک جاری ہے۔ (مجالس المومنین' ج ۱' ص ۲۰۰ و ۲۰۱ (پانچویں مجلس)

ابن ابی الحدید سے مولف کا غائبانہ مناظرہ

اہل سنت کا ایک بہت ہی مشہور و معروف اور نہایت ہی پڑھا لکھا عظیم مورخ عبدالحمید بن محمد بن حسین بن ابی الحدید مدائنی ہے جسے عام لوگ "ابن ابی الحدید" کے نام سے جانتے ہیں اس کی تالیفات

اور تصنیفات میں ایک بہت ہی اہم اور مشہور "شرح نہج البلاغہ" ہے جو ۲۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔

سال ۶۵۵ ھ ق میں بغداد میں اس نے دنیا کو ہمیشہ کے لئے خدا حافظ کہا وہ اپنی شرح نہج البلاغہ کی چھٹی جلد میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد پر آشوب دور کو لکھتے ہوئے اقرار کرتا ہے کہ عمر نے چند آدمیوں کے ساتھ آ کر فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا گھر گھیر لیا جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی آواز بلند ہوئی کہ میرے گھر سے تم لوگ بھاگ جاؤ۔۔۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے بھی نقل کرتے ہوئے وہ تصریح کرتا ہے کہ۔

"فھجرته فاطمه ولم تكلمه في ذلک حتى ماتت فدفنها علي ليلا ولم يوذن بها ابوبكر"

"فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت ابوبکر سے دوری اختیار کر لی تھی اور مرتے وقت تک اس سے بات نہیں کی۔ علی علیہ السلام نے آپ کو رات کی تاریکی میں دفن کیا اور حضرت ابوبکر کو اس بات کی کانوں کان خبر بھی نہ دی۔" (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶ ص ۴۶ و ۴۷)

ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے ابن ابی الحدید عمر اور ابوبکر کی عزت کو محفوظ رکھنے کے لئے طرح طرح کی توجیہ کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے۔

"فان هذا لو ثبت انه خطالم يكن كبيرة بل كان من باب الصغائر التى لا تقضى التبرى ولا توجب زوال التولى"

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ حضرت ابوبکر کی رفتار اس طرح تھی تو ان کی طرف سے یہ خطا اور گناہ تو تھا لیکن گناہ کبیرہ نہیں ہے بلکہ ایک گناہ صغیرہ ہے جو ان سے بیزاری اور ولایت کے زوال کا موجب نہیں بن سکتا ہے۔

مولف: "کیا سچ مچ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر پر دھاوا بولنا اور اس کا حکم دینا او، آپ سلام اللہ علیہا کو اس حد تک ناراض کرنا کہ آخر عمر تک ابوبکر اور عمر سے منہ پھیرے رہیں اور ان سے بات بھی نہیں کی۔ گناہ صغیرہ ہے؟

اگر ابن ابی الحدید یہ کہتے کہ اصل حادثہ ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے تو اس پر مجھے تعجب نہیں ہوتا لیکن یہ کہ وہ اس حادثہ کا اقرار کرتے ہوئے کس طرح ایسی باتیں کرتے ہیں؟ کیا وہ گناہ

کبیرہ اور صغیرہ کے فرق کونہیں جانتے؟ ایسا بھی نہیں ہے کہ ابن ابی الحدید نے صرف خود نقل کیا ہے بلکہ دوسرے علماء اہل سنت نے بھی اس کونقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں فرمایا ہے۔

''ان الله يغضب لغضب فاطمة و يرضى لرضاها.''

خداوند متعال ناراضگی فاطمہ پر ناراض ہوتا ہے اور ان کی رضا پر راضی ہوتا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا۔

''فاطمة بضعة منى من اذا ها فقد آذانى و من آذانى فقد آذى الله''

فاطمہ سلام اللہ علیہا میرے جگہ کا ٹکڑا ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی۔(۱)

میں اس حدیث کی بنیاد پر ان دونوں نے یقینی طور پر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اذیت دی اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اذیت خدا اور رسولؐ کو اذیت دینا ہے ان چیزوں کو جانتے ہوئے کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ کو اذیت دینا گناہ صغیرہ ہے؟ ہاں اگر یہ گناہ صغیرہ ہے تو گناہ کبیرہ کیا ہے؟ کیا خداوند متعال قرآن مجید میں نہیں فرماتا۔

''ان الذين يو ذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والاخرة واعدلهم عذابامهانا''(سورہ احزاب)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اس نے ان کے لئے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے'' کیا گناہ صغیرہ انجام دینے والا شخص خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت کا مستحق نہیں ہے؟

اس کے علاوہ تم ان مختصر اور مجمل حدیثوں کو چھوڑ کر مفصل احادیث پڑھو۔

---

(۱) صحیح بخاری ط دار الجیلی بیروت، ج۹، ص۱۸۵۔ اور دوسرے مدارک کتاب ''فضائل الخمسہ'' سے

نص کے مقابل، اجتہاد کے متعلق مناظرہ

شریعت اسلام میں جو چیز آیات قرآن اور روایت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صریحی اور واضح ہے اس چیز کی پیروی کرنا چاہیے اگر ہم اس کے مقابلہ میں کوئی توجیہ کریں تو اسے اجتہاد کہتے ہیں اور ایسا اجتہاد نص کے مقابلہ میں ہوگا اور نص کے مقابلہ میں اجتہاد قطعاً باطل ہے اور اس طرح کا اجتہاد ہی بدعت ہے جو کفر اور گمراہی پیدا کرتا ہے۔ لیکن صحیح اجتہاد وہ ہے کہ کسی موضوع کے حکم کی صحیح دلیل سند یا دلالت کے لحاظ سے واضح نہ ہو، مجتہد قواعد اجتہاد کے ذریعے اس موضوع کے حکم کے بارے میں استنباط کرتا ہے اس طرح کا اجتہاد اور اس طرح کے مجتہد جامع الشرائط مقلدین حضرات کے لئے حجت قرار دیئے جائیں اسی بات کی طرف توجہ دیتے ہوئے ذیل کے مناظرہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

ملک شاہ سلجوقی نے ایک جلسہ بلایا اس میں خود اس کا وزیر بھی موجود تھا۔ اس جلسے میں اہل سنت کے ''عباسی'' نام کے ایک بہت ہی برجستہ عالم اور شیعوں کے ایک بہت ہی مشہور اور عظیم عالم (علوی) کے درمیان اس طرح مناظرہ شروع ہوا۔

علوی: ''تمہاری معتبر کتابوں میں آیا ہے کہ بعض احکام جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قطعی مناسب اور یقینی تھے عمر نے اس میں تصرف کیا ہے اور اسے بدل بھی ڈالا ہے۔''

عباسی: ''کن احکامات کو انھوں نے بدل ڈالا؟''

علوی: ''مثال کے طور پر''

ا۔ نماز تراویح ماہ رمضان میں پڑھی جاتی ہے اور مستحب ہے حضرت عمر نے کہا۔ ''اسے باجماعت پڑھو'' جبکہ مستحب نمازیں جماعت کے ساتھ نہیں پڑھنا چاہیے۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اسی طرح تھا کہ تمام مستحبی نمازیں فرادی پڑھی جاتی تھیں لیکن بعض مستحبی نمازیں جیسے نماز استسقاء پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں بھی جماعت سے پڑھی گئی۔

ب۔ یا یہ کہ حضرت عمر نے حکم دیا کہ اذان میں ''حی علیٰ خیر العمل'' کی جگہ ''الصلوۃ خیر من النوم'' کہا جائے۔

د۔ جیسے اس نے حج تمتع اور متعۃ النساء کو حرام قرار دیا۔

ج۔ اس نے مولفۃ القلوب کے حصہ کو ختم کر دیا جبکہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ میں ان کے حصے کی تصریح ہوتی ہے اس کے علاوہ اور بہت سے احکام ہیں۔

ملک شاہ: ''کیا سچ مچ حضرت عمر نے ان احکام کو بدل ڈالا؟''

خواجہ نظام الملک: ''ہاں واقعی یہ چیزیں سنیوں کی معتبر کتابوں میں ذکر ہوئی ہیں۔''

ملک شاہ: ''بس ہم کس طرح ان لوگوں کی پیروی کریں جنھوں نے بدعت پھیلا رکھی ہے؟''

قوشچی: ''اگر حضرت عمر نے حج تمتع یا متعہ سے روکا یا اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کی جگہ ''الصلوۃ خیر من النوم'' کا اضافہ کیا تو انھوں نے اجتہاد کیا ہے اور اجتہاد بدعت نہیں ہے (۱)''

علوی: ''کیا قرآن کے واضح اور صریح یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریحی احادیث کے مقابلہ میں دوسری باتیں پیش کی جا سکتی ہیں؟ کیا نص کے مقابلہ میں اجتہاد جائز ہے؟ اگر اس طرح ہو تو ہر مجتہد اس چیز کا حق رکھتا ہے اور ایسے ہی کچھ دنوں کے بعد اسلام کے بہت سے احکام بدل جائیں گے اور اسلام کی حقیقت اور جاویدانی ہمارے درمیان سے جاتی رہے گی کیا قرآن یہ نہیں فرما رہا ہے:

''ما آتکم الرسول فخذ وہ ومانھکم عنه فانتھوا'' (سورہ حشر)

جو کچھ رسول تم کو دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اسے ترک کردو۔

اسی طرح سورہ احزاب میں خدا کا ارشاد ہے۔

''وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله ورسوله امر آان یکون لھم الخیرة من امرھم''

''کسی مومن یا مومنہ کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد (کسی شئے پر) اختیار رکھے''

آیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا۔

---

(۱) شرح تجرید قوشچی ص ۳۷۴ قوشچی اہل سنت کا ایک نہایت مشہور عالم ہے جسے ''امام المتکلمین'' کہا جاتا ہے۔

"حلال محمد حلال الی یوم القیامة و حرام محمد حرام الی یوم القیامة"

جلال محمد قیامت تک کے لئے حلال ہے اور حرام محمد قیامت تک کے لئے حرام ہے (۱)

نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے صریحی احکام کو بدلنا نہیں چاہیے کہ یہ کام تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نہیں کر سکتے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں قرآن میں پڑھتے ہیں۔ (۲)

"ولو تقول علینا بغض الاقاویل لاخذنامنه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین فمامنکم من احدعنه حاجزین." (سورہ حاقہ ۴۴-۴۵)

"اگر وہ (پیغمبر) ہماری طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے تو ہم انہیں قوت سے پکڑ لیتے پھر ان کی رگ قلب کو قطع کر دیتے اور تم لوگوں میں سے کوئی بھی اسے روک نہیں سکتا تھا"

(۱) مقدمہ دارمی، ص ۳۹ - اصول کافی، ج ۱، ص ۴۹

(۲) کتاب "جستجوحق دار بغداد" سے اقتباس (مقاتل بن عطیہ بکری) ص ۱۲۷ سے ۱۲۹ تک

ڈاکٹر سید محمد تیجانی کے مناظرے

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی "تیونس" کے رہنے والے ہیں وہ اپنے شہریوں اور خاندان والوں کے دین کے مطابق اہل سنت میں مالکی مسلک کے پیروکار تھے۔ علمی منازل طے کرنے کے بعد پڑھے لکھے مفکروں میں ان کا شمار ہونے لگا۔ ڈاکٹر محمد تیجانی نے مذاہب اسلامی میں مذہب حقہ کی تحقیق میں بڑے ہی ہوش وحواس کے ساتھ ان تھک کوشش کی اس سلسلے میں انھوں نے متعدد سفر بھی کئے جیسے نجف اشرف میں آیت اللہ آقائے خوئی اور شہید باقر الصدر اعلی اللہ مقامھم کے پاس پہنچے اور نہایت ہی عمیق تحقیق کے بعد انہوں نے مذہب تشیع کو قبول کیا اور اپنے شیعہ ہونے کا قانونی طور

پر اعلان کر دیا اور اپنے اس میلان کو اپنی قیمتی کتاب ''ثم اھتدیت'' میں بیان کیا ہے۔(۱)

ڈاکٹر تیجانی نے دوسری کتاب '۔لاکون مع الصادقین'' میں، بہت سی بحثوں کو چھیڑتے ہوئے مذہب تشیع کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس کتاب سے ہم ان کے مناظروں کے چند نمونے یہاں پر تحریر کریں۔

---

(۱) اس کتاب کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے فارسی میں'' آنگاہ۔۔۔۔ ہدایت شدم) کے نام سے اس کا ترجمہ لوگوں نے بہت پسند کیا اور دیکھتے دیکھتے اس کا آٹھواں ایڈیشن بھی چھپ گیا۔ اسی طرح اردو میں اس کے مختلف ترجمے ہوئے جن میں علامہ ذیشان حیدر جوادی (مجھے راستہ مل گیا) اور علامہ روشن علی خان نجفی مرحوم (پھر میں ہدایت پا گیا) کے ایران سے شائع ہونے والے تراجم قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر تیجانی سے آیت اللہ شہید صدر کا مناظرہ

ڈاکٹر تیجانی پہلے مالکی مذہب کے پیروکار تھے انہوں نے تیونس سے نجف اشرف کا سفر کر کے اپنے دوست کے ذریعے آیت اللہ العظمی سید شہید صدر(۱) کی خدمت میں پہنچے انھوں نے وہاں پہنچ کر تحقیق اور مناظرہ شروع کیا۔

ڈاکٹر تیجانی سے پہلے اس طرح سوال شروع کئے۔

علماء سعودی کہتے ہیں۔

''قبر پر ہاتھ رکھنا (چومنا) صالحین کو وسیلہ قرار دینا اور ان سے متبرک ہونا شرک ہے اس بارے میں آپ کا نظریہ کیا ہے؟''

---

(۱) حضرت آیۃ اللہ شہید سید محمد باقر الصدر رحمتہ اللہ علیہ ۱۳۵۳ھ ق میں کاظمین میں متولد ہوئے اور جوانی ہی میں مجتہد مسلم ہو گئے آپ نے مختلف موضوعات مثلاً فقہ،اصول، منطق، فلسفہ اور اقتصاد پر تقریباً ۲۴ کتابیں لکھی ہیں۔ ۲۰ سال اپنے قلم اور بازو دو سے عراق کی بعثی حکومت سے مسلسل جہاد کرنے کے بعد آخر کار ۴۷ سال کی عمر میں اپنی مجتہدہ بہن ''بنت الھدی'' کے ساتھ یزید صفت عراق کی بعث پارٹی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

آیت اللہ صدر نے فرمایا۔ "اگر کوئی انسان اس عقیدہ سے قبر چومے یا انہیں وسیلہ قرار دے کہ وہ (بغیر اذن خدا کے) مستقل طور پر ہمیں ضرر و نفع پہنچا سکتے ہیں تو یہ شرک ہے لیکن مسلمان خدا وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے والا جانتا ہے کہ صرف اور صرف خدا ہے جو ضرر و نفع پہنچا سکتا ہے اور یہ اولیاء خدا اور اس کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں انہیں اس طرح واسطہ و وسیلہ قرار دینا ہرگز شرک نہیں ہے۔ تمام سنی اور شیعہ مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آج تک اسی نظریہ پر متفق ہیں۔

یہ صرف وہابیت اور علماء سعودی ہیں جو اسی صدی میں پیدا ہوئے ہیں انہوں نے ہم مسلمانوں کے خلاف ایک ڈھونگ رچا رکھا ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کے خون کو مباح بھی جانتے ہیں اور ان کے درمیان فتنہ انگیزی کرتے ہیں یہ لوگ قبر کو چومنا اور آئمہ علیہم السلام کو وسیلہ قرار دینا شرک سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد شہید نے فرمایا۔

سید شرف الدین (شیعوں کے ایک عظیم محقق) صاحب کتاب "المراجعات" "عید غدیر" کے موقع پر خانہ خدا کی زیارت کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں دستور کے مطابق عبدالعزیز (۱) کو مبارک باد پیش کرنے کے لئے عید قربان کے روز تمام سعودی علماء کے ساتھ ساتھ ان کی بھی

---

(۱) مسلک وہابیت "شیخ محمد بن عبدالوہاب" کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ وہ ۱۱۱۵ھ میں نجد کے ایک شہر "عنیہ" میں پیدا ہوا اس شہر میں اس کا باپ قاضی تھا۔

۱۱۵۲ھ میں اس نے خود ساختہ وہابی عقائد کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔ کچھ لوگوں نے اس کی پیروی کی اور ۱۱۶۰ھ میں یہ نجد کے ایک دوسرے مشہور و معروف شہر "درعیہ" چلا گیا جہاں اس نے شہر کے حاکم "محمد بن سعود" سے راہ و رسم پیدا کی اور پھر ان دونوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مل جل کر اس نئے عقیدے کی ترویج کریں گے (آئین وہابیت، ص ۲۶، ۲۷) لہذا جیسا کہ ہم آج دیکھ رہے ہیں یہ منحرف مذہب ۱۲ صدی ہجری میں پیدا ہوا اور آل سعود کے ہاتھوں پھلتا پھولتا رہا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب ۱۲۰۶ھ ہجری میں مر گیا اس کے بعد بھی اس کے ماننے والوں نے اس کے مذہب کو قائم رکھا البتہ اس کے تمام عقائد، سن ۶۶۱ھ کی منحرف شخصیت "احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ" کے مرہون منت ہیں اگر یہ کہا جائے کہ تقریباً چھ سو سال کے عرصے تک مردہ پڑے، ابن تیمیہ کے منحرف عقائد اور مختلف بدعتوں کو عبدالوہاب نے نئے سرے سے سنوارا سجایا اور لوگوں کے درمیان پھر سے زندہ کیا تو قطعاً غلط نہ ہوگا۔ کیونکہ تحقیق کرنے پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج کی وہابیت ابن تیمیہ کے خود ساختہ عقائد و نظریات کی بنیادوں پر استوار ہے۔ (ابن تیمیہ صائب عبدالحمید) ۱۲۲۶ھ میں وہابی شاہ سعود نے بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ کربلا پر دھاوا بول دیا اور پانچ ہزار یا اس سے زیادہ افراد کو تہہ تیغ کر ڈال (تاریخ کربلا، ص ۱۷۲)

دعوت ہوئی تمام علماء کے ساتھ ساتھ وہ بھی محل میں داخل ہوئے لوگ مبارک باد دیتے رہے لیکن جب آپ کی باری آئی تو آپ نے پہنچ کر عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ہدیہ کے طور پر ایک بہت ہی پرانا قرآن دیا۔ اس نے قرآن لے کر اس کا بوسہ دیا اور مارے احترام و تعظیم کے اسے اپنی پیشانی سے مس کیا۔ سید شرف الدین نے فرصت غنیمت جان کر اچانک اس سے کہا۔ ''اے بادشاہ اس جلد کا بوسہ کیوں لے رہے ہو؟ یہ تو بکری کی کھال سے بنائی گئی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں کھال کا نہیں بلکہ جو قرآن اس کے اندر ہے اس کا بوسہ لے رہا ہو۔''

جناب شرف الدین نے فوراً فرمایا۔

''بہت اچھا بادشاہ ہم شیعہ بھی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسم کے روضے کے دروازہ اور کھڑکی کا بوسہ لیتے ہیں تو یہ جانتے ہیں کہ یہ صرف لوہا ہے یہ ہمیں کوئی نقصان یا فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہے ہماری غرض کھڑکی اور دروازہ سے نہیں بلکہ اس سے ماوراء چیز یعنی ہماری غرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام اور تعظیم ہوتی ہے یہ تعظیم اور تکریم بالکل اسی طرح ہے جس طرح تم بکری کی کھال چونکہ قرآن کی تعظیم و تکریم کر رہے ہو۔

یہ سن کر تمام حاضرین نے تکبیر کہی اور ان کی تصدیق کی اس کے بعد ملک عبدالعزیز نے مجبور ہو کر حاجیوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے کو بوسہ دینے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس کے بعد جو بادشاہ آیا اس نے اس گزشتہ قانون کی کوئی رعایت نہیں کی۔

یہ سب دیکھتے ہوئے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں شرک نہیں ہیں بلکہ وہابیوں نے لوگوں کے درمیان اس لئے یہ پروپیگنڈا پھیلایا ہے تا کہ وہ اس سیاست کی بنیاد پر مسلمانوں کا خون مباح قرار دیں اور مسلمانوں پر اپنی حکومت باقی رکھیں۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ وہابیوں نے امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مصائب کے کتنے پہاڑ توڑے ہیں۔

---

(۱) ''آنگاہ ہدایت شدم'' (پھر میں ہدایت پا گیا) سے اقتباس، ص ۹۲

اذان واقامت میں حضرت علی علیہ السلام کا نام

ڈاکٹر تیجانی: ''شیعہ حضرات اذان واقامت میں اس بات کی گواہی کیوں دیتے ہیں کہ علی علیہ السلام ولی خدا ہیں؟''

''آیت اللہ باقر الصدر: ''کیونکہ علی علیہ السلام بندگان خدا میں ایک برگزیدہ بندے ہیں اور خداوند متعال نے انھیں لوگوں پر فضیلت وبرتری عطا کی ہے تاکہ امامت کے بار سنگین کو وہ اپنے دوش مبارک پر اٹھا سکیں یہ آئمہ علیہم السلام پیغمبروں کے اوصیاء اور جانشین ہیں اور جس طرح ہر پیغمبر کے پاس اس کا ایک جانشین ہوتا تھا اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں ہم لوگ انھیں تمام اصحاب پر مقدم رکھتے ہیں کیونکہ خداوند متعال اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں تمام لوگوں سے افضل اور برتر جانا ہے اور ان کی فضیلت وبرتری کے لئے ہمارے پاس قرآن حکیم اور احادیث سے دلیل عقلی اور نقلی دونوں موجود ہیں اور ان دلیلوں میں کسی طرح کے کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ دلیلیں صرف ہمارے لحاظ سے متواتر نہیں ہیں بلکہ اہل سنت حضرات کی کتابوں میں بھی تواتر کی حیثیت رکھتی ہیں (۱)''

اس سلسلے میں ہمارے علماء نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں کیونکہ بنی امیہ کی حکومت کے زمانہ میں مولائے کائنات کی خلافت کو نابود کرنے اور ان کے بیٹوں کو قتل کرنے پر سارے حکمران تلے ہوئے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ سلمان منبر سے آپ پر لعن وطعن کرتے تھے اور معاویہ ان مسلمانوں کی اپنی طاقت کے بل بوتے پر اس کے لیے ترغیب کرتا تھا۔

اسی لئے شیعہ اور علی علیہ السلام کے تمام پیروں کار اذان اور اقامت میں گواہی دیتے ہیں کہ علی ابن ابی طالب علیہم السلام ولی خدا ہیں اور یہ چیزیں مناسب نہیں کہ کوئی مسلمان ولی خدا پر لعنت بھیجے۔ دراصل شیعوں کی یہ روش اس زمانے کے حکام سے ایک طرح کا اعلان جنگ تھا تاکہ خدا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنوں کی عزت کو قائم ودائم رکھے اور یہ تاریخی حوصلہ مسلمانوں کی آئندہ آنے والی نسلوں میں باقی رہے اور علی علیہ السلام کی حفاظت اور ان کے دشمنوں کی سازشوں سے پوری طرح آگاہ رہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے اس روش کو باقی رکھا کہ

ولایت علی علیہ السلام کی گواہی اذان و اقامت کے دوران مستحب جانا نہ کہ اسے اذان اور اقامت کا جزء قرار دیا ہے۔

اب اس وجہ سے اگر کوئی شخص ولایت علی علیہ السلام کی گواہی اذان و اقامت کا جز (واجب) سمجھ کر دے تو اس کی اذان و اقامت باطل ہے۔

٦٦- آیت اللہ العظمی آقائی خوئی طاب ثراہ سے گفتگو

ڈاکٹر تیجانی سماوی کہتے ہیں:

جب میں سنی تھا اور نیا نیا نجف اشرف میں وارد ہوا تو اپنے دوست کے ذریعے آیت اللہ العظمی آقائے خوئی کی خدمت میں جانے کا شرف حاصل ہوا۔ میرے دوست نے آقائی خوئی کے کانوں میں کچھ کہا اور مجھ سے اشارہ کیا کہ آپ کے قریب آکر بیٹھ جاؤں میں جا کر وہاں بیٹھ گیا تو میرے دوست نے اس بات پر بہت اصرار کیا کہ میں تیونس کے شیعوں کے متعلق اپنا اور وہاں کے لوگوں کا نظریہ بیان کروں۔ میں نے کہا۔

''شیعہ ہمارے ہاں یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ خداوند متعال کی عبادت کرتے ہیں اور موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام سے عقیدت رکھتے ہیں لیکن جو میں شیعوں کے بارے میں جانتا ہوں وہ یہ کہ وہ علی علیہ السلام کی پرستش کرتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اور انہیں پاک و پاکیزہ اور مقدس قرار دیتے ہیں۔ ان کے درمیان ایک اور گروہ بھی ہے جو خداوند متعال کی عبادت کرتا ہے لیکن علی علیہ السلام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزلت و مقام سے بہت ہی ارفع و اعلیٰ سمجھتا ہے اور یہاں تک کہتا ہے کہ پہلے یہ طے تھا کہ جبرئیل علیہ السلام قرآن کریم کو علی علیہ السلام کے پاس لے آئیں لیکن انھوں نے خیانت کی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر چلے گئے۔''

آقائے خوئی نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکائے رکھا اس کے بعد فرمایا۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ خداوند متعال کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس کے رسول ہیں'' اللھم صلی علیٰ محمد و آل محمد ''اور گواہی دیتا ہوں کہ علی علیہ السلام خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف نظر کی اور میری طرف اشارہ کر کے کہا۔'' اس بے چارے کو دیکھو کس طرح فریب اور تہمت کا شکار ہوا ہے یہ عجیب بات نہیں ہے بلکہ میں نے تو اس سے بھی بدتر باتیں دوسرے لوگوں سے سنی ہیں'' لاحول ولا قوۃ الا باللہ '' اس کے بعد میری طرف رخ کر کے فرمایا۔

'' کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟''

میں نے کہا۔'' ابھی میری عمر کے دس سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ میں نے آدھا قرآن حفظ کر لیا تھا۔''

انھوں نے فرمایا۔'' کیا تم یہ جانتے ہو کہ اسلام کے تمام گروہ آپس میں مذہبی اختلاف کو چھوڑ کر قرآن کی حقانیت کے بارے میں اتفاق رکھتے ہیں؟ اور جو قرآن ہمارے پاس ہے وہی قرآن تمہارے پاس بھی ہے۔''

میں نے کہا۔'' ہاں میں جانتا ہوں۔''

انھوں نے کہا۔'' کیا تم نے اس آیت کو پڑھا ہے۔''

'' وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل '' (سورہ آل عمران ۱۴۴)

اور خدا یہ بھی فرماتا ہے۔

'' محمد رسول الله والذین آمنو اشداء علیٰ الکفار '' (سورہ فتح ۲۹)

پھر یہ بھی ملتا ہے۔

'' ماکان محمد ابااحد من رجا لکم و لکن رسول الله و خاتم النبیین '' (سورہ احزاب ۴۰)

کیا تم نے ان آیتوں کا مطالعہ کیا ہے؟

میں نے کہا۔'' ہاں میں ان آیتوں سے واقف ہوں۔''

انھوں نے فرمایا۔'' ان آیتوں میں علی علیہ السلام کہاں ہیں؟ تم دیکھتے ہو کہ یہ باتیں رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ہیں نہ کہ علی علیہ السلام کے لئے اور ہم اور تم دونوں گروہ کے لوگ قرآن کو قبول کرتے ہیں۔ اب کس طرح ہم لوگوں پر تم یہ تہمت لگاتے ہو کہ ہم پیغمبر اسلام سے

حضرت علی علیہ السلام کو افضل و برتر سمجھتے ہیں؟"

یہ سن کر میں نے سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

اس کے بعد انہوں نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔"جبرائیل کی خیانت کے بارے میں تم لوگ جو تہمت لگاتے ہو کہ ہم شیعہ کہتے ہیں کہ جبرائیل نے خیانت کی ہے یہ تہمت پہلے والی تہمت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (آغاز بعثت میں) نازل ہوئے تو علی علیہ السلام دس سال سے بھی کم عمر تھے تو کس طرح جناب جبرائیل نے غلطی کی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ کے درمیان فرق کو نہ سمجھ پائے؟"

تھوڑی دیر خاموش رہ کر میں نے ان کی باتوں پر غور کیا تو میں سمجھ گیا کہ یہ تمام باتیں سچ ہیں انھوں نے فرمایا: "ضمناً یہ بھی کہہ دوں کہ اسلام کے تمام گروہوں میں صرف شیعوں کا الگ گروہ ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اطہار علیہم السلام کی عصمت کا معتقد ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ہمارا ہی عقیدہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ہر طرح کی غلطی اور شبہ سے محفوظ ہیں۔"

میں نے کہا۔ "یہ سب جو مشہور ہے وہ کیا ہے؟"

انہوں نے فرمایا۔ "یہ سب تہمت اور غلط افواہیں ہیں جو مسلمانوں کے درمیان جدائی پیدا کرنے کے لئے گڑھ لی گئی ہیں تم تو الحمد للہ ایک عاقل انسان ہو اور ان مسائل کو اچھی طرح سے سمجھتے ہو اب تمہیں چاہیے کہ شیعوں اور ان کے مراکز علمی کو قریب سے دیکھو اور غور و فکر کرو اس طرح کی چیزیں ان کے درمیان پائی جاتی ہیں۔"

میں جب تک نجف اشرف میں رہا شیعوں کے سلسلہ میں جتنی بھی بزدلانہ تہمتوں کو سن رکھا تھا ان سب کے بارے میں تحقیق کرتا رہا۔

نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کا ایک وقت میں انجام دینا

ہم یہ جانتے ہیں کہ اہل سنت حضرات نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ایک ہی وقت میں انجام دینا باطل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر نماز کو الگ الگ کر کے اس کے وقت پر پڑھنا چاہیے اور جس

طرح نماز ظہر وعصر کے درمیان فاصلہ رکھے اسی طرح مغرب وعشاء کے درمیان فاصلہ رکھنا چاہیے۔

ڈاکٹر تیجانی سماوی کہتے ہیں کہ جب میں سنی تھی تو اس بنیاد پر نماز ظہر وعصر اور مغرب و عشاء کو ایک وقت میں انجام دینا باطل سمجھتا تھا لیکن جب میں نجف اشرف میں وارد ہوا اور اپنے دوست کی راہنمائی میں حضرت آیت اللہ صدر کی خدمت میں پہنچا تو ظہر کا وقت ہو گیا جب آپ مسجد کی طرف روانہ ہوئے تو ساتھ ساتھ میں اور ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تمام افراد مسجد کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر نماز میں مشغول ہو گئے۔

میں نے دیکھا کہ آیت اللہ باقر الصدر نے نماز ظہر کے چند منٹ بعد نماز عصر بھی پڑھ لی اور میں اس وقت ایسی حالت اور ایسی جگہ پر تھا کہ صف سے باہر نکل کر نہیں آ سکتا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب میں نے نماز ظہر وعصر کو ایک ہی وقت میں انجام دیا لہذا میں بڑے شش و پنج میں مبتلا تھا کہ آیا میری نماز عصر صحیح ہے یا نہیں؟

اس دن میں شہید صدر کا مہمان تھا مجھے جیسے ہی موقع ہاتھ میں آیا ان سے پوچھ لیا۔

''کیا یہ صحیح ہے کہ مسلمان دو نمازوں کو ضرورت کے وقت ایک ساتھ انجام دیں؟''

شہید صدر: ''ہاں دو فریضوں کو ایک کے بعد دیگرے انجام دینا جائز ہے خواہ وہ ضرورت کے وقت ہو یا نہ''

میں نے پوچھا۔ ''اس فتوے پر آپ کی دلیل کیا ہے؟''

شہید صدر: ''چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں بغیر کسی ضرورت کے خواہ وہ سفر یا خوف یا بارش ہو رہی ہو نماز ظہر وعصر اور اسی طرح مغرب وعشاء کو ایک بعد دیگرے انجام دی ہے اور آپ کا یہ عمل اس لئے تھا تا کہ ہم سے مشقت کم ہو جائے اور اسی طرح یہ عمل ہمارے عقیدہ کے مطابق ہمارے آئمہ علیہم السلام سے بھی ثابت ہے۔

اور ہم لوگوں کی طرح تم اہل سنت حضرات کے نزدیک بھی روایت سے یہ چیز ثابت ہے مجھے تعجب ہوا کہ کس طرح ہمارے نزدیک ثابت ہے کیونکہ آج تک نہ میں نے کہیں سنا تھا اور نہ اہل سنت کو دیکھا تھا کہ کسی نے اس طرح انجام دیا ہو بلکہ وہ لوگ اس کے برخلاف کہتے ہیں کہ اگر نماز اذان سے ایک منٹ بھی پہلے واقع ہو جائے تو نماز باطل ہے چہ رسد بہ اینکہ کوئی شخص نماز عصر کو ایک گھنٹہ پہلے نماز ظہر کے فوراً بعد پڑھے یا نماز عشاء کو نماز مغرب کے بعد فوراً پڑھے ان چیزوں سے

ابھی تک میں بالکل نا آشنا تھا اور میرے نزدیک یہ چیزیں باطل بھی تھیں"

آقائی صدر نے میرے چہرے سے معلوم کرلیا کہ میں اس بات پر تعجب کر رہا ہوں کہ ظہر کے بعد عصر اور مغرب کے بعد عشاء بغیر کسی فاصلہ کے کیسے پڑھنا صحیح ہے؟ اسی وقت انھوں نے اپنے ایک طالب علم کی طرف اشارہ کیا اور اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک کتاب کی ۲ جلد میں میرے پاس لاکر رکھ دیں میں نے دیکھا اس میں ایک صحیح مسلم ہے اور دوسری صحیح بخاری تھی۔

آیت اللہ صدر نے اس طالب علم سے کہا کہ مجھے وہ حدیث دکھا دے جس میں دونوں فریضوں کو ایک وقت میں پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے میں نے ان دونوں کتابوں میں پڑھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ظہر وعصر اور مغرب وعشاء بغیر خوف بارش او بغیر کسی ضرورت کے ایک ساتھ انجام دیا ہے اور کتاب صحیح مسلم میں مجھے اس سلسلہ میں پورا ایک باب ملا۔ یہ دیکھ کر میں کافی حیران و پریشان ہوا اور سوچ رہا تھا کہ خدایا اس وقت میں کیا کروں اسی وقت میرے دل میں ایک شک پیدا ہوا کہ شاید یہ دو کتابیں (صحیح مسلم اور صحیح بخاری) جو میں نے یہاں دیکھی ہیں تحریف شدہ ہوں یا نقلی ہوں اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ جب میں اپنے ملک تیونس واپس جاؤں گا تو ان دو کتابوں کا بغور مطالعہ کر کے اس موضوع پر تفصیلی طور پر تحقیق کروں گا۔

اسی وقت شہید صدر نے مجھ سے پوچھا۔"اب ان دلیلوں کے بعد تمہای کیا رائے ہے؟"

میں نے کہا۔"آپ حق پر ہیں اور حق کہنے والے ہیں۔"

اس کے بعد میں نے آیت اللہ کا شکریہ ادا کیا لیکن میرا دل مطمئن نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ جب میں اپنے وطن واپس پہنچا تو صحیح مسلم اور صحیح بخاری کو لے کر پڑھا اور تفصیلی طور سے تحقیق کی تو اچھی طرح سے قانع ہوگیا کہ نماز ظہر وعصر اور اسی طرح مغرب وعشاء ایک کے بعد دوسری پڑھنا بغیر کسی ضرورت کے اشکال نہیں رکھتا ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کام کو انجام دیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ امام مسلم اپنی کتاب "سفر" کے علاوہ "دو نمازوں کے اجتماع" (۱) کے باب میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو بغیر خوف یا بارش کے ایک ساتھ انجام دی ہے۔ ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں ایسا کیا تو ابن عباس نے جواب میں کہا۔

---

(۱) صحیح مسلم، ج۲، ص۱۵۱ (باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر) -- (۲) وہی ماخذ، ص۱۵۲

''لکی لا یحرج امۃ'' ''تاکہ امت کو دشواری نہ ہو۔''(۲)

اور کتاب صحیح بخاری میں بھی ج۱ص۱۴۰) باب ''وقت مغرب'' میں میں نے دیکھا اور پڑھا کہ ابن عباس نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات رکعت نماز (نماز مغرب وعشاء) ایک ساتھ پڑھی اور آٹھ رکعت (ظہر وعصر) نماز ایک ساتھ انجام دی اور اسی طرح کتاب ''مسند احمد'' (۳) میں دیکھا کہ اس موضوع پر روایت ہوئی تھی اسی کتاب ''الموطا'' (۴) میں نے دیکھا کہ ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''صلی رسول اللہ الظهر والعصر جميعا والمغرب والعشاء جميعافی غير خوف ولاسفر''

رسول خدا نے بغیر کسی خوف وسفر کے نماز ظہر وعصر اور مغرب وعشاء ایک ساتھ پڑھی۔

نتیجہ یہ ہے کہ جب یہ مسئلہ اس طرح واضح اور روشن ہے تو اہل سنت کیوں تعصب اور بغض کی وجہ سے اسی موضوع کو لے کر شیعہ پر بڑے بڑے اعتراض کرتے ہیں؟

چراغ تلے اندھیرا کیوں؟ ان کی کتاب میں تو خود ہی اس چیز کا جواز ثابت ہے(۵)

---

(۲) وہی ماخذ' ص۱۵۲

(۳) مسند امام احمد حنبل' ج۱' ص۲۲۱

(۴) موطا الامام مالک (شرح الحوالک) ج۱' ص۱۱

(۵) وکوانوا مع الصادقین' ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی طبع بیروت' ص۲۱۰ سے ۲۱۴ تک سے خلاصے کے ساتھ اقتباس

اہل سنت کے امام جماعت سے ایک پر لطف مناظرہ

ڈاکٹر تیجانی کہتے ہیں:

''میں نے دونمازوں کو ایک ساتھ جمع کر کے پڑھنے کا واقعہ اہل سنت کی کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مطابق تیونس میں اپنے بعض دوستوں اور بعض علماء کے درمیان بیان کر

دیا۔ چند لوگوں نے اس چیز کے صحیح ہونے کے سلسلے میں معلومات حاصل کرلیں اور اس بات کی خبر جب شہر "قفصہ" (تیونس کا ایک شہر) کی ایک مسجد کے امام جماعت کے کانوں تک پہنچی تو وہ سخت ناراض ہوا اور اس نے کہا جو اس طرح کی فکر رکھتے ہیں وہ نہایت بے دین ہیں اور قرآن کے مخالف ہیں کیونکہ قرآن فرماتا ہے۔

"ان الصلوة کانت علی المومنین کتابا موقوتا" (سورہ کہف ۱۰۳)

بلاشبہ نماز مومنوں پر معین وقت پر فرض کی گئی ہے

ہدایت پانے والوں میں سے میرا ایک دوست بھی تھا جس کا معیار علمی بہت ہی بلند و بالا تھا اور وہ بہت ہی ذہین و چالاک بھی تھا۔ اس نے بہت ہی غصے کی حالت میں میرے پاس آکر امام جماعت کے قول کو نقل کیا۔ میں نے دو کتاب صحیح مسلم اور صحیح بخاری اسے لاکر دی اور اس سے کہا کہ نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھنے والے باب کا مطالعہ کرو۔ مطالعہ کے بعد اس کے نزدیک بھی یہ مسئلہ ثابت ہوگیا۔ یہاں تک کہ میرا یہ دوست جو ہر روز اسی امام جماعت کی نماز میں شرکت کرتا تھا ایک دن جماعت کے بعد اس کے درس میں آکر بیٹھ گیا اور امام جماعت سے پوچھا۔ "نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ایک ساتھ پڑھنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

امام جماعت: "یہ شیعوں کی ایک بدعت ہے۔"

میرے دوست نے کہا۔ "ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بات صحیح مسلم اور صحیح بخاری سے بھی ثابت ہے۔"

امام جماعت: "نہیں۔ ثابت نہیں ہے۔ اس طرح کی چیز کا ہونا اس کتاب میں مشکل ہے۔"

میرے دوست نے وہ دونوں کتابیں اسے تھما دیں اس نے وہی باب پڑھا۔ جب اس کے درس میں حاضر ہونے والے دوسرے نماز گزاروں نے اس سے دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنے کے متعلق پوچھا تو اس نے کتابیں بند کر کے مجھے دیتے ہوئے انہیں جواب دیا۔ "دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنے کا جواز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہیں جب تم رسول خدا ہو جانا اس وقت تمہارے لئے بھی یہ جائز ہو جائے گا۔"

میرے دوست نے کہا۔ "اس کی اس بات سے میری سمجھ میں آگیا کہ یہ ایک متعصب جاہل ہے اور اس دن میں نے قسم کھالی کہ آج سے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا۔"

اس طرح ایک حکایت کو نقل کرنا مناسب ہوگا۔ کہتے ہیں کہ دو شکاری شکار کرنے صحرا کی طرف روانہ ہوئے صحرا میں پہنچ کر دور سے انہوں نے کالے رنگ کی ایک چیز دیکھی تو ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ کوا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "نہیں یہ بکری لگ رہی ہے۔"

دونوں میں بحث ہونے لگی اور دونوں اپنی اپنی بات صحیح ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

جب دونوں کے دونوں اس کالی چیز کے قریب پہنچے تو ناگاہ دیکھا کہ کوا تھا جو اڑ گیا۔

پہلے نے کہا۔ "میں نے کہا تھا نہ کہ کوا ہے کیا اب تم مطمئن ہو گئے؟"

لیکن دوسرا اپنی بات پر اڑا ہوا تھا یہ دیکھ کر پہلے والے نے کہا۔

"کتنے تعجب کی بات ہے بکری بھی اڑتی ہے"

ڈاکٹر تیجانی کہتے ہیں:

"اس کے بعد میں نے اپنے دوست کو بلا کر اس سے کہا۔ "اس امام جماعت کے پاس جاؤ اور اسے صحیح بخاری میں وہ روایت دکھاؤ جہاں یہ نقل ہوا ہے کہ ابن عباس اور انس بن مالک اور دوسرے بہت سے اصحاب نے نماز ظہرین اور مغربین کو لگاتار رسول خدا کی اقتدا میں پڑھا ہے اس طرح کی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا رسول خدا کے خصائص میں سے ہرگز نہیں ہے کیا ہم رسول خدا کو اپنا نمونہ عمل نہیں سمجھتے؟ مگر میرے دوست نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے پاس اگر رسول خدا بھی آ کر یہ حکم بتائیں تو بھی وہ قانع نہیں ہوگا (۱)"

---

(۱) مع الصادقین سے اقتباس ، ص ۲۱۴ و ۲۱۵

قاضی مدینہ کی لاچاری

ڈاکٹر محمد تیجانی کہتے ہیں:

میں مدینہ میں مسجد نبوی سے مشرف ہوا تو وہاں دیکھا کہ ایک خطیب کچھ نمازیوں کے

درمیان بیٹھ کر درس دے رہا ہے میں نے اس کے درس میں شرکت کی وہ چند آیتوں کی تفسیر کر رہا تھا لوگوں کی باتوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ مدینہ کا قاضی ہے۔ جب اس کا درس ختم ہو گیا تو وہ اٹھ کر جانے لگا ابھی وہ مسجد سے باہر نکلنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے آگے جا کر اسے روکا اور اس سے کہا۔

''مہربانی کر کے مجھے یہ بتائیں کہ آیت تطہیر میں اہل بیت سے مراد کون ہیں؟''

قاضی نے بغیر کسی جھجک کے جواب دیا۔

''یہاں اہل بیت سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بیویاں ہیں کیونکہ اس سے پہلے والی تمام آیتوں میں ازواج نبی کو خطاب کیا گیا ہے جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا۔

''وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولی............''

میں نے کہا۔

''شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت علی و فاطمہ' حسن و حسین علیہم السلام سے مخصوص ہے میں نے ان سے کہا کہ آیت کی ابتدا رسول خدا کی ازواج سے متعلق ہے یعنی آیت کی شروعات ہی اس جملے سے ہوتی ہے۔

''یا نساء النبی''

تو ان لوگوں نے جواب میں کہا۔

''جو بھی اس آیت کے شروع میں آیا ہے وہ خصوصی طور پر لفظ مونث کے صیغہ کے ساتھ ذکر ہوا ہے جیسے 'لستن'' فلا تخضعن'' قرن فی بیوتکن' وغیرہ لیکن آیت کے آخری حصے تک پہنچتے پہنچتے اس کا انداز بدل گیا ہے اور اس کی ضمیریں جمع مذکر کے طور پر ذکر ہوئی ہیں جیسے ''عنکم''، ''یطھرکم'' وغیرہ

قاضی نے اپنی عینک اوپر اٹھائی اور مجھے کوئی استدلالی جواب دینے کے بجائے کہنے لگا۔

''خبردار! شیعوں کی زہر آلود فکر جو آیت و قرآن کی تاویل نفسانی خواہشات کی بنا پر کرتے ہیں ان کے چکر میں نہ آنا۔''

یہاں پر ہم اس بحث کی تکمیل کے لئے ''تفسیر المیزان'' سے استفادہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سب کے علاوہ بھی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ یہ آیت جو سورہ احزاب کے آخر میں ذکر ہوئی ہے وہ اپنے سے پہلے والی آیات کے ساتھ ہی نازل ہوئی ہے بلکہ روایتوں سے اچھی طرح یہ پتہ چلتا ہے کہ آیت کا یہ حصہ الگ سے نازل ہوا ہے لہذا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے بعد قرآن جمع کیا گیا تو اس آیت کو ان آیات کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔(۱)

اس کے علاوہ اہل سنت حضرات سے متعدد روایات اس سلسلہ میں نقل ہوئی ہیں کہ آیت مذکورہ میں اہل بیت سے مراد علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام ہیں اور یہاں تک کہ ازواج پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے ام سلمہ، عائشہ وغیرہ سے بھی نقل ہوا ہے کہ آیت تطہیر میں اہلبیت مراد علی فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(۲)

---

(۱) المیزان، ج ۱۶، ص ۱۱۴

(۲) شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۱۱، اور ۲۵ کے بعد (اس "احقاق الحق" کی ج ۲ میں بھی آیا ہے۔)

آل محمدؑ پر صلوات بھیجنے کے بارے میں مناظرہ

ہم جانتے ہیں کہ اہل سنت حضرات جب علی علیہ السلام کا نام لیتے ہیں، تو علیہ السلام کی جگہ "کرم اللہ وجھہ" کہتے ہیں۔ جبکہ دیگر تمام اصحاب کو "رضی اللہ عنہ" کہتے ہیں کیونکہ خود وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ امام علی علیہ السلام نے کوئی گناہ نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ انہیں رضی اللہ عنہ کہیں بلکہ ان کے لئے کرم اللہ وجھہ کہنا چاہیے کہ اس کے ذریعے ان کا مقام بلند ہوتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام کے نام کے ساتھ وہ لوگ علیہ السلام کیوں نہیں کہتے؟

اسی سوال کے جواب کے سلسلے میں آنے والے مناظرے کی طرف آپ توجہ فرمائیں۔

ڈاکٹر تیجانی: "تم شیعہ حضرات علی علیہ السلام کے مقام کو اس حد تک بڑھا دیتے ہو کہ انہیں پیغمبروں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیتے ہو کیونکہ تم لوگ ان کے نام کے بعد کرم اللہ وجھہ کہنے کی بجائے علیہ السلام یا علیہ الصلوۃ والسلام کہتے ہو جبکہ صلوات وسلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہے جیسا کہ ہم قرآن میں پڑھتے ہیں۔

"ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما" (سورہ احزاب آیت نمبر ۵۶)

استاد منعم: ''ہاں تم نے سچ کہا۔ ہم جب بھی حضرت علی علیہ السلام یا ان کے علاوہ دیگر ائمہ کا نام لیتے ہیں تو علیہ السلام کہتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم انھیں پیغمبر یا ان کے رتبہ کے برابر جانتے ہیں۔''

ڈاکٹر تیجانی: ''تو پھر کس دلیل سے ان پر سلام وصلوات بھیجتے ہو۔''

استاد منعم: ''اسی آیت کی دلیل سے کہا جاتا ہے (ان اللہ۔۔۔۔) کیا تم نے اس کی تفسیر پڑھی ہے؟ شیعہ اور سنی دونوں متفقہ طور پر یہ نقل کرتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی تو چند صحابیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔

''یا رسول اللہ! آپ پر سلام بھیجنا تو ہم جانتے ہیں لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم کہ آپ پر صلوات کس طرح بھیجی جائے گی؟'' رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

تم اس طرح کہو''اللهم صلی علی محمد وآل محمد کما صلیت علی ابراهیم وآل ابراهیم فی العالمین انك حمید مجید'' (صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۵۱ ۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۵)

خدایا محمد وآل محمد پر اسی طرح درود ورحمت نازل فرما۔ جس طرح تو نے ابراہیم اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی ہے تو بلاشبہ حمید اور جواب دینے والا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا:

''لا تصلوا علی الصلوٰة البتراء (مجھ پر دم کٹی صلوات نہ بھیجنا)''

صحابیوں نے آپ سے اس کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔

''یہ کہ تم صرف کہو''اللهم صلی علی محمد'' بلکہ تمہیں اس طرح کہنا چاہیے''اللهم صلی علی محمد وآل محمد'' یہ پوری صلوات ہے۔(۱)

اس کے علاوہ متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ پوری صلوات پڑھو اور آخر کے جملہ میں آل کو حذف نہ کرو یہاں تک کہ نماز کے تشہد میں تمام فقہا نے اہل بیت علیہم السلام پر صلوات بھیجنے کو واجب قرار دیا ہے اور اہل سنت کے فقہا میں امام شافعی نے واجبی نمازوں کے دوسرے تشہد میں اسے واجب جانا ہے(۲)

---

(۱) الصواعق المحرقہ، ص ۱۴۴ (۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۶، ص ۱۴۴

اس بنیاد پر شافعی اپنے مشہور و معروف شعر میں اس طرح کہتے ہیں۔

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم
فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم
من لم یصلی علیکم لا صلوۃ لہ

اے اہل بیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری محبت اللہ کی طرف سے نازل شدہ قرآن میں فرض قرار دی گئی ہے تمہاری عظیم منزلت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ جس نے تم پر صلوات نہ بھیجی اس کی نماز ہی نہ ہوگی۔(۱)

ڈاکٹر تیجانی یہ سب سن کر بہت مضطرب ہو گئے اور استاد منعم کی ساری باتیں ان کے دلنشین ہو گئیں انہوں نے کہا۔

"اس طرح تو میں قبول کرتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجتے وقت ان کی آل کو بھی شامل کرنا چاہیے اسی طرح ہم جب ان پر صلوات بھیجتے ہیں تو ان کی آل کے علاوہ اصحاب وازواج کو بھی شامل کرتے ہیں مگر یہ بات ناقبل قبول ہے کہ جب بھی علی علیہ السلام کا ذکر ہو تو ان کے نام کے ساتھ صلوات بھیجی جائے یا "علیہ السلام" کہا جائے۔"(۲)

استاد منعم: "کیا تمہارے نزدیک کتاب صحیح بخاری معتبر ہے؟"

ڈاکٹر تیجانی: "ہاں یہ کتب تو اہل سنت کے اماموں میں سے ایک بلند پایہ امام "امام

---

(۱) المواہب زرقانی' ج ۷ ص ۷- تذکرہ علامہ' ج ۱' ص ۱۲۶

(۲) مولف کا قول: قرآن میں سورہ "صافات" کی ۱۳۰ ویں آیت میں ہم پڑھتے ہیں "سلام علی آل یسین" (آل یسین پر سلام ہو) ابن عباس سے منقول ہے کہ یہاں "آل یسین" سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں لہذا اس بنا پر قرآنی اعتبار سے بھی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" کہنا درست ہے۔

یہاں تک کہ اس بات کا اعتراف اہل سنت کے ان علماء نے بھی کر لیا جو نت نئے اعتراض گڑھنے کے عادی ہیں مثلا اس طرح کے اعتراضوں میں مشہور سنی عالم "ابن زبھان" جیسے لوگ بھی یہ قبول کرتے ہیں کہ یہاں پر "آل یسین" سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

مزید بات تو یہ ہے کہ اسی صافات میں جناب نوح (آیت ۷۹) جناب ابراہیم (۱۰۹) جناب موسیٰ ہارون (۱۲۰) اور دوسرے مرسلین پر سلام بھیجا گیا ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آل محمد انبیاء کے زمرے میں آتے ہیں اور مذکور آیت آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کی صریحی دلیل ہے (دلائل الصدوق' ج ۲' ص ۳۹۸)

بخاری" کی تالیف کردہ ہے ہمارے نزدیک قرآن کے بعد اسی کتاب کی اہمیت ہے۔"

استاد منعم نے اپنے کتب خانے سے بخاری کا ایک نسخہ لا کر مجھے پڑھنے کے لئے دیا میں نے جب ان کے نکالے ہوئے صفحے کو پڑھا تو مجھے اس پر یہ عبارت نظر آئی۔

"فلاں نے فلاں سے روایت کی اور اس نے علی "علیہ اسلام" سے روایت کی ہے"

میں نے جب بخاری میں یہ جملہ (علیہ السلام) دیکھا تو مجھے بڑا تعجب ہوا۔ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ صحیح بخاری کا نسخہ ہے۔ میں نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور اس کے بعد بڑے غور سے پڑھا تو بھی وہی عبارت نظر آئی اب میرا شک وشبہ جاتا رہا۔

استاد منعم نے صحیح بخاری کا دوسرا صفحہ کھول کر دکھایا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ علی ابن الحسین "علیہما السلام" سے روایت ہے۔ اس کے بعد مجھے کوئی راستہ نظر نہ آیا اور میں نے ان کی بات کو قبول کر لیا۔ البتہ تعجب سے یہ میں نے ضرور کہا۔ "سبحان اللہ! لیکن تھوڑی سی بے یقینی اب بھی میرے ذہن میں موجود تھی، لہذا میں نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ نسخہ "مصر کے پریس، حلبی اینڈ سنس" سے چھپا ہے۔ بہر حال اب قبول کر لینے کے علاوہ میرے پاس کوئی اور راستہ باقی نہیں بچا تھا۔

حدیث غدیر کے متعلق مناظرہ

ڈاکٹر تیجانی کہتے ہیں:

میں نے اپنے وطن تیونس میں، ایک سنی عالم دین سے گفتگو شروع کی اس گفتگو اور مناظرہ میں، میں نے اس طرح سے کہا۔

"تم حدیث غدیر کو قبول کرتے ہو؟"

تیونس کے عالم: "ہاں میں اس حدیث کو قبول کرتا ہوں یہ صحیح ہے۔

میں نے خود قرآن کی تفسیر لکھی ہے جس میں سورہ مائدہ کی ۶۷ ویں آیت کی تفسیر کے دوران حدیث غدیر کو پیش کیا ہے اس کے بعد اس نے اپنی تفسیر میرے سامنے لا کر رکھ دی اور جہاں

اس نے حدیث غدیر کو پیش کیا ہے اس کے بعد اس نے اپنی تفسیر میرے سامنے لاکر رکھ دی اور جہاں اس نے حدیث غدیر کا تذکرہ تھا وہ مجھے دکھایا۔

میں نے اس کتاب میں دیکھا کہ حدیث غدیر کے باب میں اس طرح کی عبارت درج ہے۔

''شیعہ حضرات اس بات کے معتقد ہیں کہ یہ حدیث غدیر صریحی طور پر حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر دلالت کرتی ہے لیکن اہل سنت حضرات کے نزدیک یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ یہ حدیث ابوبکر و عثمان کی خلافت سے منافات رکھتی ہے اس وجہ سے ہمارے لئے یہ لازم ہوگیا کہ اس آیت کی صراحت سے چشم پوشی کرتے ہوئے اس کی تاویل کریں یعنی ہم یہ کہیں کہ یہاں مولیٰ کے معنی دوست اور یار ہیں جیسا کہ قرآن میں یہ لفظ دوست اور یار کے معنی میں آیا ہے اور خلفاء راشدین اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم صحابیوں نے بھی لفظ مولا سے یہی مراد لیا ہے اس کے بعد ان کے تابعین اور علماء مسلمین نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے اور اسی صورت کو مقبول بتایا ہے۔ اس طرح شیعوں کے اس عقیدہ کا کوئی اعتبار نہیں۔''

ڈاکٹر تیجانی: ''کیا خود واقعہ غدیر تاریخ میں پایا جاتا ہے یا نہیں؟''

تیونسی عالم: ''ہاں کیوں نہیں اگر واقعہ غدیر نہ ہوا ہوتا تو علماء و محدثین اسے نقل ہی نہ کرتے۔(۱)

ڈاکٹر تیجانی: ''کیا یہ مناسب ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج سے واپسی کے وقت غدیر خم کے تپتے ہوئے صحراء میں ہزاروں مرد، عورتوں اور بچوں کے مجمع میں سب کو روک کر ایک طویل خطبہ دیں اور اس کے بعد یہ اعلان کریں کہ علیؑ تمہارے دوست اور مددگار ہیں کیا تم اس طرح کی تاویل کو پسند کرتے ہو؟''

تیونسی عالم: ''بعض صحابی رسولؐ نے جنگ کے دوران حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں نقصان اٹھایا تھا ان میں سے بہت سے ایسے تھے جن کے دلوں میں ان کی طرف سے کینہ پرورش پا رہا تھا لہذا رسول خدا نے میدان غدیر میں یہ اعلان کیا کہ جو علیؑ سے کینہ رکھتے ہیں وہ اپنے کینوں کو دور کریں اور انہیں اپنا دوست اور مددگار سمجھیں؟''

---

(۱) اس حدیث کے مختلف مآخذ اور مدارک کے لئے ''الغدیر'' کی پہلی جلد سے رجوع کریں

ڈاکٹر تیجانی: ''علی علیہ السلام کی دوستی کا مسئلہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں کو بیچ صحرا میں روکیں اور نماز جماعت ادا کریں اور ایک طولانی خطبہ دیں اور اس خطبہ کے دوران بعض ایسے مطالب بیان کریں جو علی علیہ السلام کی رہبری اور خلافت کے لئے مناسب ہوں نہ کہ دوستی اور یاوری کے لئے مثلاً اسی خطبے کا ایک ٹکڑا یہ ہے جس میں آنحضرت نے لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے ان سے سوال کیا

''الست اولیٰ بکم من انفسکم''

''کیا میں تمہاری جانوں پر تم سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟''

تمام لوگوں نے اقرار کیا ہاں کیوں نہیں اے رسول اللہ!

''یہ تمام باتیں اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ یہاں پر مولا سے مراد رہبر اور آقا کے ہیں اور اس سے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ثابت ہوتی ہے۔''

اسی وجہ سے خود حضرت ابوبکر نے بھی لفظ مولیٰ سے امام علی علیہ السلام کی رہبری اور خلافت کو جانا ہے اور اسی صحرا کی تپتی ہوئی دھوپ میں امام علیہ السلام کے پاس آ کر انہیں اس طرح مبارک باد پیش کی۔

''بخ بخ لك یابن ابی طالب اصبحت مولای و مولا کل مومن و مومنة''

''مبارک ہو، مبارک ہو اے ابوطالبؑ کے بیٹے! اب تم میرے اور تمام مومنین اور مومنات کے مولا ہو گئے''

یہ مبارک باد دینا بہت ہی مشہور حدیث ہے جسے اہل سنت اور اہل تشیع سبھی نے نقل کیا ہے۔(۱)

اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر یہ اعلان صرف دوستی اور یاوری کے لئے ہوتا تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر، حضرت علی علیہ السلام کو اسی طرح مبارک پیش کرتے؟ اور رسول خدا اپنے خطبے کے بعد اس طرح اعلان کرتے؟''

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۸۱۔ علامہ امینی نے غدیر کی جلد ۱ میں اسے ساٹھ اہل سنت علماء سے نقل کیا

"اے مسلمانو! علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو"

اس کے علاوہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ مائدہ کی ۶۷ ویں آیت کے نزول کے بعد یہ عمل انجام دیا اور آیت میں ہم یہ پڑھتے ہیں "اے رسول! وہ چیز پہنچا دو جو تمہارے رب کی طرف سے پہلے ہی تم پر نازل کی جا چکی ہے اور اگر تم کو اس نے نہ پہنچایا تو گویا تم نے کار رسالت انجام ہی نہیں دیا۔"

کیا حضرت علی علیہ السلام کی دوستی کا مسئلہ اتنا زیادہ اہم ہو گیا تھا کہ اگر اسے لوگوں کے درمیان بیان نہ کیا جائے تو آنخضرت کی رسالت کو خطرہ لاحق ہو جائے؟

تیونسی عالم: "تو اس کے بارے میں تم کیا کہو گے کہ رسول خدا کی رحلت کے بعد مسلمانوں نے علی علیہ السلام کی بیعت نہ کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی، کیا ان کا یہ عمل گناہ تھا؟ کیا انہوں نے رسول خدا کی نافرمانی کی؟"

ڈاکٹر تیجانی: "جب خود اہل تسنن اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ بعض اصحاب نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں خود آپ کی مخالفت کی تو اس بنا پر یہ کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں کہ آپ کے بعد اصحاب نے ان کی مخالفت کی۔ (۱)

جیسے شیعہ اور سنی دونوں طریقوں سے یہ ثابت ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی (اسامہ بن زید) کو سپہ سالار بنایا تو اکثر مسلمانوں نے آنخضرت کی مخالفت کی جبکہ آنخضرت نے انہیں تھوڑی سی مدت کے لئے بہت تھوڑے سے لشکر کا سردار بنایا تھا تو یہی لوگ حضرت علی علیہ السلام کی رہبری کو کس طرح قبول کر لیتے کیونکہ وہ بھی دوسرے کے مقابل کم عمر تھے (اس وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی) اور خود یہ لوگ علی علیہ السلام کو ان کی پوری زندگی تک رہبر کیسے قبول کر لیتے اور تم نے خود ہی پہلے یہ اقرار کیا کہ بعض لوگ علی علیہ السلام سے بغض وعناد رکھتے تھے"

تیونسی عالم: "اگر علی علیہ السلام جانتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنا خلیفہ بنایا ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ خاموش نہ بیٹھے رہتے بلکہ اپنی بے انتہا شجاعت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے حق کا دفاع کرتے۔"

---

(۱) صحیح بخاری، صحیح مسلم، صلح حدیبیہ کے متعلق بعض صحابہ کی مخالفت اور عمر کا قول بھی نقل ہے۔

ڈاکٹر تیجانی: ''یہ تو دوسری بحث ہے جس میں ہم ابھی وارد نہیں ہونا چاہتے جب تم حدیث صریح کی تاویل کرتے ہو تو امام علیہ السلام کے خاموش رہنے پر بحث کرنے میں کس طرح قانع ہو سکتے ہو؟''

تیونسی عالم نے تھوڑا سا مسکراتے ہوئے کہا۔ ''خدا کی قسم میں ان لوگوں میں سے ہوں جو علی علیہ السلام کو دوسروں سے افضل جانتے ہیں اور اگر یہ بات میرے بس میں ہوتی تو میں علی علیہ السلام پر کسی کو مقدم نہ کرتا کیونکہ وہ مدینۃ العلم اور اسد اللہ الغالب ہیں لیکن خدا نے اسی طرح چاہا کہ بعض کو مقدم اور بعض کو موخر رکھے اس کی مشیت کے بارے میں کیا کہیں۔''

میں نے بھی مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا۔ ''قضاوقدر'' کی بحث دوسری ہے جس کے متعلق ابھی ہم بحث نہیں کر رہے ہیں۔''

تیونسی عالم: ''میں اپنے عقیدے پر باقی رہوں گا اور اسے بدل نہیں سکتا۔''

ڈاکٹر تیجانی کہتے ہیں کہ وہ اسی طرح ادھر ادھر بھاگتا رہا یہ خود اس کی بے بسی اور عاجزی کی دلیل ہے۔(۱)

---

(۱) جناب تیجانی ساوی کی کتاب ''لاکون مع الصادقین'' سے اقتباس ص ۵۸ سے ۶۱ تم مولف کی جانب سے خلاصے اور اضافے کے ساتھ.....۔

شاگرد اور استاد میں مناظرہ

شاگرد: ''خالد بن نوفل نام کا ایک استاد اردن کی ''شریعت یونیورسٹی'' میں درس دینے آتا تھا اس کے شاگردوں میں سے میں شیعی مسلک کا تابع تھا۔

چونکہ یہ استاد خود سنی تھا اس لئے اسے جب بھی موقع ملتا شیعوں پر کچھ نہ کچھ الزام تراش دیتا۔ ایک دن میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جانشینوں کے متعلق گفتگو کرنے لگا آپ بھی اس گفتگو کو سنیں اور فیصلہ کریں۔

استاد: ''ہم حدیثوں کی کتابوں میں قطعی طور پر یہ حدیث نہیں پاتے کہ آنحضرت کے بارہ ہی خلیفہ ہوں گے اس طرح یہ حدیث تم شیعوں کی گڑھی ہوئی ہے۔

شاگرد: ''اتفاق' سے اہل سنت کی معتبر کتابوں میں متعدد مقامات پر متعدد طریقوں سے یہ حدیث نقل ہوئی ہے مثلا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''الخلفاء بعدی اثنا عشر بعدد نقباء بنی اسرائیل و کلهم من قریش ''(۱)

''میرے بعد بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد میں میرے بارہ خلفاء ہوں گے وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔''

استاد: ''اگر فرض کرلیا جائے کہ یہ حدیث صحیح بھی ہے تو تمہاری نظر میں ان بارہ سے کون لوگ مراد ہیں؟''

شاگرد: ''اس سلسلے میں سینکڑوں روایات موجود ہیں جن میں ان کے نام اس طرح گنائے گئے ہیں۔

۱-امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

۲-حسن بن علی علیہ السلام

۳-حسین بن علی علیہ السلام۔

۴-علی بن الحسین علیہ السلام۔

۵-محمد بن علی الباقر علیہ السلام۔

۶-جعفر بن محمد علیہ السلام۔

۷-موسیٰ بن جعفر علیہ السلام۔

۸-علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام۔

۹-محمد بن علی الجواد علیہ السلام۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارہ، ج۴، ص۴۸۲، طبع دار الشعب۔ مسند احمد، ج۵ ص۸۶۔۸۹، ۹۰، ۹۲۔ مستدرک صحیحین، ج۳، ص۵۰۱۔ مجمع ہیثمی، ج۵، ص۱۹۰ وغیرہ

۱۰-علی بن محمد الہادی علیہ السلام۔

۱۱-حسن بن علی العسکری علیہ السلام۔

۱۲-حجۃ القائم عجل اللہ فرجہ الشریف۔

استاد: ''ہاں حضرت مہدی (علیہ السلام) ابھی زندہ ہیں؟''

شاگرد: ''ہاں وہ زندہ ہیں اور کچھ وجھوں سے ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ جب اس میں ان کے ظہور کی راہیں ہموار ہو جائیں گی تو آپ ظہور کریں گے اور پوری دنیا کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔''

استاد: ''وہ کب پیدا ہوئے؟''

شاگرد: ''وہ ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے اس طرح آپ کی عمر کے ۱۱۵۸ سال گزر چکے ہیں۔''

استاد: ''یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک انسان ایک ہزار سال سے زیادہ زندہ رہے جبکہ ایک انسان کی طبعی عمر زیادہ سے زیادہ سو سال ہو گی؟''

شاگرد: ''ہم مسلمان ہیں اور قدرت خداوند متعال پر یقین رکھتے ہیں اس میں کیا برائی ہے کہ خداوند متعال کی مشیت سے ایک انسان ایک ہزار سال سے زیادہ زندہ رہے؟''

استاد: ''قدرت خدا اپنی جگہ پر ہے لیکن اس طرح کی چیزیں سنت خدا سے خارج ہیں۔''

شاگرد: ''تم بھی قرآن کو قبول کرتے ہو اور ہم بھی اسے مانتے ہیں قرآن کے سورہ عنکبوت آیت ۱۴ میں خداوند متعال ارشاد فرماتے ہے:

''ولقد ارسلنا نوحا الیٰ قومه فلبث فیهم الف سنة الا خمسین عاما''

''بلاشبہ ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا جہاں وہ پچاس سال چھوڑ کے ایک ہزار سال رہے۔''

اس آیت کے مطابق جناب نوحؑ طوفان سے پہلے اپنی قوم کے درمیان ساڑھے نو سو سال زندہ رہے اسی طرح اگر خدا چاہے تو دوسرے کو بھی اتنی یا اس سے زیادہ عمر دے دے۔

رسول خداؐ نے متعدد مقامات پر حضرت امام مہدیؑ کا تعارف' دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینے والے کی صورت میں کرایا ہے۔ اس سلسلہ میں سینکڑوں کیا بلکہ ہزاروں حدیثیں' سنی اور شیعہ دونوں طرف سے نقل ہوئی ہیں جن کا انکار ممکن نہیں ہے۔

مثال کے طور پر رسول خداؐ نے فرمایا ہے۔

''المهدی من اهل بيتی يملا ۔ الارض قسطا وعدلا كما ملئت ظلماً وجورا''۔

''مہدیؑ ہم اہل بیت میں سے ہوں گے جو دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔''(۱)

جب بات یہاں تک پہنچی تو وہ استاد چپ ہو گیا کیونکہ اس کے شاگرد کی تمام باتیں منطقی اور اہل سنت کے معتبر حوالوں سے مدلل تھیں۔

شاگرد نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔''چلیے ہم اپنی بات کی طرف واپس پلٹتے ہیں آپ نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے خلیفہ بارہ ہیں اور وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔''

آپ نے مجھ سے پوچھا کہ وہ بارہ افراد کون لوگ ہیں؟ میں نے ان کا نام حضرت علیؑ سے لے کر امام مہدی علیہم السلام تک سنا دیا۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ بارہ خلفاء یہ لوگ نہیں ہیں تو پھر ان کے علاوہ کون لوگ ہیں؟''

استاد: ''ان بارہ لوگوں میں چار خلفاء راشدین (ابوبکر، عمر، عثمان اور حضرت علی علیہ السلام) کا نام لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حسن علیہ السلام، معاویہ، ابن زبیر و عمر بن عبدالعزیز (کہ یہ سب ملا کر آٹھ ہو گئے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ مہدی عباسی (بنی عباس کا تیسرا خلیفہ) کو بھی شمار کر لیا جائے۔ اس کے خلاوہ ابن طاہر عباسی بھی ان میں شامل ہو سکتا ہے۔ خلاصہ کے طور پر ہماری نظر کے بارہ آپ معین نہیں ہیں ان کے متعلق ہمارے علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

شاگرد: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ثقلین کے متعلق تم لوگوں کا کیا خیال ہے جس میں آنحضرت نے فرمایا ہے:

''انی تارک فيكم الثقلين كتاب الله و عترتی اهل بيتی ------''(۲)

یہ بات واضح رہے کہ عمر، ابوبکر، معاویہ، عباسی اور عبدالعزیز وغیرہ عترت رسول میں شمار

---

(۱) مسند حنبل، ج۳ ص ۲۷ (۲) مسند حنبل، ج۴، ص ۳۶۷۔ صحیح مسلم، ج۲، ص ۲۳۸۔ صحیح ترمذی، ج۷، ص ۱۱۲۔ کنز العمال، ج۷، ص ۱۱۲ علاوہ د... ہی بہت سے کتابوں میں

نہیں کئے جا سکتے، لہٰذا اسی صورت میں ہمارے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ خلفاء کو پہچاننا ممکن نہیں ہوگا جبکہ حدیث ثقلین کے معیار کو سامنے رکھ کر ہم بڑی آسانی سے ان کا پتہ لگا سکتے ہیں' ذرا سے غور کے بعد یہ بات معلوم ہو جائے گی وہ خلفاء وہی ہیں جن کو شیعہ مانتے ہیں کیونکہ یہی عترت اور اہل بیت کے مصداق ہیں۔"

استاد: "ٹھیک ہے اس کے جواب کے لئے مجھے کچھ موقع درکار ہے کیونکہ اس وقت ان باتوں کا کوئی قانع کنندہ جواب میرے ذہن میں نہیں آرہا ہے۔"

شاگرد: "بہت خوب اس بات کی امید رکھتا ہوں کہ آپ قیامت تک تحقیق کریں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ جانشین کون ہیں؟"

کچھ ہی دنوں بعد شاگرد کی پھر استاد سے ملاقات ہوئی مگر ابھی تک وہ استاد اپنے عقیدے کے اثبات کے لئے کوئی دلیل نہیں ڈھونڈ پایا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے مناظرہ میں جب ایک طالب علم نے اپنے ایک مدرس سے سوال کیا کہ آیا آپ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے؟

مدرس: "ہاں ہماری معتبر کتابوں میں اس طرح کی روایتیں موجود ہیں۔"

طالب علم: "وہ بارہ کون سے لوگ ہیں؟"

مدرس: "وہ ابوبکر' عمر' علی علیہ السلام' معاویہ' یزید بن معاویہ۔"

طالب علم: "یزید کو کس طرح خلیفہ رسول سمجھا جا سکتا ہے جبکہ وہ اعلانیہ شراب پیتا تھا اور واقعہ کربلا اسی کی کارستانی ہے اور اسی نے امام حسین علیہ السلام اور ان کے صحابیوں کو قتل کیا ہے؟"

اس کے بعد طالب علم نے اس سے کہا۔ "بقیہ کا شمار کرو۔"

مدرس نے جو اس کے اس سوال سے بے بس ہو چکا تھا، موضوع بدل لیا اور کہنے لگا۔ "تم شیعہ حضرات اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہتے ہو۔"

طالب علم "ہم ان کے تمام اصحاب کو برا بھلا نہیں کہتے تم یہ کہتے ہو کہ ان کے تمام اصحاب عادل تھے مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہی منافقوں کے بارے میں آیتیں اتری ہیں، اگر ہم یہ کہیں کہ آنحضرت کے زمانے میں سارے اصحاب عادل تھے تو ہمیں قرآن کی بہت سی آیتوں کو رد کرنا پڑے گا جو اس کا ایک عظیم حصہ ہیں۔"

مدرس: ''تم گواہی دو کہ ابوبکر، عمر اور عثمان سے خوش ہو''

طالب علم: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اصحاب میں سے جو بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے راضی تھا میں بھی اس سے راضی ہوں اور جس سے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا راضی نہیں تھیں میں بھی اس سے راضی نہیں ہوں۔''

قبر رسولؐ کے پاس باآواز بلند زیارت پڑھنا

ایک شیعہ عالم کہتے ہیں۔ ''ہم تقریباً پچاس آدمیوں کے ایک گروہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں مسجد النبی کے پاس گئے اور وہاں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔''

حرم کا منتظم (شیخ عبداللہ بن صالح) میرے قریب آیا اور اعتراض کے طور پر اس نے کہا۔

''رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مرقد کے قریب اپنی آواز بلند نہ کرو۔''

میں نے اس سے کہا۔ ''کیا وجہ ہے؟''

منتظم: ''خداوند متعال قرآن (سورہ حجرات آیت ۲) میں ارشاد فرماتا ہے''

''یاایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون''

''اے ایمان لانے والو! نبی کی آواز کے اوپر اپنی آواز بلند نہ کرو اور نہ ہی ان کے سامنے چیخو چلاؤ جس طرح تم ایک دوسرے کے سامنے چیختے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال بیکار نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہونے پائے۔''

میں: ''جعفر بن محمد علیہ السلام'' کے اسی جگہ پر چار ہزار شاگرد تھے اور وہ تدریس کے وقت باآواز بلند درس دیتے تھے تاکہ ان کی آواز ان کے شاگردوں تک پہنچ جائے کیا انھوں نے حرام کام کیا؟ ابوبکر عمر اسی مسجد میں بلند آواز سے خطبہ دیا کرتے تھے اور تکبیر کہتے تھے کیا ان سب لوگوں نے

حرام کام انجام دیا؟ اور ابھی ابھی تمہارے خطیب نے بلند آواز سے خطبہ دیا تم لوگ مل کر با آواز بلند تکبیر کہہ رہے تھے کیا یہ لوگ قرآن کے خلاف کرر ہے تھے؟ کیونکہ قرآن اس سے منع کرتا ہے؟

منتظم: ''اچھا تو پھر اس آیت کا کیا مطلب ہوا؟''

میں: ''اس آیت سے مراد ہے بے فائدہ اور بے جا شور و غل نہ کرو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت و احترام کے خلاف تھا جیسا کہ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں روایت ہے کہ قبیلہ ''بنی تمیم'' کے کچھ لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے پیچھے سے چیخ کر کہنے لگے یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہر نکلو اور ہم سے ملاقات کرو (تفسیر قرطبی، ج ۹، ص ۶۱۲۱ - صحیح بخاری، ج ۶ ص ۱۷۲)

دوسری بات یہ کہ ہم تو نہایت ہی تواضع اور احترام سے زیارت پڑھنے میں مشغول ہیں اور آیت مذکورہ میں دقت کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس آیت میں وہ لوگ شامل ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کی غرض سے چیخ کر آواز لگاتے تھے کیونکہ اس آیت میں اعمال کے بیکار ہونے کی بات آئی ہے اور یقیناً اس طرح کی سزا کافر یا گناہ کبیرہ انجام دینے والے اور توہین کرنے والے کے لئے ہوگی نہ کہ ہمارے لئے کیونکہ ہم تو نہایت ادب و احترام سے ان کی زیارت پڑھ رہے ہیں اگرچہ ذرا سی آواز بلند ہوگئی تو کیا ہوا اس لئے روایت میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس (رسول خدا کے خطیب) جن کی آواز بہت ہی موٹی تھی نے کہا کہ اس آیت سے مراد میں ہوں اور میرے نیک اعمال حبط ہو گئے۔ جب اس بات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ''نہیں ایسا نہیں ہے ثابت بن قیس جنتی ہے۔'' (کیونکہ وہ اپنے وظیفے پر عمل کرتا ہے نہ کہ توہین کرتا ہے) (۱)

یہ سن کر حرم کا منتظم خاموش ہو گیا اور اس سے کچھ بولا نہ گیا۔

---

(۱) مجمع البیان، ج ۹، ص ۱۳۰ - تفسیر فی ظلال و مراغی، اسی آیت کے ذیل میں

شیخ بہائی کے والد کا ایک سنی سے مناظرہ

دسویں صدی کے ایک بہت ہی عظیم عالم (شیخ بہائی کے والد) علامہ شیخ حسن بن عبدالصمد عاملی ہیں۔انھوں نے ۹۱۸ھ قمری میں محرم کے شروع میں "عامل" نامی ایک شہر میں آنکھیں کھوئیں اور آٹھ ربیع الاول کو ۶۶ سال کی عمر میں اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔

وہ ایک عظیم محقق، عالم اور بہت ہی معیاری شاعر تھے ۹۵۱ھ میں انھوں نے شہر "حلب" (شام کا ایک شہر) کی طرف سفر کیا تھا اور وہاں پر ایک بہت ہی جید سنی عالم دین سے مذہب حقہ کے سلسلے میں چند مرتبہ مباحثہ کیا جس کے نتیجے میں اس سنی عالم نے مذہب شیعہ اختیار کرلیا۔

یہاں پر ہم ان کے درمیان ہوئے مناظروں میں سے چند مناظرے نقل کر رہے ہیں۔

۱۔امام جعفر صادق علیہ السلام کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟

حسین بن عبدالصمد کہتے ہیں کہ جب میں شہر حلب میں وارد ہوا تو وہاں پر ایک حنفی عالم جو بہت سے علوم اور فنون میں ماہر تھا اور اس کا شمار محققین میں ہوتا تھا اور وہ دھوکا وفریب سے پاک تھا۔ اس نے مجھے اپنے گھر پر ہی ٹھہرالیا۔

بات چیت ہوتے ہوتے تقلید کی بات چھڑگئی اور پھر ہوتے ہوتے یہی موضوع ہمارے مناظرے کا محور ہوگیا۔

حسین: "تم لوگوں کے نزدیک کیا قرآن، احادیث یا سنت میں سے کوئی ایسی دلیل موجود ہے جس کے ذریعے ثابت ہو سکے کہ ابوحنیفہ کی تقلید اور پیروی ہم پر واجب ہے؟"

حنفی: "نہیں اس طرح کی کوئی آیت یا روایت وارد نہیں ہوئی ہے۔"

حسین: "کیا مسلمانوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ ہم اب حنیفہ کی پیروی کریں گے؟"

حنفی عالم: "نہیں اس طرح کا کوئی اجماع وجود نہیں رکھتا۔"

---

(۱) مجمع البیان، ج۹، ص ۱۳۰۔تفسیر فی ظلال ومراغی، اسی آیت کے ذیل میں

حسین: ''تو پھر کس دلیل کی بنا پر تمہارے لئے ابوحنیفہ کی تقلید جائز ہے؟''

حنفی عالم: ''ابوحنیفہ مجتہد اور میں مقلد ہوں اور مقلد پر واجب ہے کہ وہ کسی ایک مجتہد کی تقلید کرے۔

حسین: ''جعفر بن محمد علیہ السلام (امام جعفر صادقؑ) کے نام سے مشہور ہیں ان کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟''

حنفی عالم: ''جعفر بن محمد (علیہ السلام) کا مقام اجتہاد سے بہت اونچا ہے اور وہ علم وتقویٰ میں سب سے زیادہ بلند تھے ان کی توصیف ممکن نہیں، ہمارے بعض علماء نے ان کے جن چار سو شاگردوں کے نام گنوائے ہیں وہ سب کے سب نہایت پڑھے لکھے اور قابل اشخاص تھے انہیں لوگوں میں سے ابوحنیفہ بھی تھے۔''

حسین: ''تم اس بات کا اعتراف کر رہے ہو کہ امام صادق علیہ السلام مجتہد تھے' پائے کے عالم دین اور صاحب تقویٰ تھے ہم شیعہ اسی لیے ان کی تقلید کرتے ہیں ان باتوں کو دیکھتے ہوئے تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم گمراہ ہیں اور تم ہدایت کی راہوں پر گامزن ہو؟

جبکہ ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ امام صادق علیہ السلام معصوم تھے اور غلطی نہیں کرسکتے ان کا حکم خدا کا حکم ہوتا ہے اور اس بارے میں ہم بہت سے دلائل متفقہ بھی رکھتے ہیں۔ وہ ابوحنیفہ کی طرح قیاس اور استحسان کی بنیاد پر فتویٰ نہیں دیتے تھے ابوحنیفہ کے فتوے میں غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے لیکن امام صادق علیہ السلام کے فتوے میں ایسا کوئی امکان موجود نہیں ہوتا بہر حال امام صادق علیہ السلام کی عصمت کے متعلق بحث چھوڑتے ہوئے اس وقت میں صرف آپ کی ایک بات پر کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے خود کہا کہ امام صادق مجتہد تھے لیکن ہمارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جن کے ذریعے ہم یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ مجتہد صرف امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔''

حنفی عالم: ''اس انحصار کے لئے تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ مجتہد صرف امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔''

حسین: ''میری دلیل یہ ہے کہ اس بات کا تو آپ نے بھی اعتراف کیا ہے اور آپ کے علاوہ اسلام کے چاروں مشہور فرقے یہ بات قبول کرتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام علم وتقویٰ اور عدالت میں تمام لوگوں سے افضل و برتر تھے۔ اس بات میں میں نے کسی کو اعتراض کرتے ہوئے

نہیں سنا کر تمام ادیان کی کتابیں، احادیث و روایات کی کتابوں میں کوئی کہیں یہ نہیں دکھا سکتا کہ کسی نے امام صادق علیہ السلام کے کسی عمل پر اعتراض کیا ہو جبکہ شیعوں کے وہ لوگ حد درجہ دشمن تھے اور حکومت و دولت ہمیشہ ان کے ہاتھوں میں رہنے کے باوجود کسی دشمن نے بھی آپ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہیں کی(۱) یہ ایک ایسا امتیاز ہے جو ان کے علاوہ کسی اور مسلک کے امام میں موجود نہیں ہے۔

اس بنا پر بغیر کسی تردید کے تقلید اس کی واجب ہوگی جو علم و فضل و تقویٰ اور عدالت میں سے افضل اور برتر ہو اور محققین اس بات پر اجماع کرتے ہیں کہ اچھے اور مدلل فتوے کی موجودگی میں کمزور اور غیر مستند فتاوی پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام ہم شیعوں کے عقیدے کے مطابق اہل بیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہے۔ جس بات کی آیہ تطہیر نے صراحت کی ہے اور اس بنا پر ہر طرح کی نجاست اور پلیدی سے پاک ہیں جیسا کہ علامہ لغوی ابن فارس صاحب کتاب "معجم مقاییس اللغۃ" نے خود اپنی کتاب "مجمل اللغۃ" میں اس کی تصریح کی ہے کہ امام صادق علیہ السلام اہل بیت میں ہیں جبکہ ابن فارس اہل تسنن کے مشہور و معروف عالم دین ہیں اور یہ وہی مقام طہارت ہے جس کے لئے امام صادق کے متعلق شیعوں کا اعتقاد ہے۔ لیکن ابو حنیفہ کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ اہل بیت علیہم السلام میں سے نہیں ہے۔ لہذا قرآن کے مطابق ہمیں ایسے افراد کی تقلید کرنا چاہیے جو تمام خطا اور نجاست سے پاک اور منزہ ہوں تاکہ مقلدین یقین کی منزل تک پہنچیں اور نجات یافتہ ہوں۔

حنفی عالم: "ہم اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اہل بیت رسول میں ہیں بلکہ ہمارے لحاظ سے آیہ تطہیر صرف پانچ افراد (پنجتن) ہی کو شامل کرتی ہے۔"

---

(۱) امام صادق علیہ السلام (متوفی ۱۴۸ھ) فقہ تشیع کے مروج، ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) اور مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) کے استاد ہیں اس طرح سے آپ سنی مذہب کے دو معروف مسالک حنفی و مالکی کے اماموں کے استاد رہے ہیں۔ اسی لئے ابوحنیفہ کا یہ کہنا تھا۔ "لولا السنتان لھلک النعمان" اگر وہ دو سال (جو میں نے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں گزارے ہیں) نہ ہوتے تو نعمان (ابوحنیفہ) ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح مالک بن انس کا کہنا ہے "ما رایت افقہ من جعفر بن محمد" میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا (فی سبیل الوحدۃ الاسلامیۃ ص ۶۳ و ۶۴)

حسین: ''بالفرض اگر ہم قبول بھی کرلیں کہ امام صادق علیہ السلام ان پانچ میں سے نہیں ہیں لیکن پھر بھی ان کا حکم اور ان کی پیروی تین دلیلوں سے انہیں پانچ افراد کی مانند ہوگی۔''

۱- جو شخص بھی پنجتنؑ کی عصمت کا معتقد ہے وہ امام صادق علیہ السلام کی عصمت کو بھی قبول کرتا ہے اور جو بھی پنجتن کی عصمت کا قائل نہیں ہے وہ امام صادق علیہ السلام کی عصمت کا بھی قائل نہیں ہے۔ پنجتن کا معصوم ہونا قرآن کی آیہ تطہیر سے ثابت ہے بس اسی وجہ سے امام صادق علیہ السلام کی بھی عصمت ثابت ہوتی ہے کیونکہ علماء اسلام اس بات پر اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ امام صادقؑ اور پنجتن علیہم السلام کی عصمت میں کوئی فرق نہیں ہے اور امام صادقؑ کی عصمت کا قائل نہ ہوکر پنجتن کی عصمت کا قائل ہونا یہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

۲- راویوں اور مورخوں کے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ امام صادق علیہ السلام اور ان کے آباؤ اجداد نے تحصیل علم کے لئے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا اور یہ بھی کہیں پر نقل نہیں ہوا کہ ان لوگوں نے علماء اور مصنفین کے دروس میں شرکت کی ہو بلکہ تمام لوگوں نے یہ نقل کیا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے اپنے والد (امام محمد باقر علیہ السلام) سے اور امام باقر علیہ السلام نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے والد امام حسین علیہ السلام سے علم حاصل کیا ہے اور اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ امام حسین علیہ السلام اہل بیت نبی میں سے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ آئمہ معصومین اور امام صادق علیہ السلام کی باتیں اور اقوال اجتہاد کا نتیجہ نہیں ہوا کرتیں اس سلسلے میں خود آپ نے تصریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم لوگوں کی تمام باتوں کا منبع ہمارے بزرگ آباؤ اجداد ہوتے ہیں اور ہمارے پاس جو بھی سوال لے کر آتا ہے ہم اس کا جواب دیتے ہیں اور اس جواب کے بعد وہ کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہے۔

غرض ہماری یہ کہ امام صادق علیہ السلام کے اقوال وہی ہوتے ہیں جو اقوال ان ذوات مقدسہ کے ہوتے ہیں جن کے لئے آیہ تطہیر نے پاک و پاکیزہ ہونے کی ضمانت لی ہے۔

۳- تمہاری صحیح روایتوں میں متعدد طریقوں سے حدیث ثقلین نقل ہوئی ہے جس میں آنحضرت نے فرمایا ہے۔ انی تارک فیکم ---- یہ حدیث واضح طور پر یہ بیان کررہی ہے کہ قرآن و عترت سے تمسک اختیار کرو کیونکہ شیعوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے اور لوگوں سے تمسک اختیار کیا حدیث ثقلین میں یہ نہیں آیا ہے کہ ہم نے تمہارے درمیان قرآن اور ابوحنیفہ یا قرآن اور شافعی کو

چھوڑا ہے اس طرح کیسے ممکن ہے کہ عترت رسول کے علاوہ دوسرے لوگوں سے تمسک کیا جائے اور اس طرح کا تمسک اختیار کرنے والا نجات بھی پالے؟ ہماری یہ بات یہ تقاضا کرتی ہے کہ امام صادق علیہ السلام کی تقلید کی جائے اور اس بات میں تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ امام صادق علیہ السلام کی پیروی ابوحنیفہ کی شک آمیز تقلید پر ہزار گنا فوقیت رکھتی ہے۔

۲- مذہب تشیع کی عدم شہرت اور اہل تسنن کی شہرت کے متعلق ایک مناظرہ

اس سے پہلے والے مناظرے میں جب امام صادق علیہ السلام کی برتری کی بات آئی تو حنفی عالم نے کہا:

یہ بات صحیح ہے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ امام صادق علیہ السلام کے آباؤ اجداد سب کے سب بہت ہی پڑھے لکھے اور مجتہد تھے ان کا علم دوسرے لوگوں سے بہت بالاتر تھا اور ان کی تقلید ان کے مقلدوں کے لئے نجات کی ضمانت ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کا مذہب اتنا زیادہ نہیں پھیلا کہ عالم کے گوشے گوشے میں ہر کوئی اس سے واقف ہو جائے۔ مذاہب اربعہ پوری دنیا میں مشہور ہیں اور سبھی ان سے واقف ہیں اور تمام کے تمام مسلمان اسی پر عمل پیرا ہیں۔"

حسین: "اگر تمہارا مطلب یہ ہے کہ مذہب شافعی اور مذہب حنفی وغیرہ نے ہمارے مذہب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا اور اس کی پیروی نہیں کی تو یہ بات صحیح ہے لیکن اس سے ہمارے مذہب کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ انہیں کی طرح ہم نے بھی ان کے مذہب کی کوئی تبلیغ نہیں کی اسی طرح خود مذہب شافعی نے مذہب مالکی کی نقل کی اور اسی طرح کے برعکس اسی طرح اسلام کے تمام مذاہب کا حال ہے یہ بات تو کسی مذہب کے لئے نقصان دہ ثابت نہیں ہوگی۔

لیکن اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے کسی نے مذہب تشیع نقل کیا ہی نہیں اور اسے دین کی شکل میں قبول نہیں کیا تو تمہارا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کیونکہ شیعہ خود اور بہت سے اہل سنت اور دوسرے اسلامی فرقوں نے جعفری مذہب کے آداب واخلاق کو اپنایا اس کے علاوہ خود شیعوں نے بھی اپنے مذہب کی ترویج اور نشر کے لئے بہت کام کیا ہے سلسلہ روات کے متعلق شیعوں نے حد درجہ تحقیق کی ہے اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

حالانکہ علماء شیعہ، سنی علماء کے مقابل کم ہیں لیکن اگر ان کا مقایسہ اہل تسنن کے مختلف

کوئی مسلمان رسول خدا کے ''بعض صحابہ'' کو برا بھلا نہیں کہہ سکتا؟ ہم صرف ان صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ انھوں نے اہل بیت رسول کے ساتھ برا سلوک کیا ہے انہیں ستایا ہے اور ان کے اوپر ظلم کیا ہے لیکن جو لوگ اہل بیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست رکھتے تھے ہم بھی انہیں دوست رکھتے ہیں جیسے سلمان، مقداد، عمار، ابوذر وغیرہ اور ہم ان لوگوں کی دوستی کے ذریعے خدا کا قرب چاہتے ہیں۔ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہمارا یہی عقیدہ ہے اور سب وشتم کرنا ایک طرح کی لعنت وملامت ہے جسے خدا چاہے تو قبول کرے اور نہ چاہے تو نہ قبول کرے مگر یہ اصحاب کا خون بہانے کی طرح ہرگز نہیں ہوسکتا یہ معاویہ ہی تھا جس نے حضرت علی علیہ السلام کو برا بھلا کہنے کے لئے ستر ہزار منبر مخصوص کر رکھے تھے اور یہ روش ۸۰ سال تک جاری رہی لیکن اس کے باوجود حضرت علی علیہ السلام کی منزلت میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ کرسکا اسی طرح شیعہ بھی خاندان رسالت کے دشمنوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور اسے ازروئے اجتہاد جائز سمجھتے ہیں بالفرض اگر ان لوگوں نے اپنے اس اجتہاد میں غلطی کی ہوگی تو ان پر گناہ نہیں ہوگا۔ توضیح کے طور پر کہیں کہ اصحاب پیغمبر کئی طرح کے تھے بعض قابل تعریف اور بعض منافق صفت تھے اور بعض اصحاب کی تعریف قرآن میں آجانے سے دوسرے بعض صحابہ کا فسق منتفی نہیں ہوتا اصحاب کو برا بھلا کہنے کے سلسلے میں ہمارا اجتہاد ان لوگوں کے نیک اور رسول خدا کے پیرو اصحاب کے لئے ہرگز نہیں ہے۔

حنفی عالم نے بڑے تعجب سے کہا۔ ''کیا بغیر کسی دلیل کے اجتہاد جائز ہے؟''

حسین: ''ہمارے مجتہدین کی دلیل بڑی واضح ہیں۔''

حنفی عالم: ''ان میں سے کوئی ایک بتاؤ''

حسین بن عبدالصمد نے بہت سی دلیلیں بیان کیں جن میں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پر ہوئے مظالم کا بھی ذکر کیا اور سورہ احزاب کی ۵۷ ویں آیت بھی پڑھی جس میں آیا ہے۔

''ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ''

بلاشبہ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا وآخرت میں لعنت کرتا ہے۔''(۱)

---

(۱) المناظرہ تالیف شیخ حسین بن عبدالصمد طبع موسسہ قائم آل محمد (خلاصہ اور وضاحت کے ساتھ)

چھوڑا ہے اس طرح کیسے ممکن ہے کہ عترت رسول کے علاوہ دوسرے لوگوں سے تمسک کیا جائے اور اس طرح کا تمسک اختیار کرنے والا نجات بھی پالے؟ ہماری یہ بات یہ تقاضا کرتی ہے کہ امام صادق علیہ السلام کی تقلید کی جائے اور اس بات میں تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ امام صادق علیہ السلام کی پیروی ابوحنیفہ کی شک آمیز تقلید پر ہزار گنا فوقیت رکھتی ہے۔

۲- مذہب تشیع کی عدم شہرت اور اہل تسنن کی شہرت کے متعلق ایک مناظرہ

اس سے پہلے والے مناظرے میں جب امام صادق علیہ السلام کی برتری کی بات آئی تو حنفی عالم نے کہا:

یہ بات صحیح ہے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ امام صادق علیہ السلام کے آباؤ اجداد سب کے سب بہت ہی پڑھے لکھے اور مجتہد تھے ان کا علم دوسرے لوگوں سے بہت بالاتر تھا اور ان کی تقلید ان کے مقلدوں کے لئے نجات کی ضمانت ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کا مذہب اتنا زیادہ نہیں پھیلا کہ عالم کے گوشے گوشے میں ہر کوئی اس سے واقف ہو جائے۔ مذاہب اربعہ پوری دنیا میں مشہور ہیں اور سبھی ان سے واقف ہیں اور تمام کے تمام مسلمان اسی پر عمل پیرا ہیں''۔

حسین: ''اگر تمہارا مطلب یہ ہے کہ مذہب شافعی اور مذہب حنفی وغیرہ نے ہمارے مذہب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا اور اس کی پیروی نہیں کی تو یہ بات صحیح ہے لیکن اس سے ہمارے مذہب کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ انہیں کی طرح ہم نے بھی ان کے مذہب کی کوئی تبلیغ نہیں کی اسی طرح خود مذہب شافعی نے مذہب مالکی کی نقل کی اور اسی طرح کے برعکس اسی طرح اسلام کے تمام مذاہب کا حال ہے یہ بات تو کسی مذہب کے لئے نقصان دہ ثابت نہیں ہوگی۔

لیکن اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے کسی نے مذہب تشیع نقل کیا ہی نہیں اور اسے دین کی شکل میں قبول نہیں کیا تو تمہارا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کیونکہ شیعہ خود اور بہت سے اہل سنت اور دوسرے اسلامی فرقوں نے جعفری مذہب کے آداب واخلاق کو اپنایا اس کے علاوہ خود شیعوں نے بھی اپنے مذہب کی ترویج اور نشر کے لئے بہت کام کیا ہے سلسلہ روات کے متعلق شیعوں نے حد درجہ تحقیق کی ہے اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

حالانکہ علماء شیعہ، سنی علماء کے مقابل کم ہیں لیکن اگر ان کا مقایسہ اہل تسنن کے مختلف

حنفی عالم: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اہل بیت علیہم السلام کا پیروکار ہوں لیکن میں صحابہ کو برا بھلا نہیں کہہ سکتا۔''

حسین: ''تم کسی بھی صحابی کو برا نہ کہو لیکن جب تمہیں اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ اہل بیتؑ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ایک خاص مرتبے کے حامل ہیں تو پھر ان کے دشمنوں کے ساتھ تمہارا سلوک کیا ہونا چاہیے؟

(ہدایت یافتہ) حنفی عالم: ''میں اہل بیت علیہم السلام کے دشمنوں سے بیزار ہوں۔''

حسین: ''تمہاری شیعیت کے درست ہونے کے لئے میرے نزدیک اتنا ہی کافی ہے۔''

اسی دوران اس نے کہا۔ ''میں خدا اس کے رسول اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر کہہ رہا ہوں کہ میں ان کا چاہنے والا اور پیرو ہوں اور ان کے دشمنوں سے بیزار ہوں۔''

اس کے بعد اس نے مجھ سے چند شیعی عقائد اور فقہ کی کتابیں مانگی میں نے اسے ''مختصر النافع'' (شرح شرائع، محقق حلی (متوفی ۶۷۶ھ) دے دی

اصحاب کو برا بھلا کہنے کے سلسلے میں دوسرا مناظرہ

شیخ حسین بن عبدالصمد کہتے ہیں کہ کچھ دنوں بعد میں نے اس حنفی عالم دین کو دیکھا جو اب شیعہ ہو چکا تھا مگر وہ حد درجہ پریشان تھا کیونکہ یہ بات اس کے دل میں رسوخ کر گئی تھی کہ اصحاب پیغمبر کی اتنی قدر و منزلت ہونے کے باوجود شیعہ انہیں برا بھلا کہتے ہیں میں نے اس سے کہا۔ ''اگر تم اس بات کا وعدہ کرو کہ انصاف سے فیصلہ کرو گے اور میری بات کو راز میں رکھو گے تو میں ان کو برا بھلا کہنے کے سلسلے میں تمہیں کچھ باتیں بتاؤں جب اس نے بہت ہی سختی سے قسم کھائی اور وعدہ کیا کہ خدا کی قسم انصاف سے فیصلہ کروں گا اور جب تک زندہ رہوں گا اس وقت تک تمہاری بات تقیہ کے طور پر راز میں رکھوں گا۔'' تب میں نے کہا۔ ''جن لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا ہے ان کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟''

اس نے کہا۔ ''ان صحابیوں نے یہ کام اپنے اجتہاد کی بنا پر انجام دیا ہے، لہذا وہ گنہگار نہیں ہوں گے جیسا کہ ہمارے علماء نے اس بات کی وضاحت کی ہے۔''

حسین: ''طلحہ' زبیر وغیرہ اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے جنھوں نے جنگ جمل برپا کی اور نتیجہ میں دونوں طرف سے سولہ ہزار افراد قتل ہو گئے۔''

(ہدایت یافتہ) حنفی عالم: ''یہ تمام جنگیں بھی حضرت عثمان کے قتل کی طرح اجتہاد کی بنیاد پر تھیں''

حسین: ''کیا اجتہاد مسلمانوں کے ایک گروہ سے صرف مخصوص ہے اور دوسرا گروہ اجتہاد کا حق نہیں رکھتا؟''

(ہدایت یافتہ) حنفی عالم: ''نہیں بلکہ مسلمانوں کا ہر گروہ اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے۔''

حسین: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم صحابی اور مومنوں کے خلیفہ کے قتل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی' شوہر جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حضرت علی علیہ السلام جن کے لئے ملتا ہے کہ علم وتقویٰ' فضل وزہد میں سب سے زیادہ اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریبی جن کی شمشیر کے ذریعہ اسلام استوار ہوا اور جن کی رسول خدا ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے اور جنہیں آپ نے مسلمانوں کا رہبر قرار دیا تھا کیونکہ خداوند متعال کا قول ہے۔

''انما ولیکم الله ورسوله والذین آمنو--''

''تمہارے ولی صرف اللہ' اس کا رسول اور مومنین ہیں۔(۵۵)

یہ بات علماء کے نزدیک مسلم الثبوت ہے کہ یہاں مومنین سے مراد حضرت علی ہیں (۱) اس کے علاوہ بھی بہت سی روایتوں میں اس طرح کی باتیں ملتی ہیں۔ اب میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ ایسے باعظمت اشخاص کے خلاف اجتہاد ہو سکتا ہے؟ اور اگر ان کے خلاف اجتہاد ہو سکتا ہے تو پھر ایسا اجتہاد کرنے کا کیا فائدہ؟

---

(۱) تمام مفسروں نے اتفاق رائے سے لکھا ہے کہ یہ آیت امام علی علیہ اسلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب آپ نے رکوع کے عالم میں اپنی انگوٹھی فقیر کو دی تھی۔ اہل سنت کی جن کتابوں میں یہ بات ذکر ہوئی ہے ان کی تعداد تیس سے زائد ہے جیسے ذخائر العقبی ص ۸۸، فتح القدیر، ج ۲ ص ۵۰، اسباب النزول واحدی، ص ۱۴۷۔ کنز العمال، ج ۶ ص ۳۹۱ وغیرہ مزید معلومات کے لئے کتاب ''احقاق الحق'' ج ۲ کے صفحہ ۳۹۹ سے ۴۱۰ کا مطالعہ کریں۔

کوئی مسلمان رسول خدا کے "بعض صحابہ" کو برا بھلا نہیں کہہ سکتا؟ ہم صرف ان صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ انھوں نے اہل بیت رسول کے ساتھ برا سلوک کیا ہے انھیں ستایا ہے اوران کے اوپر ظلم کیا ہے لیکن جولوگ اہل بیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کودوست رکھتے تھے ہم بھی انھیں دوست رکھتے ہیں جیسے سلمان، مقداد، عمار، ابوذروغیرہ اور ہم ان لوگوں کی دوستی کے ذریعے خدا کا قرب چاہتے ہیں۔ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہمارا یہی عقیدہ ہے اور سب وشتم کرنا ایک طرح کی لعنت وملامت ہے جسے خدا چاہے تو قبول کرے اور نہ چاہے تو نہ قبول کرے مگر یہ اصحاب کا خون بہانے کی طرح ہرگز نہیں ہوسکتا یہ معاویہ ہی تھا جس نے حضرت علی علیہ السلام کو برا بھلا کہنے کے لئے ستر ہزار منبر مخصوص کررکھے تھے اور یہ روش ۸۰ سال تک جاری رہی لیکن اس کے باوجود حضرت علی علیہ السلام کی منزلت میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ کرسکا اسی طرح شیعہ بھی خاندان رسالت کے دشمنوں کو برا بھلا کہتے ہیں اوراسے ازروئے اجتہاد جائز سمجھتے ہیں بالفرض اگران لوگوں نے اپنے اس اجتہاد میں غلطی کی ہوگی توان پر گناہ نہیں ہو گا۔ توضیح کے طور پر کہیں کہ اصحاب پیغمبر کئی طرح کے تھے بعض قابل تعریف اور بعض منافق صفت تھے اور بعض اصحاب کی تعریف قرآن میں آجانے سے دوسرے بعض صحابہ کا فسق منتفی نہیں ہوتا اصحاب کو برا بھلا کہنے کے سلسلے میں ہمارا اجتہاد ان لوگوں کے نیک اور رسول خدا کے پیرو اصحاب کے لئے ہرگز نہیں ہے۔

حنفی عالم نے بڑے تعجب سے کہا۔ "کیا بغیر کسی دلیل کے اجتہاد جائز ہے؟"

حسین: "ہمارے مجتہدین کی دلیل بڑی واضح ہیں۔"

حنفی عالم: "ان میں سے کوئی ایک بتاؤ"

حسین بن عبدالصمد نے بہت سی دلیلیں بیان کیں جن میں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پر ہوئے مظالم کا بھی ذکر کیا اور سورہ احزاب کی ۵۷ویں آیت بھی پڑھی جس میں آیا ہے۔

"ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ"

بلاشبہ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا وآخرت میں لعنت کرتا ہے۔"(۱)

(۱) المناظرہ تالیف شیخ حسین بن عبدالصمد طبع موسسہ قائم آل محمد (خلاصہ اور وضاحت کے ساتھ)

آیت ''رضوان'' کے بارے میں مناظرے

مجھے یاد ہے کہ ایک شافعی عالم سے میری ملاقات ہوئی جو قرآنی آیات اور احادیث سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا تھا اس نے شیعوں پر اس طرح اعتراض کیا۔

شیعہ لوگ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لعن وطعن کرتے ہیں۔ یہ کام قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کے مطابق خداوند متعال ان سے خوش وراضی ہے جو لوگ خدا کی خوشنودی حاصل کر چکے ہوں ان پر لعن وطعن کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس سلسلے میں سورہ فتح کی ۱۸ ویں آیت میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

''لقد رضی الله عن المومنین اذیبا یعونك تحت انشجرة فعلم ما فی قلوبهم فانزل الله السكينة عليهم و اثابهم فتحا قريباً''

''خداوند متعال ان مومنوں سے راضی ہوا جو اس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کر رہے تھے خدا کو ان کے دل کی بات معلوم تھی لہذا اس نے ان پر سکینہ نازل کیا اور انہیں فتح قریب سے نوازا۔''

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے آٹھویں سال ماہ ذی الحجہ میں چودہ ہزار مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے مکہ عمرہ انجام دینے کی خاطر روانہ ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں حضرت عثمان، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور زبیر جیسے لوگ شامل تھے لیکن جیسے ہی یہ لوگ ''عسفان'' نامی ایک مقام پر پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ مشرکوں نے مسلمانوں کو روکنے کا فیصلہ کر لیا ہے لہذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ حدیبیہ (جو مکہ سے بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور وہاں آب وغذا اور درخت موجود ہیں) کے پاس اس وقت تک ٹھہرے رہیں جب تک کوئی حتمی بات طے نہ ہو جائے۔

پھر آپ نے حضرت عثمان اور چند دوسرے لوگوں کو قریش کے پاس بات چیت کے لئے روانہ کر دیا۔ اچھی خاصی دیر ہو جانے کے بعد بھی جب ان کے بارے میں کچھ اطلاع نہ ملی تو یہ خبر اڑ گئی کہ حضرت عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی درخت کے

نیچے بیٹھ کر مسلمانوں سے تجدید بیعت کرائی اور اسی بیعت کو ''بیعت رضوان'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے عہد لیا کہ آخری وقت تک مشرکوں سے لڑیں گے مگر کچھ ہونے سے پہلے یہ لوگ واپس آگئے مگر اس بیعت کی خبر سے مشرک بڑے مرعوب ہو گئے اور انھوں نے سہیل بن عمر کو آنحضرت کی خدمت میں بھیجا اور آخر کار اس بات پر صلح ہو گئی کہ مسلمان اگلے سال مکہ آئیں اور اس سال واپس چلے جائیں (۱)

لہذا وہ اصحاب جن سے خداوند عالم راضی وخوشنود ہوا ان پر لعن وطعن کہاں سے جائز ہوگا؟

مولف

پہلی بات تو یہ کہ آیت ان لوگوں کے لئے ہے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔

دوسری بات یہ کہ یہ آیت بیعت میں شامل ہونے والے منافقوں جیسے عبد اللہ ابی اور اوس بن خولی وغیرہ کو شامل نہیں کرتی کیونکہ آیت میں موجود مومن کی شرط ہے اور یہ لوگ مومن ہرگز نہیں تھے۔

تیسری بات یہ کہ مذکورہ آیت کہتی ہے کہ خداوند عالم اس وقت ان لوگوں سے راضی ہوا جب انھوں نے بیعت کی نہ کہ ہمیشہ ان سے راضی رہے گا۔ اسی دلیل کے لئے ہم قران مجید کے اسی سورہ میں پڑھتے ہیں۔

''فمن نكث فانما ينكث على نفسه ومن اوفىٰ بماعاهد عليه الله فسيوتيه اجرًاعظيما''

جو بھی اپنا عہد توڑتا ہے وہ خود اپنا نقصان کرتا ہے اور جو اللہ سے کئے گئے عہد کو پورا کرتا ہے تو اللہ اسے عظیم اجر دے گا۔

اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نکث یعنی بیعت توڑنے کا امکان موجود تھا جیسا کہ بعد میں چند جگہوں پر یہ بات آشکار ہوئی۔ اسی طرح یہ آیت ابدی رضایت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ انھیں میں سے ممکن ہے کہ دو گروہ ہو جائیں جن میں ایک وفادار ثابت ہوا اور دوسرا عہد شکن۔ اس کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اس آیت سے خارج ہو گئے جنھوں نے وفا نہیں کی اور اسی کی وجہ سے ہماری لعن وطعن ان پر پڑتی ہے اور اس بات میں آیت کی رو سے کوئی اشکال بھی نہیں ہے۔

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۲ ص ۲۸۱ کا خلاصہ

قبروں کے پاس بیٹھنے کے سلسلے میں ایک مناظرہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کمیٹی کے سرپرست نے ایک شیعہ عالم پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا۔"تم لوگ کیوں قبر کے پاس بیٹھتے ہو جبکہ اس طرح کا کام حرام ہے۔"

شیعہ عالم:"اگر قبروں کے پاس بیٹھنا حرام ہے تو مسجد الحرام میں حجر اسماعیل کے قریب جہاں بہت سے پیغمبروں اور جناب ہاجرہ کی قبریں موجود ہیں بیٹھنا بھی حرام ہوگا لیکن ابھی تک کسی مفتی نے اس کا فتویٰ نہیں دیا۔"

بہت سی ایسی روایتیں اور احادیث ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبروں کے پاس بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے کتاب بخاری جو تم لوگوں کے نزدیک قرآن کی طرح معتبر ہے اس میں علی علیہ السلام سے روایت موجود ہے کہ۔

"میں بقیع میں بیٹھا ہوا تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آئے اور بیٹھ گئے اور میں بھی ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

ہر آدمی کا دو گھروں میں سے ایک گھر ہوتا ہے ایک گھر جنت ہے اور دوسرا دوزخ--(۱)

اس روایت کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے پاس بیٹھنے اور وہاں جو دوسرے لوگ موجود تھے ان کو آپ نے اس سے منع بھی نہیں کیا۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۳۰ (مطابق الشعب، سنہ ۱۳۷۸)

(۲) مناظرات فی الحرمین الشریفین

"عشرہ مبشرہ" کے بارے میں ایک مناظرہ

اہل سنت کے راویوں میں احمد اپنی کتاب مسند (ج ۱ ص ۱۹۳) میں خود عبدالرحمٰن سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"ابوبکر فی الجنة و عمر فی الجنة و علی فی الجنة--------الخ"

"یعنی یہ دس لوگ جنتی ہیں۔ ابوبکر عمر و علی و عثمان وطلحہ و زبیر و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و ابو عبید اللہ مجراح"

اہل سنت حضرات اس گڑھی ہوئی حدیث کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور ان دس آدمیوں کے نام "عشرہ مبشرہ" کے عنوان سے تختیوں پر کندہ کر کے مقدس مقامات جیسے مسجد نبوی وغیرہ میں نصب کرتے ہیں۔ یہ اتنی مشہور بات ہے جس کے متعلق تقریباً سبھی کو علم ہے اسی سلسلہ میں ذیل کے مناظرے کو ملاحظہ فرمائیں۔

ایک شیعہ عالم دین کہتے ہیں۔ "مدینہ میں میں ایک کام سے نہی عن المنکر کے ادارے میں گیا تو وہاں موجود اس کے سرپرست سے میری بات چیت ہونے لگی جو آخر کار عشرہ مبشرہ تک جا پہنچی۔

میں نے کہا۔ "میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

سرپرست: "پوچھو۔"

میں: "یہ کس طرح جائز ہے کہ ایک جنتی دوسرے جنتی سے جنگ کرے طلحہ اور زبیر عائشہ کے پرچم تلے بصرہ آ کر حضرت علی علیہ السلام سے لڑیں جبکہ یہ لوگ جنتی تھے اور یہ جنگ جمل بہت سے لوگوں کے قتل کا موجب بنی اور قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ومن یقتل مومنا متعمد آفجزائه جهنم خالدا فیها"

جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے تو اس کی جزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ (حاقہ-۴۴)

---

(۱) صحیح ترمذی، ج ۱۳، ص ۱۸۲- سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۲۶۴ وغیرہ- یہی حدیث تھوڑے سے فرق کے ساتھ "سعید بن زید" سے بھی نقل ہوئی ہے (الغدیر، ج ۱۰، ص ۱۱۸)

اس آیت کے پیش نظر جو لوگ بھی جنگ جمل میں لوگوں کے قتل کا سبب بنے ہیں انہیں جہنمی ہونا چاہیے اور اب یہ چاہے علی علیہ السلام ہوں یا طلحہ و زبیر ہوں لہٰذا اس جنگ کے نتائج کو دیکھتے ہوئے یہ حدیث قطعاً صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

سرپرست: ''اس جنگ میں شرکت کرنے والے وہ افراد جن کا تم نے نام لیا ہے مجتہد تھے انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر یہ کام انجام دیا ہے لہٰذا وہ گنہگار نہیں ہوں گے۔''

شیعہ عالم: ''نص کے مقابلہ میں اجتہاد جائز نہیں ہے کیا تمام کے تمام مسلمانوں نے یہ نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا۔

''یا علی حربك حربی و سلمك سلمی''

''اے علی تمہاری جنگ میری جنگ ہے اور تمہاری صلح میری صلح''۔

اور اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے

''من اطاع علیا فقد اطاعنی و من اعصی علیا فقد عصانی''

جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی (۲)

اور اسی طرح آپ نے فرمایا۔

علی مع الحق و الحق مع علی ' یدور الحق معه حیثما دار (۳)

''علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے حق ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے وہ جیسے بھی چلیں''

اس بنا پر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسماء مذکورہ میں سے ایک طرف حق ہے اور وہ علی علیہ السلام کی ذات ہے اور حدیث عشرہ مبشرہ محض جھوٹ کا پلندہ ہے کیونکہ باطل کے طرفداروں کو جنت نصیب نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات یہ کہ عبدالرحمٰن بن عوف خود اس حدیث کا راوی ہے جو خود ان دس جنتی افراد میں شامل ہے اور یہ وہی عبدالرحمٰن ہے۔ جس نے عمر کی وفات کے بعد شوریٰ تشکیل ہونے کے دن علی علیہ السلام پر تلوار تان لی

---

(۱) مناقب ابن مغازلی' ص ۵۰- منتخب خوارزمی ص ۷۶ و ۲۳

(۲) کنز العمال' ج ۶' ص ۱۵۷- الامامة والسیاسة' ص ۷۳- مجمع الزوائد ہیثمی' ج ۷' ص ۲۳۵ وغیرہ

(۳) مذکورہ مصدر

تھی اور ان سے کہا تھا۔ ''بیعت کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔'' یہی وہ عبدالرحمٰن ہے جس نے عثمان کی مخالفت کی اور عثمان نے اسے منافق کہہ کر یاد کیا۔ کیا یہ تمام چیزیں مذکورہ روایت سے مطابقت رکھتی ہیں اور کیا عبدالرحمٰن ان دس افراد میں سے ہوسکتا ہے جنہیں جنت کی بشارت دی گئی ہو؟

کیا ابوبکر و عمر کو جنت کی بشارت دی گئی ہے جبکہ یہ دونوں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شہادت کا سبب بنے؟ اور جناب فاطمہؑ جن سے آخری عمر تک ناراض رہیں ہوں؟

کیا عمر نے حضرت علیؑ کو رسی باندھ کر کھینچتے ہوئے یہ نہیں کہا تھا کہ بیعت کرو نہیں تو قتل کردیئے جاؤ گے؟

کیا طلحہ و زبیر عثمان کے قتل پر مصر نہ تھے؟ کیا یہ دونوں کے دونوں اس امام کی اطاعت سے خارج نہیں ہوگئے جس کی اطاعت واجب قرار دی گئی تھی؟ کیا ان دونوں نے جنگ جمل میں علی علیہ السلام کے مقابل تلوار نہیں چلائی؟

اور اس کے علاوہ ان دس لوگوں میں سے صرف سعد بن وقاص نے اس حدیث کی تصدیق کی ہے اور جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ عثمان کو کس نے قتل کیا تو وہ جواب میں کہتا ہے۔ ''عثمان اس تلوار سے قتل کئے گئے جسے عائشہ نے غلاف سے باہر نکالا طلحہ نے اسے تیز کیا اور علیؑ نے زہر میں بجھایا تھا۔''

کیا آپس کی ان تمام مخالفت اور منافقت کے باوجود یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ سب کے سب جنتی ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اور خود یہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی مخدوش اور مردود ہے کیونکہ اس کی سند عبدالرحمٰن بن عوف اور سعید بن وقاص میں سے کسی ایک پر تمام ہوئی ہے اور روایات میں عبدالرحمٰن کی سند کا سلسلہ بھی متصل نہیں ہے لہٰذا یہ اپنے اعتبار سے گر جائے گی اور سعید بن زید کے بارے میں یہ روایات معاویہ کے دور خلافت میں کوفے میں نقل کی گئی ہیں اور معاویہ کے دور سے پہلے کبھی کسی نے یہ حدیث نہ سنی تھی جس کی بنا پر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاویہ کا کارنامہ ہے(۱)

---

(۱) شرح الغدیر، ج۱ ص۱۲۲ سے لیکر ۱۲۸ تک

قبروں پر پیسے ڈالنا

قبرستان بقیع میں ایک بورڈ پر لکھا ہوا ہے۔

''لا یجوز رمیٰ النقود علی القبور''

''قبروں پر پیسہ پھینکنا جائز نہیں ہے۔''

ایک روز امر بالمعروف کمیٹی کا سرپرست بقیع میں آیا تو اس نے دیکھا کہ کچھ قبروں پر پیسے پڑے ہوئے ہیں اس نے مجھے دیکھا تو مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا۔'' یہ پیسے زائروں کو دے دو ان کا قبروں پر ڈالنا حرام ہے۔''

شیعہ عالم: ''کس دلیل سے قبروں پر پیسے ڈاالنا حرام ہے کیا قرآن اور سنت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس بات کی نہی ہوئی ہے؟ جبکہ رسول خدا کا فرمان ہے کہ تمہارے لئے ہر وہ چیز جائز ہے جس سے تمہیں منع نہ کیا گیا ہو۔''

سرپرست: ''قرآن میں آیا ہے کہ ''انما الصدقه للفقرا.'' صدقہ صرف فقرا کے لئے ہے (سورہ توبہ ۶۰)

شیعہ عالم: ''یہ پیسہ بھی قبر کے فقیر مجاور اٹھاتے ہیں۔''

سرپرست: ''قبر کے مجاور فقیر نہیں ہیں۔''

شیعہ عالم: ''کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ فقیر ہی ہوں کیونکہ مدد اور بخشش کے لئے یہ قطعاً لازم نہیں ہے اگر کوئی شخص کسی مقصد کے تحت خدا کی راہ میں اپنا تمام مال کسی دولت مند کو بھی دے دے تو کیا کوئی حرج ہے جیسا کہ شادیوں میں دولہا اور دلہن کے سر سے پیسہ نچھاور کرتے ہیں اور غیر فقیر بھی یہ پیسہ اٹھاتے ہیں اور جس آیت کو تم نے پڑھا ہے اس میں صدقے کے آٹھ مصرف ذکر ہوئے ہیں۔ جس میں سے ایک اللہ کی راہ بھی ہے اور جب مسلمان اولیاء خدا کی قبروں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں'' ہماری جان و مال آپ پر فدا ہو'' اب اگر ایک شخص اپنی دوستی اور محبت کی وجہ سے اپنا تمام مال یا اس کا کچھ حصہ اسے بخش دے تو عرفاً اس میں کیا برائی ہے خداوند متعال نے اپنی دلیل اور ذاتی رائے سے کسی حلال کو حرام کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ ہم سورہ نحل کی ۱۱۶ ویں آیت

میں پڑھتے ہیں۔

"ولا تقولوالما تصف السنتکم الکذب هذا حلال و هذا حرام لتفتروا

علی الله الکذب"

"اپنی زبان سے نکلنے والے جھوٹ کی وجہ سے یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تا کہ تم

خدا پر جھوٹ باندھ سکو۔"

کیا خداوند متعال نے تمہیں اپنی طرف سے قانون گڑھنے کی اجازت دی ہے اور ہر چیز جو تمہارے ذوق کے مطابق نہ ہو تم اسے حرام اور شرک قرار دے دو اور تم بدعت کے مقابلہ کی آڑ میں ہر حلال کو حرام قرار دے دیتے ہو کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ حلال کو حرام کرنا خود ایک بدعت ہے اور جو لوگ اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ خود جان لیں کہ انہوں نے صراط مستقیم کو چھوڑ دیا ہے جیسا کہ ہم اس آیت میں پڑھتے ہیں کہ

"ان الذین یفترون علی الله الکذب لا یفلحون"

جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

شرک، شرک، شرک

سعودی عرب کی منڈیوں میں شرک بڑی ہی ارزاں شئے ہے۔ وہاں کی امر بالمعروف کمیٹی چھوٹی سی بات کو لے کر مومن کو مشرک بنا دیتی ہے۔ گویا ان کی تھیلیوں میں شرک اور شرک کی تہمت لگانے کے علاوہ اور کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے یہ لوگ اس سلسلہ میں صرف زبانی باتوں پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ شیعوں کی مختلف مشہور کتابوں پر بھی حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر شیعوں کے مشہور و معروف محقق و عالم دین استاد شیخ رضا مظفر کی یہ عبارت:

"فکانت الدعوته للتشیع لابی الحسن علیه السلام من صاحب الرسالته تمشی منه جنبالجنب مع الدعوته للشهادتین"

علیؑ کی ولایت کی طرف دعوت رسول اکرم کی توحید کی طرف دعوت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھی۔ ایک وہابی مولف اپنی کتاب "الشیعہ والتشیع"۔ جو سعودی عرب میں چھپ چکی ہے۔ میں لکھتا ہے۔

"ان النبی حسب دعوی المظفری کان یجعل علیا شریکا له فی نبوته ورسالته"

"رسولؐ خدا مظفر کے دعوے کے مطابق علی (علیہ السلام) کو اپنی نبوت ورسالت میں شریک قرار دیتے تھے۔"

اس مصنف سے مناظرہ

اگر یہ ہوا وہوس میں اپنے دین کو بیچ کھانے والا وہابی ذرا بھی شیعوں کے عقائد سے واقفیت رکھتا تو شیخ رضا المظفر پر اس طرح کا احمقانہ اعتراض نہ کرتا۔

اگر اس طرح کی بات شرک ہوتی تو قرآن میں یہ آیت کبھی ذکر نہ ہوتی کہ

"اطیعوا الله و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم---------"

"اللہ کی اطاعت کرو اس کے رسول کی اور تم میں سے جو اولی الامر ہوں"

اس آیت میں اولی الامر اللہ اور رسولؐ کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں اور سب نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ حضرت علی علیہ اسلام اولی الامر سے واضح ترین مصادیق میں سے ہیں۔

کیا اس صورت حال میں یہ کہنا ممکن ہے کہ رسول خدا نے اس آیت کو پڑھ کر توحید کی طرف دعوت دینے کی بجائے شرک کی دعوت دی ہے؟

جہاں تک رسالت کی دعوت کے ساتھ امامت کی دعوت کا ہر جگہ ہونا ہے تو یہ ایک حتمی بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد علیؑ اور آپ کی خلافت کی تبلیغ کرنا ہے اسی لئے آپ جس طرح اپنی رسالت اور توحید خداوندی کی تبلیغ کرتے تھے اسی طرح علی علیہ السلام کی ولایت اور امامت کی طرف بھی لوگوں کو متوجہ کرتے اور انہیں اس طرف دعوت دیا کرتے تھے۔ اس کا شرک سے کوئی ربط ہی نہیں ہے۔

اس کی مزید توضیح میں ہم یہ عرض کریں گے کہ جب سورہ شعراء کی یہ آیت نازل ہوئی

"وانذر عشیر تك الاقربین"

اپنے رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

تو رسول خدا نے اپنے رشتہ داروں کو دعوت دی اور اس وقت آپ نے یہ اعلان کیا۔

کوئی ایسا ہے جو اس کام میں میری مدد کرے اور اس کے بدلے وہ میرا بھائی، وصی اور میرے بعد میرا خلیفہ ہو جائے؟"

اس وقت کوئی بھی علی علیہ السلام کے علاوہ نہیں اٹھا تھا اور جب کئی دفعہ دہرانے کے بعد بھی علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی نہ اٹھا تو آپ نے فرمایا:

"ان هذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعواله واطیعوه"

بلاشبہ یہی میرا بھائی، وصی اور میرے بعد تم لوگوں میں میرا جانشین ہے لہذا تم لوگ اس کی باتیں سنو اور اس کی اطاعت کرو۔(۱)

شیعہ اسی بنا پر یہ کہتے ہیں کہ جب بھی پیغمبرؐ اپنی رسالت اور توحید کی دعوت دیا کرتے تھے تو علی علیہ السلام کی امامت کو بھی بتا دیتے تھے۔ کیا وفات کے بعد علیؑ کی خلافت کی طرف دعوت دینا شرک ہے؟ کیا دعوت نبوت کے ساتھ ساتھ امامت کی دعوت دینا شرک ہے؟(۲) اور کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول خدا نے علی علیہ السلام کو اصل نبوت میں اپنا شریک بنا لیا؟

ہائے بے انصافی......!

---

(۱) یہ حدیث "یوم نذار" کے نام سے معروف ہے، اس کے بہت سارے مدارک ہیں منجملہ: تاریخ طبری، ج ۲، ص ۶۳ - تاریخ ابن اثیر ج ۲، - تاریخ ابو الفداء ج ۱ وغیرہ مزید توضیح کے لئے کتاب احقاق الحق، ج ۴، ص ۶۲ کے بعد کا رجوع کریں

(۲) کتاب "آئینہ وہابیت" سے اقتباس ص ۱۲ سے ۱۴۱ تک

حج کے متعلق دو علماء کا مناظرہ

انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد جن مسائل کے متعلق بہت زیادہ گفتگو ہوئی ان میں سے مسئلہ حج بھی ہے۔ جمہوری اسلامی ایران کے بانی امام خمینیؒ نے اپنے ایک بیان میں یہ اعلان کیا تھا:

"حج دو طرح کا ہوتا ہے ایک حج ابراہیمی اور دوسرا حج ابوجہلی۔ حج صرف ایک عبادت نہیں ہے بلکہ حج ایک مکتب ہے ایک مدرسہ جو ہر طرف سے شاداب و زندہ ہے۔"

اسی بنا پر امام خمینی کے ماننے والے اور ان کے مقلدوں کے نزدیک مسئلہ حج کی ایک نئی صورت ہو گئی، مسئلہ "برائت از مشرکین" کی بات آئی جس کے بڑے اچھے نتائج سامنے آئے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دربار حجاز کے بعض ملاؤں اور کچھ قدامت پسند ایرانی علماء نے اس پر اعتراضات کئے، ان کا کہنا تھا۔ "حج ہر طرح کے سیاسی امور سے پاک ہونا چاہیے اور پہلے ہی کی طرح اسے صرف ایک عبادی عمل کی طرح انجام دینا چاہیے۔" جبکہ قرآن نے خود کہا ہے:

"جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس"

"خدا نے کعبہ یعنی محترم گھر کو لوگوں کے لئے قیام کا وسیلہ بنایا ہے۔"

اس آیت میں آنے والے جملہ "قیاماللناس" کا لفظ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمانوں کو کعبہ کے سائے میں اپنے تمام مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیے، اپنی مشکلات کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرنا چاہیے اور اپنی زندگی کی معنوی و مادی مشکلات کو یہیں سے ختم کرنا چاہیے۔

اسی موضوع سے متعلق ذیل میں درج مناظرہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

عالم نما: "یہ شور شرابا اور سیاسی چالیں کیسی ہیں جنہیں ان لوگوں نے حج میں گھسا دیا ہے حج تو بڑے آرام اور سکون سے بجا لانا چاہیے۔ حج خود سازی اور تزکیہ روح کے لئے ایک عبادت ہے اسے زندہ باد و مردہ باد کے نعروں سے نہیں ملانا چاہیے۔ یہ حج ابراہیمی و حج ابوجہلی کون سی بات ہے خدا کی قسم! یہ سب نئی باتیں ہیں۔"

ہوشمند: "میرے نزدیک تو جس طرح ہمارے پاس دو مختلف اسلام ہیں ایک معاویہ کا

اسلام اور دوسرا حقیقی (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اسلام۔ اسی طرح حج بھی دو طرح کا ہے ایک ابراہیمی حج اور دوسرا حج یزیدی اور ابوجہلی۔

عالم نما: ''حج ایک عبادت ہے جیسے اس کے علاوہ دوسری عبادات' انہیں سیاسی اور غیر خدائی مسائل سے دور رکھنا چاہیے۔''

ہوشمند: ''سیاست اپنے حقیقی معنوں میں عین دیانت ہے اور اس طرح کی سیاست دین سے الگ نہیں۔ بعض ایسی عبادتیں ہوتی ہیں جو نفس کی پاکیزگی کے لئے بہترین وسیلہ اور روحانی عمل ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی اعتبار سے بھی کافی موثر ہوتی ہیں کیونکہ روح عبادت' خدا کی طرف توجہ ہے اور روح سیاست خلق خدا کی طرف سے ہے۔ لہٰذا حج میں ان دونوں کو اس طرح ملا دیا گیا ہے کہ اگر ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے تو روح حج ختم ہو جائے گی بلکہ اس طرح سے حج کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔۔۔

اس سے زیادہ روشن عبادت میں یوں کہا جائے کہ حج ایسی عبارت ہے جس میں چھلکا اور مغز دونوں ہوتا ہے جو لوگ صرف چھلکے پر ہی قناعت کر لیتے ہیں وہ حقیقت میں حج تک پہنچ ہی نہیں پاتے کیونکہ انہوں نے مغز کو دور پھینک دیا۔ مکہ کا ایک نام ''ام القریٰ'' ہے جس طرح ماں اپنے بچوں کو غذا دیتی ہے اسی طرح مکہ بھی تمام مسلمانوں کو فکری' سیاسی اور معنوی افکار کی طرف دعوت دیتا ہے اور اسلامی ہدایت کے مطابق ان کی تربیت کرتا ہے۔''

عالم نما: ''ہم مسلمان ہیں اور قرآن کو مانتے ہیں کیا قرآن میں نہیں آیا ہے۔''

''ولا جدال فی الحج''

حج میں مجادلہ نہیں ہے (بقرہ-۱۹۷)

اس بنا پر حج کے موسم میں طرح طرح کی نعرہ بازی اور جھگڑے فساد سے دور رہنا چاہیے کیونکہ اس طرح کی باتیں بھی ایک طرح سے جدال ہی کے زمرے میں آتی ہیں اور قرآن اس سے منع کرتا ہے۔''

ہوشمند: ''جو آیت تم نے پڑھی ہے اس میں جدال کے معنی وہ لفظی جھگڑے ہیں جو مومنین کے درمیان پیش آتے ہیں اور بلا مقصد بحثیں ہیں جن کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔

لیکن آئمہ علیہم السلام کی احادیث سے جہاں تک سمجھ میں آتا ہے تو جدال کے معنی جھوٹی قسم کھانا ہے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''ایسا مجادلہ جو قسم کے ساتھ ہو مگر اس کا مقصد

مومن کا احترام ہو تو ایسے جدال میں کوئی حرج نہیں"۔ جس جدال سے منع کیا گیا ہے وہ جدال ہے جو گناہ کے ساتھ ساتھ ہو اور جس کے ذریعے کوئی اپنے برادر ایمانی سے لڑائی کرنا چاہے(۱) لیکن اگر دین کے اثبات کے لئے اور اسلام کے دفاع کے لئے جدال ہو تو گناہ نہیں ہوگا بلکہ یہ کار ثواب ہو گا۔"

امام فخر رازی اپنی تفسیر میں سورہ بقرہ کی آیت ۹۷ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جمہور متکلمین کا یہ نظریہ ہے کہ دین کے متعلق جدال اطاعت ہے۔"

اس کے بعد وہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے ایک آیت یہ بھی ہے:

"ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن"

"اے پیغمبر! لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھے موعظے کے ذریعے بلاؤ اور ان کے ساتھ اچھی باتوں کے ذریعے جدال کرو۔

اسی طرح سورہ ہود کی ۳۲ ویں آیت میں ہم پڑھتے ہیں:

یہ آیت قوم نوح کے قول کی حکایت کر رہی ہے:

"یانوح قد جادلتنا فاكثرت جدالنا"

"اے نوحؑ! تم نے آپ سے جدال کیا اور ہمارے جدال کو آپ نے زیادہ کر دیا۔"

اس آیت سے بات سمجھ میں آتی ہے کہ جناب نوحؑ اپنی قوم کے ساتھ جدال کیا کرتے تھے اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جناب نوحؑ کا جدال اپنی قوم کو خداوند یکتا کی طرف بلانے کے سلسلے میں تھا۔ لہٰذا ان باتوں کی بنیاد پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس جدال سے حج میں روکا گیا ہے وہ جدال ہے جو باطل کام کے لئے ہو نہ کہ وہ جدال جو خداوند متعال کی اطاعت کی غرض سے ہو۔

عالم نما: "قرآن میں متعدد ایسی آیات ہیں جو جدال سے منع کرتی ہیں اور اسے کفار کا وطیرہ قرار دیتی ہیں مثلاً ہم سورہ غافر کی چوتھی آیت میں پڑھتے ہیں:

"مایجادل فی آیات الله الا الذین كفروا"

---

(۱) مجمع البیان، ج ۲، ص ۲۹۴

''اللہ کی نشانیوں میں صرف کفار ہی جدال کرتے ہیں۔''

اسی طرح سورہ حج کی ۶۸ ویں آیت میں آیا ہے:

''وان جادلوك فقل الله اعلم بماتعملون''

''اور اگر وہ تم سے جدال کریں تو ان سے کہہ دو کہ اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔''

سورہ انعام کی ۱۲۱ آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

''وان الشياطين ليوحون الىٰ اوليا ئهم ليجادلوكم''

''اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں کہ وہ تم سے مجادلہ کریں۔''

ہوشمند: ''قرآن میں جدال کے استعمال کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے بہت سے معنی ہیں جنھیں کلی طور پر دو طرح سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ۱...... پسندیدہ ۲...... ناپسندیدہ۔ جب بھی مناظرہ اور جدال کا مقصد راہ حق واضح کرنا ہو تو یہ ایک پسندیدہ کام ہوگا اور اس پر ثواب بھی ملے گا بلکہ اس طرح کے جدال تو بعض مواقع پر واجب بھی ہو جاتے ہیں اور ان کا شمار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زمرے میں ہوتا ہے لیکن اگر یہ باطل کے اثبات کے لئے ہو اور باطل کی طرفداری میں ہو تو یقیناً ایسا جدال حرام ہے۔ قرآن میں اس طرح کے جدال کے متعلق سختی سے حکم آیا ہے۔

نتیجہ کے طور پر ہم حج میں ہر طرح کے جدال کو باطل اور بے بنیاد نہیں کہہ سکتے۔

عالم نما: ''میری اصل بات یہ ہے کہ دین کو سیاست سے مخلوط نہیں کرنا چاہیے۔ حج کا مقدس مقام نعرہ بازی اور جلوس نکالنے کے لئے قطعاً موزوں نہیں ہے۔ یہ حج جیسی مقدس عبادت کے لئے مخصوص ہے سیاست کے لئے دوسری اور بہت سی جگہیں ہیں جہاں اس کا کھیل کھیلا جاسکتا ہے۔

ہوشمند: ''اسلام میں عبادات صرف عبادی پہلو لئے ہوئے نہیں ہوتیں بلکہ ان میں کچھ دوسرے مقاصد بھی پنہاں ہوتے ہیں حج عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی' سیاسی' اخلاقی' اقتصادی اور ثقافتی پہلوؤں کو بھی لئے ہوئے ہے حج حقیقی اور کامل وہی ہوگا جو ان تمام جہتوں کو اپنے اندر لئے ہوگا اور جب بھی ہم اس کو کسی ایک جانب سے نامکمل چھوڑ دیں تو وہ حج ناقص ہوگا۔''

یہاں پر اس بات کی مزید وضاحت کے لئے امام خمینیؒ کے کلام پر توجہ کریں:

"حج کے فلسفوں میں سے اس کا سیاسی پہلو بھی ہے اس لئے دنیا کے تمام مجرم اس پہلو کو ختم کرنا چاہ رہے ہیں ان کے پروپیگنڈوں نے بہت سے مسلمانوں کو بھی گمراہ کر دیا ہے اور وہ بھی اسے صرف خشک عبادت سمجھتے ہیں حج جب سے وجود میں آیا ہے' اس میں سیاسی پہلو بھی عبادی پہلو جتنا موجود رہا ہے اس کے علاوہ بھی اس میں موجود عبادی پہلو کے علاوہ اس کا سیاسی پہلو بھی ایک طرح عبادت ہے(۱)"

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں۔

"لبیک لبیک میں" "نہ" تمام بتوں کے لئے کہو اور "لا" کی صدائیں تمام ظالم و جابر اور طاغوتی قوتوں کے لئے ہونی چاہیے۔ طواف حرم خدا جو عشق و محبت کی علامت ہے اس کے ساتھ ہی دلوں کو بھی دوسروں کی محبت سے خالی کر لو اور اپنی روح ونفس کو غیر حق کے خوف سے پاک کر لو۔ اللہ سے عشق کرنے کے ساتھ طاغوتی قوتوں اور چھوٹے بڑے بتوں اور ان کے متعلقین سے برائت کا بھی اظہار کرو کہ خدا اور اس کے دوست داران ان سے بری ہیں۔۔۔(۲)

اس بنا پر حج ایک ایسا فریضہ ہے جو عبادی اور سیاسی دونوں پہلوؤں کا حامل ہے اور اس کا سیاسی پہلو بھی عبادت ہے۔ اس بنا پر ہم کیونکر سیاست اسلامی سے حج کو دور رکھ سکتے ہیں مثال کے طور پر اگر سیب کے جوس کو سیب سے دور کر دیں تو کیا بچے ہوئے کچرے کو سیب کہا جائے گا؟"

عالم نما: "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ ان لوگوں نے بھی حج کئے مگر کبھی حج کے دوران سیاسی کام انجام نہیں دیا صرف اپنی عبادتوں سے کام رکھا۔

ہوشمند: "یہ ایسی بات ہے جس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اتفاقاً حقیقت اس کے خلاف ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام مناسب موقع پر کعبہ کے اطراف سیاسی، اجتماعی اور ثقافتی امور انجام دیتے تھے اور اس پہلو کو بڑی اہمیت بھی دیتے تھے نمونے کے طور پر ہم چند گوشوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

---

(۱) صحیفہ نور، ج ۱۸، ص ۲۶ و ۶۷

(۲) وہی مصدر، ج ۲۰، ص ۱۸

۱۔ رسولؐ خدا کی طواف کے دوران عظیم توحیدی فوجی مشق

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے ساتویں سال (فتح مکہ سے ایک پہلے) "صلح حدیبیہ" کے قطع نامے کے لحاظ سے اس بات کے مجاز تھے کہ عمرہ کے مناسک انجام دینے کے لئے مکہ جائیں اور وہاں تین دن رکیں۔ آپ نے دس ہزار اصحاب کے ساتھ مکہ کا سفر کیا اور احرام باندھنے کے بعد بڑے شکوہ سے مکے میں داخل ہوئے اور طواف کرنے لگے۔ مکہ کے لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پر شکوہ شخصیت کو دیکھنے کے لئے قطاروں میں کھڑے ہوئے تھے رسول خدا اور آپ کے اصحاب کے جمال سے ان کی نگاہیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں۔ اس حساس اور سیاسی موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔

"اپنے شانوں کو برہنہ کر دو اور اس طرح طواف کرو کہ مشرکین تمہارے مضبوط بازوؤں کی مچھلیوں کو دیکھ لیں۔"

اصحاب نے آپ کے اس حکم کی تعمیل کی۔ مشرکین کعبہ کے اطراف قطار باندھے کھڑے تھے اور رسولؐ خدا اور ان کے اصحاب کو طواف کرتا ہوا دیکھ رہے تھے

مزید بات تو یہ ہے جب بھی "لبیک اللھم لبیک" کی گرج رکتی تھی "عبداللہ بن روحہ" تلوار لٹکائے ہوئے آنحضرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی گرج دار آواز میں اس طرح رجز پڑھتے تھے

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ
خلوا فکل الخیر فی قبولہ
یارب انی مومن لقیلہ
انی رایت الحق فی قبولہ

اے کافرو! رسول کا راستہ چھوڑ دو اور جان لو کہ تمام نیکیاں ان کے قبول میں ہیں۔

پروردگار! میں آنحضرتؐ کے قول پر ایمان رکھتا ہوں اور میں نے حق کو ان کی باتوں کے قبول کرنے میں پایا ہے (۱)

حالت ہوگئی تھی گویا وہ کوئی فوجی مشق انجام دے رہے ہوں اور یہ عبادت کے ساتھ

---

(۱) "کحل البصر"، ص ۱۱۹ اور مجمع البیان، ج ۹، ص ۱۲۷ سے اقتباس

مشرکوں کیسامنے اپنی طاقت اور قوت کی نمائش بھی تھی تا کہ انھیں مسلمانوں کی طاقت کا احساس ہو جائے اور وہ ان سے جنگ کرنے کی جرات نہ کریں۔

۲-امام حسین علیہ السلام کا معاویہ پر حج کے دوران کھلا اعتراض

ہجرت کے ۵۸ ویں سال معاویہ کی موت سے دو سال پہلے معاویہ نے شیعوں پر بڑا ظلم ڈھایا اور وہ یوں بھی اپنی حکومت کے دوران شیعوں کے ساتھ بڑا بے رحمانہ سلوک کرتا تھا۔

اسی سال امام حسین علیہ السلام نے حج کے لئے مکہ کا سفر کیا اور وہاں آپ نے تمام بنی ہاشم اور اپنے انصار و شیعوں کو بلایا۔ تقریباً ایک ہزار سے زیادہ لوگوں نے اس میں شرکت کی۔ ان میں بعض اصحاب رسولؐ کے بیٹے اور تابعین تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے اس مجمع میں کھڑے ہو کر نہایت جوشیلے انداز میں خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''اما بعد فان الطاغیة قد صنع بنا و بشیعتنا' ماقد علمتم ورایتم''

اما بعد: ''بلا شعبہ اس طاغی نے جو کچھ ہمارے ساتھ اور ہمارے شیعوں کے ساتھ کیا ہے اس سے تمھیں واقفیت ہے اور تم نے خود دیکھا بھی ہے' ان کی باتیں اور خبریں بھی تم تک پہنچیں ہیں میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اگر میں نے سچ کہا تو تم میری تصدیق کرنا اور اگر میں نے جھوٹ بولا تو تم مجھے جھٹلا دینا میری باتیں سنو اور انھیں یاد رکھو اور جن لوگوں پر تمہیں اطمینان ہو ان تک میرا یہ پیغام پہنچا دو اور ان پر معاویہ کے ستم کے متعلق جتنی بھی تمھیں معلومات ہے انھیں بتا کر معاویہ سے لڑنے پر آمادہ کرو کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو حق پرانا اور بھولی بسری چیز ہو جائے گا مگر خدا اپنے نور کو مکمل کرے گا بھلے ہی یہ بات کافروں کو بری لگے۔''

اس کے بعد امام حسینؑ نے قرآنی آیات اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے ان کی اور ان کی اولاد کی برتری ثابت کی اسی دوران حاضرین، ''اللھم نعم قد سمعناہ و شھدناہ''

''ہاں ہم خدا کو گواہ بناتے ہیں کہ ہم نے یہ بات سنی ہے اور اس کی سچائی کی ہم گواہی دیتے ہیں'' کہہ کر امامؑ کے قول کی تصدیق کر رہے تھے۔

آخر میں امام حسین علیہ السلام نے ایک دفعہ پھر ان سے کہا۔ "تمھیں میں خدا کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ جب تم اپنے وطن کو لوٹو تو قابل اطمینان افراد تک میرا یہ پیغام ضرور پہنچا دینا۔(۱)

یہ واقعہ حج کے دوران سیاسی امور انجام دینے پر ایک بہترین دلیل ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے حج کے موقع پر معاویہ کے خلاف تحریک کا آغاز کیا۔ اس طرح ہم حج ابراہیمی کو دیکھتے ہیں کہ یہ صرف عبادت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سیاست کے اہم مسائل پیش کئے جانے چاہیے۔

۳۔ کعبہ کے پاس امام سجاد علیہ السلام کی اپنے زمانے کے ظالم سے ملاقات

تاریخ کے ان واقعات میں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حج سیاسی مسائل بھی لئے ہوئے ہوتا ہے ایک اور واقعہ ہے:۔

عبدالملک (امویوں کا پانچواں خلیفہ) کا زمانہ تھا۔ اس کا بیٹا (ہشام) حج کرنے کے لئے مکہ آیا مگر جب اس نے طواف کے دوران حجر اسود کو بوسہ دینا چاہا تو لوگوں کے مجمع کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور اژدحام کی وجہ سے وہ وہاں تک نہیں پہنچ پایا۔ حجر اسود ہی کے قریب اس کے لئے ایک کرسی کا انتظام کیا گیا اور وہ اس پر بیٹھ گیا۔ شام کے لوگ اس کے اطراف بیٹھ کر لوگوں کو طواف کرتا ہوا دیکھ رہے تھے تبھی اس نے دیکھا کہ امام سجاد علیہ السلام بھی لوگوں کے ساتھ طواف کرنے میں مشغول ہیں۔ جب آپ نے حجر اسود کا بوسہ لینا چاہا تو لوگوں نے بڑے احترام سے آپ کو حجر اسود تک پہنچنے کا راستہ دیا اور آپ نے حجر اسود کا بوسہ لے لیا۔

یہ دیکھ کر ایک شامی نے ہشام سے پوچھا۔ "یہ کون ہے جس کا لوگ اتنا احترام کر رہے ہیں؟"

ہشام نے تجاہل سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جانتا۔"

اس حساس موقع پر وہاں شاعر اہل بیت فرزدق بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس شامی سے کہا۔ "ولکنی اعرفه لیکن میں انہیں پہچانتا ہوں۔"

اس شامی نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

---

(۱) احتجاج طبرسی ج ۲، ص ۱۸

اس کے جواب میں فرزدق نے اپنا ۴۱ بیتوں پر مشتمل وہ مشہور قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہے:

هذاالذی تعرف البطحا، وطاته

والبیت یعرفه والحل والحرم

''یہ وہ ہیں جن کے قدموں کے نشانات کو مکہ پہچانتا ہے جنہیں کعبہ' حجاز کے جنگلات اور حرم اور اس کے زیورات پہچانتے ہیں۔

ہشام کو بڑا غصہ آیا اور اس نے فرزدق کو قید کرنے کا حکم دیا۔ جب امام علیہ السلام کو فرزدق کے قید ہونے کی خبر ملی تو آپ نے ان کے لئے دعا کی اور ان کے پاس دس ہزار درہم بھیجا جسے فرزدق نے قبول نہیں کیا امام نے انہیں یہ پیغام بھیجا۔

''تمہارے اوپر جو میرا حق ہے اس کی وجہ سے یہ مبلغ قبول کرلو خدا تمہارے معنوی مقام اور پاک نیت سے آگاہ ہے۔''

فرزدق نے وہ درہم قبول کرلئے اور زندان ہی میں ہشام کی سرزنش اور ہجو میں کچھ اشعار کہے۔(۱)

۴-امام باقر علیہ السلام کی سیاسی وصیت

عظیم محدث کلینی موثق اسناد سے نقل کرتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''میرے والد نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔''میری زمینوں میں سے تھوڑا سا حصہ وقف کردو تا کہ لوگ میدان، منیٰ میں حج کے موقع پر میری مظلومیت پر روئیں۔''(۲)

یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ آخر امام نے کیوں یہ وصیت نہیں کی کہ مدینے میں میرے اوپر گریہ کرنے کے لئے وہیں قبر کے پاس ایک زمین وقف کردی جائے اور وہاں ان کا ماتم کیا جائے۔ کیوں انہوں نے یہ وصیت نہیں کی کہ مکہ میں منیٰ یا موسم حج کے بعد ان پر رویا جائے؟

اس سوال کا یہی جواب ہے کہ امام یہ چاہتے تھے کہ موسم حج میں اس جگہ میرے اوپر رویا جائے تا کہ وہاں ہونے والی مجلسوں سے ظالموں کو تمام مسلمان پہچان لیں اور تمام دنیا کے مسلمان

---

(۱) بحار الانوار، ج ۴۶ ص ۱۲۷

(۲) منتہی الآمال، ج ۲ ص ۷۹

بنی امیہ کے ستم سے آگاہ ہو جائیں۔ اس بنا پر یہ بات کہنا درست ہوگی کہ حج کے زمانے میں سیاسی باتیں کرنا اور اس کے لئے اجتماع کرنا اس قدر اہم کام ہے کہ جس کے لئے امام علیہ السلام نے وصیت کر دی اور اپنے مال کا کچھ حصہ اسی سے مخصوص کر دیا تھا۔

احکام حج عبادت اور سیاست کا مجموعہ

جب ہم اعمال حج پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ حج عبادت کے ساتھ ساتھ سیاسی پہلو بھی لئے ہوئے ہے۔ مثال کے طور پر:

۱- انسان جب دو ٹکڑوں کا احرام باندھتا جس میں پورا بدن بھی ڈھک نہیں پاتا تو اس طرح تمام لوگ برابر ہو جاتے ہیں چاہے وہ پیسے والا ہو یا غریب' اونچی شخصیت کا مالک ہو یا نچلے طبقے سے تعلق رکھتا ہو، احرام پہننے کے بعد سب برابر ہو جاتے ہیں۔ اس طریقے سے تعصب اور قوم پرستی سے مقابلہ کا درس حاصل ہوتا ہے جو سیاسی نقطہ نظر سے بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

۲- احرام کے بعد یہ بھی حکم ہے کہ انسان کسی کو بھی نقصان نہ پہنچائے حتی کہ جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کو بھی اس حالت میں مارنا حرام ہے۔ حرم میں گھاس اکھاڑنا' بدن سے بال توڑنا اور ہتھیار لے کر جانا، سب کچھ حرام ہے۔ جس سے امن و امان کا درس ملتا ہے جو حکومت میں ایک نہایت اہم سیاسی پہلو ہے۔

۳- کعبہ کے طواف کے دوران مستحب ہے کہ جب بھی حجر اسود تک پہنچے اس پر ہاتھ مل کے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"وھو یمین اللہ فی ارضہ یبایع بھا خلقہ"

حجر اسود اللہ کی زمین پر اس کا داہنا ہاتھ ہے جس کے ذریعے خدا اپنے مخلوقات سے بیعت لیتا ہے(۱)

---

(۱) وسائل الشیعہ' ج ۹' ص ۴۰۶

اصولاً ''بیعت'' بھی ایک سیاسی پہلو ہے۔ خدا کے ساتھ بیعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تیرے ہاتھ پر بیعت کی ہے تا کہ تیرے راستے کو اختیار کریں اور تیرے دشمنوں مثلاً امریکہ واسرائیل اور دوسرے تمام کفار سے دشمنی کریں۔

۴۔ منیٰ میں ''رمی جمرات'' کو لے لیں ہم وہاں شیطان پر پتھر مارتے ہیں اس کا سیاسی پہلو یہ ہے کہ امریکہ اور اسرائیل اور شیطان کے تمام چیلوں کو پتھر مارنا چاہیے' انہیں اپنے دشمن کے طور پر جاننا چاہیے اور اس میں اتنی دقت ہے کہ اگر پتھر خود ''جمرہ'' کو نہ لگے اور ادھر ادھر ہو جائے تو یہ درست نہ ہوگا۔ لہذا ہمیں بھی اپنے خاص دشمنوں کو چھوڑ کر ادھر ادھر اپنی قوت زائل نہیں کرنا چاہیے۔

۵۔ منیٰ میں قربانی کے وقت ہم قربانی کرتے ہیں اور اس سے یہ درس حاصل کرتے ہیں کہ شیطانی قوتوں کے سامنے اپنی جان و مال کو قربان کرنا چاہیے۔

احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ جب ظہور کریں گے تو وہیں پر کعبے کے پاس (۳۱۳) انصار سے بیعت لیں گے (۱) اسی اساس پر ہے۔ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا ہے۔

''.......جعل الله الحج تشييداللدين''

''اللہ تعالیٰ نے حج کو دین کے استحکام کا سبب بنایا ہے'' (۲)

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''لا يزال الدين قائماً ما قامت الكعبه''

جب تک کعبہ ہے دین باقی رہے گا (۳)

کیا وہ عبادت جس کے صرف عبادی پہلو کو مدنظر رکھ کر اس کے سیاسی مقاصد سے چشم پوشی کر لی جائے جو حج کے اہم فلسفے کو تشکیل دیتا ہے' دین کے استحکام اور استواری کی وجہ بن سکتی ہے؟

---

(۱) سنن ابن ماجہ' ج ۲' ص ۱۸ و ۱۹۔ بحار' ج ۵۲' ص ۳۱۶

(۲) اعیان الشیعہ' طبع جدید' ج ۱' ص ۱۴

(۳) وسائل الشیعہ' ج ۸' ص ۱۴

جناب عبدالمطلب اور ابوطالب کی قبروں کی زیارت اور ان کا ایمان

ہمیں معلوم ہے کہ "عبدالمطلب" رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد اول اور جناب ابوطالب حضرت علی علیہ السلام کے والد کی قبریں مکہ کے قبرستان "حجون" میں ایک دوسرے کے پاس ہیں۔ شیعہ جب بھی مکہ جاتے ہیں ان دونوں بزرگ واروں کی قبروں پر امکان کی صورت میں ضرور حاضر ہوتے ہیں۔ ان کی زیارت کرتے ہیں مگر اہل سنت ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ وہ اسے درست ہی نہیں جانتے۔ اب آپ ذیل کے مناظرے پر توجہ فرمائیں۔

ایک شیعہ عالم دین کا کہنا ہے کہ ایک جلسے میں امر بالمعروف کمیٹی کے صدر سے جناب ابوطالب اور عبدالمطلب کی قبروں کی زیارت کی بات چل پڑی اس نے کہا۔

"تم شیعہ کس وجہ سے عبدالمطلب اور ابوطالب کی قبروں کی زیارت کرنے جاتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "کیا کوئی حرج ہے؟"

صدر: "عبدالمطلب "فترہ" (جب خدا کی طرف سے کوئی پیغمبر نہیں تھا) میں زندگی بسر کرتے تھے کیونکہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف آٹھ سال کے تھے اور ابھی مقام رسالت پر نہیں پہنچے تھے تبھی عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس بنا پر اس زمانے میں توحیدی دین نہ تھا تو پھر تم کس عنوان سے ان کی قبر کی زیارت کرتے ہو؟

اور ابوطالب تو (نعوذ باللہ) اس دنیا سے مشرک گئے کیا مشرک کی زیارت جائز ہے؟

میں نے کہا۔ "جہاں تک جناب "عبدالمطلب" کی بات ہے تو کیا کوئی مسلمان انہیں مشرک کہہ سکتا ہے؟ اسی فترہ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ خدا شناس اور جناب ابراہیم علیہ السلام کے دین کے پیروکار تھے۔ آپ اپنے دادا جناب ابراہیم کے دین پر عمل کرتے تھے اور آپ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اوصیاء میں سے تھے۔ اہل تسنن اور شیعوں کی روایتوں کے مطابق -- کہ جب ابرہہ اپنے لشکر کے ساتھ کعبہ کو ویران کرنے کے لئے آیا تھا اور سورہ فیل میں آئی تفصیل کے مطابق ہلاک ہو گیا۔ جب جناب عبدالمطلب اپنے اونٹ لینے اس کے پاس گئے تو اس نے کہا۔

''میری نظر میں تم جھوٹے ہو گئے ہو جو اپنے اونٹ لینے یہاں آ گئے مگر اپنے مقدس گھر کعبہ جو تم لوگوں کا معبد ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے؟''

عبدالمطلب نے اس کے جواب میں کہا۔

''انارب الابل' ان للبیت ربا سیمنعه''

''میں اونٹوں کا مالک ہوں' اور کوئی اس گھر کا بھی مالک ہے جو اس کا دفاع کرے گا۔''

اس کے بعد جناب عبدالمطلب کعبہ کے پاس آئے اور کعبہ کے حلقہ کو پکڑ کر دعا کی اور کچھ اشعار پڑھے جن میں سے ایک شعر کا مضمون یہ تھا۔

''خداوند ہر ایک اپنے خاندان اور گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے حرم کے ساکنین کی حفاظت کر(۱)

اور آخر کار ان کی دعا قبول ہوئی اور خداوند عالم نے پرندوں کے جھنڈ بھیج کر ابرھہ اور اس کے فوجیوں کو ہلاک کر دیا اور سورہ فیل اسی مناسبت سے نازل ہوا۔

ایک شیعی روایت میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کی قسم میرے والد ابو طالب اور میرے دادا عبدالمطلب وہاشم وعبد مناف نے کبھی بتوں کی پوجا نہ کی وہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور جناب ابراہیم علیہ السلام کے آئین کے مطابق عمل کرتے تھے۔''(۲)

یہ تو جناب عبدالمطلب کی بات تھی اب جہاں تک جناب ابو طالب علیہ السلام کا سوال ہے تو ان کے ایمان کے متعلق چند باتیں عرض کروں گا:

۱- آئمہ اہل بیت علیہم السلام اور علماء شیعہ سے اجماع ہے کہ وہ اسلام کی حالت میں دنیا سے گئے۔

ابن ابی الحدید (جو سنیوں کے ایک مشہور عالم تھے) نقل کرتے ہیں۔ ''ایک آدمی نے امام سجاد علیہ السلام سے پوچھا۔ ''کہ ابو طالب مومن تھے؟''

ایک دوسرے آدمی نے کہا۔ ''یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو انہیں کافر کہتے ہیں۔''

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا۔ ''تعجب کی بات ہے کہ وہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ

---

(۱) شرح سیرہ ابن ہشام' ج۱ ص ۳۸ سے لے کر ۶۲ تک۔ بلوغ الادب آلوسی' ج۱' ص ۲۵۰ سے لے کر ۲۶۳ تک

(۲) کمال الدین' ص ۱۰۴۔ تفسیر برہان' ج ۳ ص ۷۹۵

وآلہ وسلم اور ابوطالب علیہ السلام سے غلط چیز منسوب کرتے ہیں آنحضرت نے تو مومن مرد کی کافر عورت سے شادی تک کو منع فرمایا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فاطمہ بنت اسد اسلام لانے والوں میں سبقت رکھتی تھیں اور، وہ ابوطالب کی آخری عمر تک انہیں کی زوجیت میں رہیں (۱)

۲-اہل سنت کے علماء اور راویوں سے نقل کیا ہے۔

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقیل بن ابی طالب سے فرمایا۔

''انی احبك حبین ' حبالقرابتك منی' وحبالماكنت اعلم من حب عمی ابی طالب ایاك''

''میں تم سے دو جہتوں سے محبت کرتا ہوں پہلی تو یہ کہ تم میرے رشتہ دار ہو اور دوسری جہت یہ کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے چچا تمہیں بہت چاہتے تھے (۲)''

یہ ایک کھلی شہادت ہے کہ جناب ابوطالب مومن تھے اور رسول خدا کو ان کے ایمان پر اعتقاد تھا ورنہ کسی کافر کی محبت اتنی قیمتی نہیں ہو سکتی کہ رسول خدا اس کی خاطر عقیل کو دوست رکھیں (۳) اس کی مزید وضاحت کے لئے ہم کہیں گے کہ بڑے افسوس کی بات ہے سنی برادر اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے عدم ایمان ابوطالبؑ کو نسل در نسل کرتے چلے آرہے ہیں وہ اس بات سے غافل ہیں کہ خود ان کی سینکڑوں کتابوں اور روایتوں میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ جناب ابوطالب مومن تھے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہیں دراصل حضرت علی علیہ السلام سے دشمنی نکالنا تھی اس لئے یہ ان کے والد کو کافر اور مشرک کہنے لگے اس تعصب اور عداوت کا سلسلہ بنی امیہ کے زمانے سے اس طرح رائج ہو گیا کہ اب تک جاری و ساری ہے۔ حضرت علی کی قسم اگر ابوطالب ان کے باپ نہ ہوتے تو یہی ابوطالب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت مومن اور پاکیزہ چچا کے نام سے جانے جاتے اور قریش کی عظیم ایمانی شخصیات میں (یہ لوگ) ان کا شمار کرتے۔

ایک جلسہ میں علامہ امینی صاحب ''الغدیر'' کے بیٹے سے میری ملاقات ہوگئی۔ وہاں ایمان ابوطالب علیہ السلام کی بات چھڑ گئی۔ انہوں نے کہا۔ ''ہم جب نجف اشرف میں تھے تو ہم نے

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۳۱۲

(۲) استیعاب ج ۲ ص ۵۰۹۔ ذخائر العقبیٰ ص ۲۲۲ وغیرہ

(۳) اس بات کی مزید شرح کے لئے کتاب ''الغدیر'' ج ۷ ص ۳۳۰ سے لے کر ۴۰۹ تک کا مطالعہ کریں۔

سنا کہ مصر کا ایک عالم "احمد خیری" جناب ابو طالب کے بارے میں ایک کتاب لکھ رہا ہے۔ ہم نے اس کے پاس خط لکھا کہ اس کتاب کو اس وقت تک نہ چھپواؤ جب تک ہم "الغدیر" کی ساتویں جلد تمہارے پاس نہ بھیج دیں (جو ابھی نشر نہیں ہوئی تھی اور مطبع ہی میں تھی)

جیسے ہی الغدیر کی ساتویں جلد (جس میں کچھ حصہ حضرت ابو طالب کے متعلق ہے) چھپ کر بازار میں آئی ہم نے اس کی ایک جلد اس کے پاس بھیج دی۔ کچھ دنوں کے بعد احمد خیری کے پاس سے ایک خط آیا جس میں لکھا ہوا تھا "کتاب الغدیر مجھے مل گئی اس کتاب نے جناب ابو طالب کے متعلق میرے عقائد اور ذہنیت کو بدل ڈالا ہے اور اس ست اس نے میرے افکار میں نئے ابواب کا اضافہ کیا۔" اس نے آخر میں لکھا "اسلام کی راہ میں ابو طالبؑ کی کوششیں اور ان کا اسلام کا دفاع اس قدر ہے کہ وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے ایمان میں شریک ہے اور آج دنیا کے تمام مسلمان ان کے مقروض ہیں۔"

صدر: "جب ایمان ابو طالب اتنا روشن اور واضح ہے تو ہمارے علماء کیوں نہیں اس بات کا اعتراف کرتے اور کس لئے وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں بعض ان کے شرک کی تصریح کر دیتے ہیں اور بعض تامل سے کام لیتے ہوئے ٹال جاتے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "جیسا کہ اشارہ ہو چکا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ جب معاویہ کے زمانے میں حضرت علی علیہ السلام پر سب و شتم کا یہ عالم تھا کہ نماز کے قنوت میں بھی وہ اسے جائز سمجھتے تھے' یہ لوگ تقریباً اسی ۸۰ سال تک حضرت علی علیہ السلام کو برا بھلا کہتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ خفیہ اور بکے ہوئے ہاتھوں نے کفر ابو طالب کے سلسلے میں مختلف حدیثیں گڑھنا شروع کر دیں تا کہ علی علیہ السلام کافر کے بیٹے کہے جائیں اور تم یہ جان لو کہ وہی جعلی اور گڑھی ہوئی روایتیں تمہاری کتابوں میں بھی آگئیں جس نے لوگوں کے ذہنوں پر پردے ڈال دیئے جس کی وجہ سے ایمان ابو طالب واضح نہیں ہو پاتا۔

اس کا دوسرا راز یہ ہے کہ جناب ابو طالب نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع کے لئے ایک طرح سے تقیہ جیسا رویہ اختیار کر رکھا تھا تا کہ اس طرح وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اچھی طرح سے حفاظت کر سکیں اگر وہ باقاعدہ اپنے ایمان کا اعلان کر دیتے تو کبھی بھی بعثت کے ابتدائی ایام میں وہ رسول خدا کی اتنی اچھی طرح حفاظت نہ کر سکتے تھے۔

اس طرح متعدد روایات کے مطابق جناب ابوطالب علیہ السلام کی مثال مومن آل فرعون اور ''اصحاب کہف'' جیسی ہے جنہوں نے دین کی بہتری کے لئے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کی ایک طویل حدیث کی وضاحت کے دوران آیا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا۔ ''خداوند عالم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی کہ میں تمہاری دو گروہوں کے زریعے مدد کروں گا ایک گروہ پنہان ہوگا اور دوسرا آشکار ہوگا۔ گروہ اول کے سب سے بڑے سردار ابوطالب ہوں گے اور دوسرے گروہ کے سب سے بڑے سردار ان کے بیٹے علی ہوں گے۔ (۱)''

ایمان ابوطالب کے متعلق ایک اور مناظرہ

ایک مدرسہ میں مولف اور ایک سنی کے درمیان ایمان ابوطالبؑ پر ایک مناظرہ انجام پایا جس کی وجہ تفصیل اس طرح ہے۔

سنی: ''ہماری بڑی بڑی روایتوں کی کتابوں میں ابوطالبؑ کے متعلق مختلف آراء نقل ہوئی ہیں بعض لوگوں نے ان کی تعریف کی ہے اور بعض نے ان کی برائی کی ہے۔''

مولف: ''علماء شیعہ اور آئمہ علیہم السلام جو عترت میں سے ہیں ان سب کا اتفاق ہے کہ ابوطالبؑ مومن اور اسلام کی راہ میں جدوجہد کرنے والے تھے۔''

سنی: ''اگر ایسا ہی ہے تو روایات میں ابوطالبؑ کے عدم ایمان کی باتیں کیسے ملتی ہیں؟''

مولف: ''جناب ابوطالب علیہ السلام کا جرم یہ تھا کہ وہ علی علیہ السلام کے والد تھے۔ دشمنان علی علیہ السلام اور ان کے سردار معاویہ نے دین فروش اور بے ایمان راویوں کو مسلمانوں کے بیت المال میں سے لاکھوں دینار دے کر اس طرح کی روایتیں تیار کروائی ہیں۔ ان دولت پرستوں نے بے شرمی کی انتہا کر دی یہاں تک کہ ابوہریرہ نے نقل کیا ہے۔ ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات کے وقت یہ وصیت کی تھی کہ حضرت علی کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں'' (۲)

ان جیسے شکم پرست اور جھوٹے راویوں کی موجودگی میں معاویہ اور دوسرے خلفاء کے دور

---

(۱) الحجہ علی الذاھب، ص ۳۶۱

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱، ص ۳۵۸ و ۳۶۰

حکومت میں اس طرح کی حدیثوں کا گڑھا جانا ایک طبیعی بات ہے۔ جناب ابوطالب علیہ السلام کے متعلق اس طرح کی حدیثوں میں جتنی سختی وتندی روا رکھی گئی ہے اس کا ہزارواں حصہ بھی ابوسفیان کے متعلق (جو باطنی نجاست اور منافقت سے لبریز تھے) نہیں مل سکتی۔ لہذا ابوطالب کے اوپر شرک کی تہمت دراصل سیاسی چالوں کا نتیجہ ہے۔

سنی: ''قرآن مجید کے سورہ انعام کی ۲٦ویں آیت میں ہم پڑھتے ہیں۔

''وهم ينهون عنه وينئون عنه----''

''وہ لوگ دوسروں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں۔''

ہمارے بعض مفسروں کی تفسیر کے مطابق اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسولؐ خدا کا دفاع کرتے تھے اور خود ان سے دور رہتے تھے۔ یہ آیت جناب ابوطالبؑ جیسے لوگوں کے لئے نازل ہوئی ہے جو رسولؐ خدا کی دشمنوں سے حفاظت بھی کرتے تھے مگر ایمان کے لحاظ سے ان سے دور تھے۔

مولف: ''پہلی بات تو یہ کہ جیسا کہ ہم آگے کہیں گے کہ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے جو تم نکالتے ہو، اور دوسری بات یہ کہ اگر فرضاً یہ معنی صحیح ہو بھی تو تم کس دلیل کے تحت جناب ابوطالبؑ کو ان لوگوں میں شامل کرتے ہو؟''

سنی: ''اس دلیل سے کہ ''سفیان ثوری'' حبیب بن ثابت سے روایت کرتا ہے کہ ابن عباس کہتے تھے۔ ''یہ آیت جناب ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ وہ لوگوں کو پیغمبر کو تکلیف دینے سے منع کرتے تھے مگر خود اسلام سے دوری اختیار کئے رکھتے تھے(۱)

مولف: ''تمہارے جواب کے لئے ہم چند اشیاء کی طرف اشارہ کرنے پر مجبور ہیں:

۱۔تم جس طرح اس آیت کا ترجمہ کرتے ہو ویسا نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد والی آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عناد رکھنے والے دشمنوں کے بارے میں ہے لہذا اس طرح اس کے ظاہری معنی یہ ہوں گے۔

''وہ لوگ (کفار) جو لوگوں کو آپ کی پیروی سے باز رکھتے ہیں اور خود بھی آنحضرتؐ سے دور رہتے تھے'' اس آیت میں رسولؐ خدا کے دفاع کرنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔(۱)

۲۔جملہ ''ینئون'' دوری کے معنی میں ہے جبکہ جناب ابوطالبؑ ہمیشہ رسولؐ خدا کے ساتھ

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۱۲۸ (۲) جیسا کہ ابن عباس سے مذکورہ آیت کا اس طرح معنی کیا ہے (الغدیر، ج ۸)

رہتے تھے اور کبھی بھی ان سے دور نہیں ہوتے تھے۔

۳-اس آیت کے متعلق سفیان ثوری سے جو روایت نقل ہوئی ہے اور اسے ابن عباس کی طرف منسوب کیا گیا ہے کئی جہتوں سے مخدوش ہے

الف: سفیان ثوری یہاں تک کہ بعض بزرگان اہل سنت کے مطابق بھی نہایت جھوٹا اور ناقابل اعتماد شخص ہے۔(۲)

ابن مبارک سے نقل ہوا ہے کہ سفیان تدلیس کرتا تھا یعنی جھوٹ بول کر حق کو ناحق اور ناحق کو حق بنا دیتا تھا۔(۳)

اس روایت کا دوسرا راوی ''حبیب بن ثابت'' ہے وہ بھی ابوحیان کے بقول جھوٹا شخص تھا اور تدلیس کیا کرتا تھا۔(۴)

اسی طرح یہ روایت مرسل بھی ہے یعنی حبیب اور ابن عباس کے درمیان چند راوی حذف ہیں۔

ب: ابن عباس، ان مشہور لوگوں میں سے ہیں جنہیں ابوطالبؑ کے ایمان پر یقین تھا لہذا وہ ایسی روایت کیسے نقل کر سکتے ہیں؟

لہذا جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ ابن عباس مذکورہ آیت کا اس طرح معنی کرتے تھے ''کافر، لوگوں کو رسولؐ خدا کی پیروی کرنے سے منع کرتے تھے اور وہ لوگ خود بھی آنحضرتؐ سے دور رہتے تھے۔''

ج: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف جناب ابوطالبؑ کے سلسلے میں نازل ہوئی جبکہ جملہ ''ینھون وینئون'' جمع کے صیغے میں آیا ہے۔

بعض لوگوں کی تفسیر کی بنا پر آیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں کو شامل کرتی ہے جن کی تعداد دس تھی مگر ان میں ان کے تین چچا، حمزہ، عباس اور ابوطالب مومن تھے وہ اس آیت کے مصادیق میں سے نہیں ہیں۔

مزید توضیح کے طور پر یہ کہا جائے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکوں سے دور رہتے

---

(۲) میزان الاعتدال، ص ۳۹۸ (۳)، (۴) تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۱۱۵- ج ۳ ص ۱۵۹

تھے۔ جیسے اپنے ایک چچا ابولہب سے آپ دور رہتے تھے۔ مگر جناب ابوطالبؑ سے خاص تعلقات تھے۔ رسول خدا نے ان کی وفات کے سال کو "عام الحزن" (غم کا سال) قرار دیا اور جناب ابوطالب کی تشییع جنازے میں آپ نے فرمایا:

"وابتاه واحزناه عليك كنت عندك بمنزلة العين من الحدقة والروح من الجسد"(۱)

ہائے بابا! میں تمہاری موت سے کتنا رنجیدہ ہوں میں تمہارے نزدیک اسی طرح تھا جیسے آنکھوں میں پتلیاں اور جسم میں روح (۲)

کیا رسولؐ خدا کو اس بات کی نسبت دی جا سکتی ہے کہ آپ مشرکوں کو اس طرح چاہا کرتے تھے اور ان کی تعریف کرتے تھے اور ان کی موت پر اتنا غم زدہ ہوتے؟ جبکہ قرآن میں بے شمار آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ مشرکوں سے بیزار ہو بھلے ہی وہ تمہارے باپ دادا بیٹے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں؟

---

(۱) تاریخ طبری، کتاب "ابوطالب مومن قریش" سے نقل کرتے ہوئے

(۲) یہاں بہت سی باتیں لکھی جا سکتی ہیں، کتاب "الغدیر" ج ۷ اور "ابوطالب مومن قریش" ص ۳۰۳ سے ۳۱۱ تک کا مطالعہ کریں۔

کیا حضرت علیؑ گراں قیمت انگوٹھی پہنتے تھے؟

ہم سورہ مائدہ کی ۵۵ ویں آیت میں پڑھتے ہیں۔

"انما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا الذين يقيمون الصلاة ويوتون الزكاة وهم راكعون"

"تمہارے ولی صرف خداؑ اس کا رسولؐ اور وہ صاحب ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں

اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔"

شیعہ اور سنی دونوں سے متواتر روایت نقل ہوئی ہے کہ یہ آیت امیر المومنین علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی رہبری اور ولایت کی دلیل ہے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مولائے کائنات علی بن ابی طالب علیہ السلام مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور ایک سائل نے آ کر سوال کیا تو کسی نے اسے کچھ نہیں دیا۔ حضرت علی علیہ السلام اس وقت رکوع میں تھے اور اسی رکوع کی حالت میں آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا اور سائل نے آ کر آپ کی انگلی سے وہ انگوٹھی اتار لی۔ اس طرح آپ نے نماز میں صدقہ کے طور پر اپنی انگوٹھی فقیر کو دے دی اس کے بعد آپ کی تعریف و تمجید میں یہ آیت نازل ہوئی (۱)

اب آپ ایک یونیورسٹی کے طالب علم کا ایک عالم دین سے مناظرہ ملاحظہ فرمائیں۔

طالب علم: "میں نے سنا ہے کہ جو انگوٹھی علی علیہ السلام نے فقیر کو دی تھی وہ بہت ہی قیمتی تھی۔

اور بعض کتب جیسے تفسیر برہان (ج ۱، ص ۴۸۵) میں ملتا ہے کہ اس انگوٹھی کا نگینہ ۵ مثقال سرخ یاقوت تھا۔ جس کی قیمت شام کے خزانے کے برابر تھی۔ علی علیہ السلام یہ انگوٹھی کہاں سے

---

(۱) کتاب غایۃ المرام میں اس سلسلے میں اہل سنت سے ۲۴ اور اہل تشیع سے ۱۹ روایتیں نقل ہوئی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی (منہاج البراعۃ، ج ۲، ص ۳۵۰)

لائے تھے؟ کیا علی علیہ السلام حسن و تزئین پسند تھے؟ کیا اتنی قیمتی انگوٹھی پہننا اسراف نہیں ہے؟ تصویر کے دوسرے رخ سے امام علی علیہ السلام کی طرف سے نسبت دینا بالکل غلط ہے کیونکہ وہ لباس، کھانے اور دوسرے دنیوی اشیاء میں حد درجہ زہد سے کام لیتے تھے جیسا کہ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں۔

"واللہ ماکنزت من دنیاکم تبراً ولا ادخرت من غنائمہا وفراً ولا اعددت لبالی ثوبی طمراً ولا حزت من ارضہا شبراً ولا اخذت منہ الا کقوت اتان دبرۃ"

"خدا کی قسم! میں تمہاری دنیا میں سے سونا چاندی جمع نہیں کرتا اور غنائم اور ثروتوں کا

ذخیرہ نہیں کرتا اور اس پرانے لباس کی جگہ کوئی نیا لباس نہیں بنواتا اور اس کی زمین سے ایک بالشت بھی میں نے اپنے قبضے میں نہیں کیا اور اس دنیا سے اپنی تھوڑی سی خوراک سے زیادہ نہیں لیا ہے(۱)"

عالم دین: "یہ گراں قیمت انگوٹھی کے بارے میں فالتو بات ہے جو بالکل بے بنیاد ہے اور متعدد روایتوں کے ذریعے اس آیت کی شان نزول کے بارے میں ہرگز اس طرح کی انگوٹھی کا ذکر نہیں ہوا ہے اور صرف تفسیر برہان میں ایک روایت نقل ہوئی ہے کہ اس انگوٹھی کی قیمت ملک شام کے خزانے کے برابر تھی یہ روایت "مرسلہ" ہے جس کے راویوں کا ربط نہیں معلوم۔ اس میں زیادہ امکان اس بات کا پایا جاتا ہے کہ معاویہ کے دور حکومت میں خریدے ہوئے راویوں نے مولائے کائنات کی اہمیت کو کم کرنے کی خاطر اس روایت کو گھڑا ہو۔"

طالب علم: "بہر حال انگوٹھی قیمتی تھی یہ بات تو حتمی ہے ورنہ پھر فقیر کا پیٹ کیسے بھرتا؟"

عالم دین: "شاعر کے قول کے مطابق اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ انگوٹھی بہت ہی قیمتی تھی جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

برو ای گدائے مسکین در خانہ علیؑ زن
کہ نگین پادشاہی دہد از کرم گدارا

تاریخ میں ملتا ہے کہ یہ انگوٹھی "مروان بن طوق" نامی ایک مشرک کی تھی۔ امام علیہ السلام جنگ کے دوران جب اس پر کامیاب ہو گئے تو اسے قتل کر کے غنیمت کے طور پر اس کے ہاتھ سے یہ انگوٹھی اتار لی اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے تو آپ نے فرمایا۔

"اس انگوٹھی کو مال غنیمت سمجھ کر تم اپنے پاس رکھو۔" ساتھ ساتھ یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے تھے کہ اگر علی علیہ السلام اس انگوٹھی کو لے بھی لیں گے تو کسی امین کی طرح اس کی حفاظت کریں گے اور مناسب موقع پر اسے کسی محتاج وفقیر کو دے دیں گے۔

اس طرح یہ انگوٹھی آپ نے خریدی نہیں تھی اور ابھی یہ انگوٹھی حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں چند دن ہی رہی ہوگی کہ صرف ایک محتاج کی آواز سن کر آپ نے اسے دے دیا(۲)

طالب علم: "لوگ نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نماز کے وقت خشوع وخضوع

---

(۱) نہج البلاغہ نامہ ۴۵ اس خط کے مطابق آپ کے لئے اس طرح کی انگوٹھی پہننے کی بات ایک تہمت ہے۔

(۲) وقایع الایام خیابانی (صیام) ص ۴۲۷

میں اس حد تک غرق ہو جاتے تھے کہ امام حسن علیہ السلام کے حکم کے مطابق جنگ صفین میں ان کے پیر میں لگے تیر کو نماز کی حالت میں نکال لیا گیا تھا لیکن انہیں احساس تک نہیں ہوا تھا اب اگر اس طرح ہے تو حالت رکوع میں انہوں نے اس فقیر کی آواز کیسے سن لی اور انگوٹھی اسے دے دی؟"

عالم دین: "جو لوگ اس طرح کا اعتراض کرتے ہیں وہ یقیناً غفلت میں پڑے ہوئے ہیں کیونکہ محتاج اور فقیر کی آواز سننا اپنی ذات کی طرف توجہ کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو عین خدا کی طرف توجہ ہے۔ علی علیہ السلام نماز میں اپنے سے بیگانہ تھے نہ کہ خدا سے۔ واضح طور پر یہ کہ نماز کی حالت میں زکوۃ دینا عبادت کے ضمن میں عبادت ہے اور جو روح عبادت کے لئے غیر مناسب ہے وہ مادی اور دنیاوی چیزیں ہیں لیکن جو توجہ خداوند متعال کی راہ میں ہو وہ یقیناً روح عبادت کے موافق ہے اور تقویت کرنے والی ہے۔

البتہ یہ جاننا چاہیے کہ خدا کی توجہ میں غرق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا احساس بے اختیاری طور پر اسی کے ہاتھ سے جاتا رہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو چیز خدا کی مرضی کے مطابق نہیں ہے اس سے اپنی توجہ ہٹا لے۔

علیؑ کا نام قرآن میں کیوں نہیں؟

علماء اہل سنت اور اہل تشیع کی ایک بہت ہی گرما گرم مجلس تھی جس میں تمام کے تمام افراد اس بات پر متفق تھے کہ بغیر کسی تعصب کے اور حسن نیت کے ساتھ مذہب اسلام کے مذہب حقہ کے متعلق مذاکرہ کریں۔ اس مناظرہ کا آغاز اس طرح ہوا:

سنی عالم: "اگر علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلافصل خلیفہ ہیں تو یہ ضروری تھا کہ قرآن مجید میں اس چیز کا ذکر ہوتا تا کہ مسلمان اختلاف کا شکار نہ ہوتے۔"

شیعہ عالم: "زید بن حارثہ کے علاوہ قرآن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زید کی سابق بیوی "زینب" کے ساتھ شادی کے سلسلے میں آیا ہے۔"

سنی عالم: "جس طرح ایک جزئی اور فرعی حکم کی مناسبت کی وجہ سے زید کا نام قرآن میں

آیا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری تھا کہ علی علیہ السلام کا نام ان کی امامت کے سلسلے میں آئے۔

شیعہ عالم: ''اگر علی علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ہوتا تو آپ کے دشمنوں کی کثرت سے وہ لوگ قرآن ہی کو تحریف کر دیتے لہذا مناسب یہی تھا کہ خدا آپ کی رہبری اور ولایت کا ذکر اوصاف سے کرے کیونکہ قرآن کی یہ روش رہی ہے کہ اس نے کلیات بیان کئے ہیں اور اس کا مصداق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معین کیا۔''

سنی عالم: ''قرآن میں علی علیہ السلام کے اوصاف کہاں پر بیان ہوئے ہیں؟''

شیعہ عالم: ''سینکڑوں آیات میں علی علیہ السلام کا ذکر موجود ہے اور بہت سی آیتیں تو حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئیں۔(۱) جیسے آیت ولایت (سورہ مائدہ ۵۵) آیت اطاعت (سورہ نساء ۵۹) آیت مباہلہ (سورہ آل عمران ۶۱) آیۂ تطہیر (سورہ احزاب ۳۳) غدیر خم میں آیت ابلاغ (سورہ مائدہ ۷) آیت انذار (سورہ شعراء) آیت مودت (سورہ شوریٰ ۲۳) آیت کمال (سورہ مائدہ ۳۰) وغیرہ

مذکورہ آیتوں میں ہر ایک آیت کی شان نزول کے ساتھ ساتھ شیعہ اور سنی روایتوں میں یہ نقل ہوا ہے کہ یہ آیتیں سب کی سب امام علی علیہ السلام کی خلافت بلافصل اور ان کی ولایت ورہبری کے لئے نازل ہوئی ہیں اور خداوند عالم کا ارشاد ہے:

''وما آتکم الرسول فخذوه ومانهاکم عنه فانتهوا-----''

''رسول جو تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے منع کردے اسے چھوڑ دو (حشر ۷)''

حدیث ثقلین کے مطابق جسے تمام مسلمان قبول کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک قرآن اور دوسرے میری عترت۔۔۔'' اور اسی طرح تمہاری متعدد روایتوں کے مطابق آنحضرت نے یہ فرمایا۔ ''میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں قرآن اور اپنی سنت'' اس وجہ سے ہمیں چاہیے کہ سنت یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں پر غور کریں اور ان پر عمل کریں اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ آیات مذکورہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی بنیاد پر علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید نے امام علی علیہ السلام کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

---

(۱) ان آیتوں کے متعلق معلومات کے لئے کتاب دلائل الصدق، ج ۲، ص ۳ سے ۳۲۱ تک سے رجوع کریں۔

جانشین اور بلا فصل خلیفہ بتایا اگر چہ کچھ مصلحت کی بنا پر آپ کا قرآن میں نام نہیں آیا ہے۔ قرآن میں صرف چار جگہوں پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام آیا ہے لیکن ان کے اوصاف سیکڑوں مرتبہ ذکر ہوئے ہیں۔(۱)

(۱) اصولاً اگر عقلی اور احساسی پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر یہ دیکھا جائے کہ قرآن مجید میں جو کچھ بھی اچھائیوں کا ذکر ہوا ہے جیسے تقویٰ، علم، جہاد، ہجرت اور سخاوت ان کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حقیقی مصداق کون ہے جو سب پر برتری رکھتا ہے تو حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں نظر آئے گا کیونکہ جب تک بزرگی کے اسباب فراہم نہ ہوں اس وقت تک بڑی جگہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا لہٰذا قرآن کی آیت آیت ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہدایت کے لئے حضرت علی کا دروازہ دکھاتی ہے مگر کیا ایسا نہیں ہے کہ قرآن فرماتا ہے۔''افمن یھدی الی الحق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون ''جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے یا وہ جو بغیر ہدایت کئے ہدایت پا ہی نہیں سکتا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟

اس بنا پر اصلح اور اورع کا انتخاب صدفی صد اسلامی اور عقلی طریقہ ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے''

''من تقدم علی المسلمین وھو یری ان فیھم ھو افضل منه فقد خان اللہ ورسوله والمومنین''

''جو مسلمانوں کے کام کے لئے آگے بڑھے جبکہ وہ دیکھ رہا ہو کہ ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو اس سے افضل ہے تو بلا شبہ اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے ساتھ خیانت کی۔'' (الغدیر ج ۷)

تشیع اور اس کی پیروی کی صحت

مذکورہ نشست میں بقیہ مناظرہ اس طرح آگے بڑھا:

سنی عالم نے اپنی بات بدل کر کہا۔''اب اگر یہ بنا رکھی جائے کہ پانچ مذاہب میں سے کسی ایک کی پیروی کریں تو کس مذہب کی پیروی کرنا ہمارے لئے بہتر ہے؟''

شیعہ عالم:''اگر انصاف سے دیکھیں تو مذہب جعفری کی پیروی کرنا چاہیے کیونکہ مذہب جعفری مکتب امام جعفر صادق علیہ السلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیا گیا اور جو بھی احکام اسلام امام صادق علیہ السلام کی طرف سے بیان ہوئے ہیں وہ یقیناً قرآن اور سنت نبوی سے اخذ کئے گئے ہیں کیونکہ بہر حال'' گھر کی بات گھر والے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔'' (جس کی تفصیل مناظرہ ۴۷ میں گزر چکی ہے)

اس بحث کی تکمیل کے لئے دانشگاہ ''الازہر'' کے مشہور و عظیم استاد و مفتی '' شیخ محمود شلتوت'' کے فتوے کو نقل کرتے ہیں جو'' دار التقریب بین المذاہب الاسلامیہ'' کے لئے انہوں نے دیا تھا اور ۱۳۷۹ھ میں مجلہ'' رسالۃ الاسلام'' دار التقریب میں یہ چھپا تھا۔

شیخ محمود شلتوت کا تاریخی فتویٰ

شیخ شلتوت اپنے اس عظیم فتوے کے ایک حصے میں لکھتے ہیں:

'' مذہب جعفری جو شیعہ اثنا عشری کے نام سے مشہور ہے اس کی پیروی اور اس پر اعتقاد سنی مذہب کے دوسرے تمام مسلکوں کی طرح جائز ہے۔ لہذا مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اس کے متعلق آگاہی پیدا کریں اور بے جا تعصب اور عصبیت سے باز رہیں۔ اس مذہب کے تمام علماء مجتہد ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کے فتوے مقبول ہیں۔ لہذا جو خود مجتہد نہ ہو اس کے لئے ان کی تقلید کرنا جائز ہے اور انہوں نے اپنی فقہ میں جو احکام درج کئے ہیں ان پر عمل کریں اس سلسلے میں عبادات اور معاملات میں کوئی فرق نہیں ہے۔''(۱)

اہل سنت کے اساتذہ اور عظیم مفکرین جیسے محمود فحام جامعۃ الازہر کے سابق استاد، عبدالرحمن النجاری، قاہرہ کی مساجد کے سرپرست اور عبدالفتاح عبدالمقصود مصر کے زبردست رائٹر و غیرہ نے شیخ محمود کے اس فتوے کی تائید کی شیخ فحام کہتے ہیں:

'' خداوند متعال شیخ شلتوت پر رحمت نازل کرے کہ انہوں نے اس عظیم اور اہم بات پہ توجہ دی اور نہایت بہادری سے ہمیشہ زندہ رہنے والا فتویٰ دیا کہ مذہب شیعہ اثنا عشری ایک فقہی اور اسلامی مذہب ہے اور یہ قرآن اور سنت کے دلائل کی بنا پر استوار ہوا ہے لہذا اس پر عمل نا جائز ہے۔''

عبدالرحمن نجاری کہتے ہیں:

'' میں آج بھی اپنا فتویٰ مذاہب اربعہ میں منحصر نہ سمجھتے ہوئے شیخ محمود شلتوت کے فتوے کی بنیاد پر فتویٰ دیتا ہوں کہ شیخ شلتوت امام و مجتہد ہیں اور ان کی رائے عین حقیقت ہوا کرتی ہے۔''

عبدالفتاح عبدالمقصود لکھتے ہیں:

---

(۱) مجلہ رسالہ الاسلام ارکان رسمی'' دار التقریب بین المذاہب الاسلامیۃ بالقاہرۃ'' شمارہ ۳، سال ۱۳۷۹ھ

''مذہب شیعہ اثنا عشری اس لائق ہے کہ سنی مذہب میں موجود تمام مسالک کے ساتھ اس کی بھی پیروی کی جائے سنی مذہب میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ عمل صرف اس وقت صحیح ہوگا جب ایسے مسلک کی پیروی کی جائے جو سب سے افضل و برتر ہو جب ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شیعہ مذہب کے اصل منبع حضرت علی علیہ السلام ہیں تو ظاہری بات ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ سب سے زیادہ احکام دین جاننے والے تھے۔(۱)

(۱) فی سبیل الوحدۃ الاسلامیۃ (سید مرتضی الرضوی) ص۵۲، ۵۴، ۵۵

قبروں کی عمارتوں کو ویران کرنے کے متعلق ایک مناظرہ

جب میں مدینہ گیا تو وہاں اسلام کی عظیم شخصیتوں جیسے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، امام سجاد علیہ السلام اور امام باقر علیہ السلام کی قبروں کو زمین کے برابر اور خاک آلود دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوا۔ حالانکہ ان تمام قبروں پر پہلے قبے اور مینار یں تھی مگر ان وہابیوں نے شرک اور حرام کے بہانے سے ۱۳۴۴ھ میں انہیں مسمار کر دیا۔

اسی سلسلے میں ایک شیعہ عالم اور وہابی کے درمیان ایک مناظرہ ہوا جو مندرجہ ذیل تفصیل کے ساتھ پیش خدمت ہے:

شیعہ عالم: ''تم لوگ کیوں ان مزاروں کو ویران کر کے ان کی اہانت کرتے ہو؟''

وہابی: ''کیا تم حضرت علی (علیہ السلام) کو مانتے ہو؟''

شیعہ عالم: ''کیوں نہیں وہ تو ہمارے پہلے امام اور رسول کے خلیفہ بلافصل ہیں۔''

وہابی: ''ہماری معتبر کتابوں میں اس طرح نقل ہوا ہے۔''

''حدثنا یحیی بن یحیی وابوبکر ابی شیبہ وزہیر بن حرب قال یحیی اخبرنا، وقال الآخرون، حدثنا

وکیع عن سفیان عن حبیب ابن ابی ثابت عن ابی الھیاج الاسدی قال لی علی بن ابی طالب

"الا ابعثک علی ما بعثنی علیه رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) ان لا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبراً مشرفاً الا سویته"

"تین آدمی یحیی وابوبکر و زہیر وغیرہ نقل کرتے ہیں کہ علی (علیہ السلام) نے ابی الھیاج سے فرمایا:

"کیا میں تمہیں اس بات پر ابھاروں جس کے لئے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے ترغیب کی ہے کوئی تصویر بھی بغیر محو کئے نہ چھوڑو اور کوئی بھی بلند قبر بغیر زمین کے برابر کئے نہ چھوڑو۔"

شیعہ عالم: "یہ حدیث سند اور دلالت دونوں طرح سے مخدوش ہے۔ سند کی رو سے اس لئے کہ اس کے راویوں میں وکیع، سفیان، حبیب بن ابی ثابت، ابی وائل جیسے لوگ ہیں کہ جن کی حدیث قابل اطمینان نہیں ہے جیسا کہ احمد حنبل نے "وکیع" کے بارے میں نقل کیا ہے" اس نے پانچ سو حدیثوں میں غلطی کی ہے(۱)

اسی طرح "سفیان" کے بارے میں ابن مبارک سے نقل ہوا ہے کہ "سفیان حدیث نقل کرتے وقت تدلیس کرتا تھا لیکن جب مجھے دیکھ لیتا تھا تو شرما جاتا تھا۔" تدلیس یعنی حق و ناحق کو مخلوط کر دینا(۲)

حبیب بن ثابت کے بارے میں ابن حیان نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی حدیثوں میں تدلیس کرتا تھا۔(۳)

ابووائل کے بارے میں ملتا ہے کہ وہ ناصبی اور امام علی علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا۔(۴)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ تمام صحاح ستہ میں ابوالھیاج سے صرف یہی ایک حدیث نقل ہوئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ راویوں میں سے نہیں تھا اور قابل اعتماد بھی نہیں تھا جس کی وجہ سے حدیث مذکور سند کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں سمجھی جا سکتی۔

---

(۱)-(۲)-(۳)-(۴) تہذیب التھذیب، ج۱۱، ص۱۲۵، ج۴، ص۱۱۵، ج۲، ص۱۷۹، شرح حدیدی، ج۹، ص۹۹

لیکن دلالت اور محتوی کے لحاظ سے:

الف: لفظ ''مشرف'' جو حدیث مذکور میں آیا ہے اس کے معنی لغت میں ایک ایسا بلند مقام دوسرے مکانوں سے اونچا ہو اس کی وجہ سے تمام بلندی اس میں شامل نہیں ہوگی۔

ب: لفظ ''سویتہ'' کے معنی لغت میں برابر قرار دینے کے ہیں اور اسی طرح اس کے دوسرے معنی ٹیڑھی چیز کو سیدھا کرنا ہے۔

اب اس حدیث کا معنی یہ نہیں ہوگا کہ ہر اونچی قبر کو ویران کر دو جبکہ قبروں کو زمین کے برابر کرنا اسلامی احکامات کے خلاف ہے کیونکہ تمام اسلامی فقہاء نے قبر کو زمین سے ایک بالشت بلند کرنا مستحب قرار دیا ہے۔(۱)

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''سویۃ'' کا مطلب قبر کے بالائی حصہ کو ایک سطح میں برابر کر دیا جائے یہ کہ اسے اونٹ کے کوہان یا مچھلی کی پشت کی طرح کر دیا جائے جیسا کہ اہل سنت کے علماء نے اس حدیث کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

نتیجہ یہ ہوگا کہ ان تین احتمالات' قبر ڈھا دینا' قبر کو زمین کے برابر کر دینا اور اس کے بالائی حصہ کو مسطح کرنے میں پہلا اور دوسرا احتمال غلط ہے اور تیسرا صحیح ہے۔ اس بنا پر یہ حدیث دلالت کے اعتبار سے بھی اس بات کو ثابت نہیں کرتی کہ قبروں کا ویران کرنا مشروع ہے(۲)

یہاں ہم تھوڑا سا اضافہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ اگر امام علی علیہ اسلام مزار اور قبور کو ویران کرنا واجب اور ضروری جانتے تو ان کی خلافت کے زمانے میں اولیاء خدا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبریں موجود تھیں انھیں کیوں نہیں ویران کیا؟ تاریخ میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ملتی کہ آپ نے کسی قبر کو مسمار کیا ہو کہ یہ اونچی ہے۔

اور اگر عصر حاضر میں وہابی مزاروں کو ویران کرنا واجب جانتے ہیں تو ابھی تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے مزاروں کو کیوں نہیں ویران کیا؟

وہابی: ''ان کے مزاروں کو اس لئے خراب اور ویران نہیں کیا کیونکہ ان کے اور نماز گزاروں کے درمیان دیوار حائل ہوتی ہے جس کی وجہ سے نماز گزار انھیں اپنا قبلہ نہیں دے سکتے

---

(۱) الفقہ علی مذاہب الاربعۃ' ج ۱' ص ۴۲۰

(۲) ''آئین وہابیت'' سے اقتباس ص ۵۶ سے ۶۴ تک

اور نہ ہی ان پر سجدہ کر سکتے ہیں۔"

شیعہ عالم:" یہ کام تو صرف ایک دیوار کی وجہ سے قابل قبول تھا لیکن اس پر گنبد خضری اور اس کے قریب گلدستہ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔"

وہابی:" میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں کیا ہمارے پاس قرآن سے کوئی دلیل ہے کہ ہم اولیاء خدا کی قبروں کے لئے خوبصورت سا مقبرہ بنوائیں؟"

شیعہ عالم:" اول تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر چیز یہاں تک کہ مستحبات کا بھی ذکر قرآن میں موجود ہو اور اگر ایسا ہوتا تو قرآن اپنے حجم میں کئی گنا بڑا ہوتا۔ دوم یہ کہ قرآن میں اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے جیسے سورہ حج کی ۳۲ ویں آیت میں آیا ہے۔

"من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔"

"اور جو شعائر خدا کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ میں سے ہے۔"

نہ یہ کہ اسے اونٹ کے کوہان یا مچھلی کی پشت کی طرح کر دیا جائے جیسا کہ اہل سنت کے علماء نے اس لفظ" شعائر" شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں۔ اس آیت میں خدا کے وجود اور اس کی علامت نہیں بلکہ اس کے دین کی علامتوں کا ذکر ہے (۱)

شوریٰ کی ۲۳ ویں آیت میں رسول خدا کے اقرباء کی مودت اجر رسالت کہی گئی ہے۔

کیا اگر ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء کے مقبروں کو ان کی محبت اور احترام میں خوبصورت بنائیں اور ان کو صاف ستھرا رکھیں تو یہ کوئی غلط کام ہوگا؟"

مثال کے طور پر اگر قرآن کو ایک دھول سے اٹی ہوئی جگہ پر زمین ہی پر رکھ دیا جائے تو کیا یہ قرآن کی توہین نہیں ہوگی؟ اور یہ مان بھی لیں کہ یہ توہین نہ ہوگی تب بھی اگر اسے صاف ستھری جگہ پر نہایت عزت واحترام کے ساتھ رکھیں تو کیا کام اچھا نہ ہوگا؟"

وہابی:" یہ جو تم کہہ رہے ہو لوگوں کے پسند کی باتیں ہیں کیا تمہارے پاس قرآن کی کوئی دلیل بھی موجود ہے؟"

شیعہ عالم:" قرآن میں اصحاب کہف کے ذکر میں آیا ہے۔"

---

(۱) مجمع البیان، ج ۳ ص ۸۳ (معالم دین اللہ)

"جب ان لوگوں نے غار میں پناہ لی اور وہیں ایک نہ جاگنے والی گہری نیند میں سورہے تو لوگوں نے انھیں ڈھونڈ نکالا ان لوگوں کے درمیان اس جگہ کے بارے میں نزاع ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا۔

"ابنوا علیهم بنیانا یہاں ایک عمارت بنادو۔"

لیکن دوسرے گروہ نے کہا:

"لنتخذن علیهم مسجدا ہم یہاں مسجد بنائیں گے"

قرآن نے دونوں آراء کا ذکر کیا ہے اور اس نے اس پر کسی طرح کی کوئی تنقید نہیں کی۔ اگر ان دونوں آراء میں سے کوئی رائے حرام اور ناجائز ہوتی تو قرآن ضرور اس بات کا ذکر کرتا لیکن بات تو یہ تھی کہ یہ دونوں گروہ اصحاب کہف کے احترام کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق کام کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح تین مذکورہ آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اولیاء کی قبروں کو شاندار بنانا مستحب ہے۔ (۱)

آخری بات یہ کہ جو بعض تاریخی اور روائی کتابوں میں دیکھا گیا ہے کہ قبروں پر مزار اور قبہ نہ بنایا جائے تو وہ اس لئے ہے کہ کہیں خود قبور اولیاء عبادت گاہ اور سجدہ گاہ نہ بن جائیں اگر مومن "وحدہ لاشریک له" کی عبادت کرنے والا کمال خلوص سے مزار اور مقبروں کو مقامات مقدسہ ہونے کی وجہ سے یہاں اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس میں شرک کی کیا بات ہے بلکہ اس طرح تو اس کے توحید اور اخلاص میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

---

(۱) آئین وہابیت سے اقتباس ص ۴۳ سے ۴۴ تک

خانہ کعبہ میں حضرت علیؑ کی ولادت پر ایک مناظرہ

امام علی علیہ السلام کے امتیازات وافتخارات میں سے ایک عظیم افتخار یہ بھی ہے کہ آپ دنیا کے مقدس ترین مقام، خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے اور شیعہ سنی دونوں سے ثابت ہے۔

علامہ امینی، صاحب الغدیر نے اپنی کتاب کی چھٹی جلد میں اس بات کو اہل سنت کی 19 معتبر کتابوں سے نقل کیا ہے۔

یہ خود امام علی علیہ السلام کے لئے ایک اہم اور زندہ ثبوت ہے جو دوسروں میں نہیں پایا جاتا اور اس بات سے ان کی رہبری اور ولایت بھی منحرف لوگوں پر ثابت ہوتی ہے

حاکم نے اپنی کتاب مستدرک (ج ۳، ص ۴۸۳) میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔

اسی کے متعلق ایک شیعہ اور سنی کے مناظرہ پر توجہ فرمائیں۔

سنی عالم: ''تاریخ میں آیا ہے کہ حکیم بن حزام بھی کعبہ میں پیدا ہوا ہے۔''

شیعہ عالم: ''اس طرح کی چیز تاریخ میں ثابت نہیں ہے جیسا کہ بڑے علماء، جیسے ابن صباغ مالکی (۱)، گنجی شافعی، (۲) شبلنجی (۳) اور محمد بن ابی طلحہ شافعی (۴) کہتے ہیں۔

''حضرت علی علیہ السلام سے پہلے کوئی بھی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا تھا (اس بات پر توجہ رہے کہ حکیم بن حزام حضرت علی علیہ السلام سے عمر میں بڑا تھا) یہ گڑھی ہوئی روایت بھی حضرت علی علیہ السلام کے دشمنوں کی کارستانی ہے۔ انہوں نے اس طرح اس عظیم افتخار کی اہمیت کو ختم کرنا چاہا ہے۔''

سنی عالم: ''کعبہ میں ولادت ہونا مولود کے لئے کون سا افتخار ہے؟''

شیعہ عالم: ''ایک وقت یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اتفاق سے ایسی جگہ پہنچ جائے اور وہاں ولادت ہو جائے تو یقیناً اس میں کوئی افتخار نہیں ہے لیکن اگر کوئی عورت اتنی زیادہ اہمیت کی حامل ہو کہ خدا اس کے لئے خاص انتظام کرے اور وہاں جا کر بچہ جنے تو یہ بات یقیناً دونوں کے لئے افتخار کا باعث ہوگی۔ حضرت علی علیہ السلام کی کعبہ میں ولادت خداوند متعال کی خاص عنایتوں میں سے ہے جیسا کہ دیوار کعبہ شق ہونا اور جناب فاطمہ بنت اسد کا اندر جانا یہ سب کرامت خداوند کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے (۵)''

سنی عالم: ''جب علی علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ بعثت سے ۱۰ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس وقت کعبہ میں بت بھرے ہوئے تھے جس کی وجہ سے اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی بلکہ وہ بت کدہ تھا اور حضرت علی علیہ السلام جب ایک بت کدے میں پیدا ہوئے تو بھلا ان کے لئے کون سی فضیلت کی بات ہوگی؟''

---

(۱) الفصول المھمہ، ص ۱۴ (۲) کفایۃ الطالب، ص ۳۶۱
(۳) نور الابصار، ۷۶ (۴) مطالب السؤول، ص ۱۱ (۵) دلائل الصدق، ج ۲، ص ۵۰۸ و ۵۰۹

شیعہ عالم: ''کعبہ وہ پہلی عبادت گاہ ہے جو دنیا میں بنائی گئی' جسے حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا اور جہاں جنت سے حجر اسود لا کر نصب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد طوفان نوحؑ کے بعد جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانے میں دوبارہ اس کی تعمیر کی۔ کعبہ طول تاریخ میں تمام انبیاء' خدا اور فرشتوں کا جائے طواف رہا ہے اب اگر اس مقدس جگہ پر کچھ بتوں کے لئے بت پرست قابض ہو جائیں اور اسے بت کدہ بنا دیں تو اس کی عظمت و منزلت میں کمی نہیں آئے گی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص مسجد میں ایک بوتل شراب لے جائے تو کیا اس مسجد کی عظمت ختم ہو جائے گی؟

اگر کوئی شخص حالت جنابت میں یا شراب لئے مسجد میں داخل ہوتا ہے تو وہ حرام کام کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اس پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا لیکن جب فاطمہؑ بنت اسد خدا کے حکم اور مشیت الہی سے کعبہ میں داخل ہوئیں تو یہ ان کی فضیلت و طہارت کی دلیل ہے اور وہ اس طرح سے خدا کی مہمان ہوئیں۔ اس طرح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات حضرت علی علیہ السلام کے افتخار کا سبب ہے۔ اس وجہ سے اوائل اسلام میں شاعروں نے خاص طور سے اس کرامت اور عنایت کو اپنے شعروں میں بیان کیا ہے اور خود اس بات کو ایک عجیب و غریب واقعے سے تعبیر کیا ہے۔

عبدالباقی عمری اس کے متعلق حضرت علی علیہ السلام سے خطاب کر کے کہتا ہے۔

انت العلی الذی فوق العلی رفعا ببطن مکۃ وسط البیت اذ وضعا

''تم وہی علیؑ ہو جو بلندیوں سے بھی بلند ہو گئے جب مکہ کے بیچ خانہ کعبہ میں تم پیدا ہوئے (۱)

اسی طرح فارسی شاعر کہتا ہے:

درکعبہ شد تولد وز محراب شد شہید نازم بہ حسن مطلع وحسن ختام او

سنی عالم نے ہار مان کر مناظرہ کے اختتام کا اعلان کر دیا۔

---

(۱) دلائل الصدق' ج ۲ ص ۵۰۹ و ۵۱۰

امامت اور حدیث ''اصحابی کالنجوم'' کے متعلق ایک مناظرہ

شیعہ استاد: ''ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ امامت' خلافت' پیغمبر کی جانشینی' زعامت اور ریاست' دنیا و آخرت دونوں کا ایک عظیم عہدہ ہے کیونکہ جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت کی حفاظت' حدود الٰہی کا اجراء اور دنیا سے تمام فتنہ وفساد کو ختم کرنے کی ذمہ داری سنبھالے ہوتے ہیں اور یہ تمام کام وہی انجام دے سکتا ہے جو اسلام میں تقویٰ' جہاد' علم' ہجرت' زہد' ذہانت' سیاست' عدالت' شجاعت اور اخلاق کے لحاظ سے تمام لوگوں سے افضل و برتر ہو' اور ان تمام صفات کو دیکھنے کے بعد تاریخ اس بات کی شاہد ہے اور شیعہ وسنی روایتیں بھی اس کا اثبات کرتی ہیں کہ مولائے کائنات علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی ایسا شخص تاریخ اسلام میں موجود نہیں ہے جسے ان تمام صفات سے ایک ساتھ متصف دیکھا گیا ہو۔''

سنی استاد: ''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اصحابی کالنجوم بایھم اقدیتم اھتدیتم''

''میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں' (۱) ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔''

اس حدیث کی بنا پر ہم کسی بھی صحابی کی پیروی کر کے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔''

شیعہ استاد: ''اس حدیث کی سند کو چھوڑتے ہوئے چند دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جعلی اور گڑھی ہوئی ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کی کوئی حدیث بیان نہیں کی۔''

سنی استاد: ''کن دلائل سے؟''

شیعہ استاد: اس حدیث کے جعلی ہونے کے بہت سے دلائل ہیں۔

۱۔ رات کے مسافر جب اپنا اصل راستہ بھول جاتے ہیں تو وہ لاکھوں اور کروڑوں ستاروں

(۱) صحیح مسلم' کتاب فضائل الخمسۃ۔ مسند احمد' ص ۳۹۸

کو آسمان پر چمکتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اب اگر یہ مسافر اس میں سے اپنی خواہش کے مطابق کسی بھی ایک ستارے کو معین کر لیں تو وہ ہرگز اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتے بلکہ کچھ مخصوص ستارے ہیں جنہیں سب جانتے ہیں کہ اگر مسافر ان ستاروں کا سہارا لیکر اپنی منزل کی طرف آگے بڑھیں گے تو ضرور اپنی منزل تک جا پہنچیں گی۔

۲۔ حدیث مذکور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری حدیثوں مثلاً حدیث ثقلین، حدیث خلفا قریش، حدیث علیکم بالآئمۃ من اہل بیتی اور حدیث اہل بیتی کالنجوم وغیرہ سے تضاد رکھتی ہے۔

جیسے آنحضرت نے فرمایا ہے۔

"النجوم امان ل هل الارض من الغرق واهل بيتى امان من الاختلاف" (۲)

"ستارے زمین والوں کو ڈوبنے سے بچاتے ہیں اور میرے اہل بیتؑ اختلاف سے نجات دیتے ہیں۔"

اس بات کی طرف بھی توجہ رہے کہ حدیث "اصحابی کالنجوم" کو مسلمانوں کے ایک خاص گروہ نے نقل کیا ہے لیکن اس کی مخالف حدیثوں کو مسلمانوں کے تمام گروہوں نے نقل کیا ہے۔

۳۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اصحاب میں جو کشمکش اور اختلافات وجود میں آئے وہ اس حدیث سے موافقت نہیں کرتے کیونکہ آنحضرت کے بعد بعض اصحاب مرتد ہو گئے اور بعض نے بعض پر اعتراض کیا اور طعنہ زنی کی اور یہ اختلاف اور اعتراض اس حد تک پہنچا کہ حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا گیا۔

اس کے علاوہ یہ بھی اس حدیث کے ساتھ موافق نہیں جو بعض نے بعض کو لعن وطعن کیا مثلاً معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام پر لعن وطعن کرنے کا حکم دیا اور بعض اصحاب نے بعض صحابہ سے جنگ کی جیسے طلحہ وزبیر نے حضرت علی علیہ السلام سے جنگ جمل میں مقابلہ کیا اور معاویہ نے جنگ صفین میں ان کے سامنے صف آرائی کی۔ بعض اصحاب گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے اور شراب اور زنا کی وجہ سے ان پر حد جاری کی گئی۔ (جیسا کہ ولید بن عقبہ، اور مغیرہ بن شعبہ کے متعلق ملتا ہے۔)

---

(۱) مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۴۹

مثال کے طور پر معاویہ اور علی علیہ السلام دونوں کے دونوں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے سے جنگ کی اور معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام پر لعن طعن کا سلسلہ جاری کرایا۔ اس حدیث کے مطابق یہ کیسے ممکن ہو جائے گا کہ جو بھی ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی پیروی کرے گا وہ نجات حاصل کرے گا؟

کیا ''بسر بن ارطاۃ'' جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں تھا اور جس نے ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کرنے سے مسلمان ہدایت پا جائے؟

کیا مروان بن حکم جس نے طلحہ کو قتل کیا کی پیروی سے ہدایت مل جائے گی؟

کیا مروان کے باپ حکم کی پیروی ہدایت دے گی جو اصحاب رسول میں تھا اور آنحضرت کا مذاق اڑایا کرتا تھا ان تمام باتوں پر توجہ رکھتے ہوئے اس جعلی حدیث کو صحیح ماننا واقعاً مضحکہ خیز ہے۔''

سنی استاد: ''اصحابی کا مطلب جو حقیقت میں آنحضرت کے اصحاب تھے نہ وہ لوگ جو یوں ہی اصحاب بنے بیٹھے تھے۔''

شیعہ استاد: ''اس طرح کے اصحاب تو صرف سلمانؓ ابوذرؓ، مقدادؓ، اور عمارؓ جیسے ہی لوگ تھے مگر تم لوگ ان کی بجائے دوسرے لوگوں کو ان کی جگہ شمار کرتے ہو لہذا اب بھی اختلاف ختم نہیں ہوگا۔ لہذا بہتر یہی ہوگا کہ ہم ان حدیثوں کے بارے میں بحث کریں جو کسی طرح سے بھی قابل اعتراض نہیں ہیں جیسے حدیث ثقلین، حدیث سفینہ یا وہ روایتیں جن کے بارے میں ائمہ علیہم السلام نے تصریح کی ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ جب جناب سلمانؓ مدائن کی طرف روانہ ہوئے تو اشعث اور جریر نامی دو افراد نے ان سے ملاقات کی مگر انھیں یقین نہ آیا کہ سلمانؓ ہیں، لیکن جناب سلمانؓ نے خود ہی اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں وہی سلمانؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں پھر فوراً آپ نے فرمایا۔ ''لیکن یہ جان لو کہ آنحضرت کا وہی صحابی ہے جو ان کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے۔''(۱)

واضح اور روشن عبارت ہے وہ یہ کہ ''صحابی وہی ہے جو اپنی پوری زندگی پیغمبر اکرم صلی اللہ

(۱) فتاوی صحابی کبیر، ص ۶۷۷

علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی پابندی کرے اور اس پر آخری عمر تک قائم رہے" اس بنا پر جناب سلمان رضی تعالی عنہ سے نقل ہوئی' حدیث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح کے صحابیوں کی پیروی کر کے ہم جنت وہدایت پا سکتے ہیں لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کتنے لوگ ایسے تھے جنھوں نے اپنی راہ نہیں بدلی اور آنحضرت کے بتائے ہوئے راستہ پر باقی رہے؟

ہماری روایتوں کے مطابق تو صرف تین یا چار اصحاب ہی ایسے تھے جو اپنے دین پر باقی رہے جیسے سلمان' ابوذر' مقداد اور عمار یاسر یا چند دوسرے ان کے علاوہ بقیہ سب مرتد ہو گئے تھے"

علی علیہ السلام' کشتہ راہ عدالت

حق جو اور حمید نامی دو اسلامی مفکروں نے اس طرح مناظرہ کیا۔

حمید: "ہم جب امام علی علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی زندگی کا اکثر حصہ جنگ اور جہاد میں پاتے ہیں۔"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ان کی جنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ہوا کرتی تھی جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن علی علیہ السلام نے اپنی خلافت کے دور میں (جسے عمر نے غصب کر لیا تھا) جو جنگیں لڑیں جیسے جنگ جمل' جنگ صفین اور جنگ نہروان ان سب میں مناسب تو یہی تھا کہ وہ قوم' کے بزرگوں کے ساتھ مل بیٹھ کر مصالحت کر لیتے اور اس قدر خونریزی سے پرہیز کرتے۔"

حق جو: "ہم امام علی علیہ السلام کو ایک حق پرست مخلص اور انسان کامل کے عنوان سے جانتے ہیں' انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مشرکوں اور اسلام کے مخالفوں سے جنگ کی اور اپنے دور خلافت میں بھی انھیں لوگوں سے جنگ کی جنھوں نے اسلام کے ظاہر کو لے لیا تھا اور باطن کو چھوڑ دیا تھا یہ وہی منافق تھے جو اسلام کے نام پر اسلام کی عزت لوٹ رہے تھے اور اسلام کو اس کی حقیقت سے دور کر کے اسے اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال کر رہے تھے۔"

اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کو کافروں کے مقابلہ میں منافقوں سے زیادہ نقصان پہنچا۔

حمید: ''حضرت علیؑ اگر چاہتے تو ناکثین (اصحاب جمل) قاسطین (جنگ صفین کی آگ بھڑکانے والے) اور مارقین (خوارج) کے سرداروں کو اقتدار اور بیت المال سے خاموش کر دیتے اور اس طرح وہ لوگوں کو اپنی طرف ملا لیتے۔''

حق جو: ''تمہاری بات کا انداز بتا رہا ہے تم ایک عام حاکم اور خدائی رہنما ہو جو اپنے ذاتی مفاد پر خدا کے احکام کو ترجیح دیتا ہے کے درمیان فرق کو نہیں سمجھتے یہ بہت بڑی غلطی ہے۔''

بہتر یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں ہوئی جنگوں کا ہم اچھی طرح سے جائزہ لیں تا کہ یہ بات پوری طرح سے واضح ہو جائے۔

جنگ جمل کے وجود میں آنے کے عوامل معاشرتی برتری اور ناانصافی تھے ان تمام باتوں کو جنگ جمل کی آگ بھڑکانے والے اسلام کے نام پر اسلامی حکومت میں نافذ کرنا چاہتے تھے طلحہ وزبیر جیسے لوگ حضرت علی علیہ السلام سے اپنے لئے بڑے بڑے عہدے کا مطالبہ کر رہے تھے یہ لوگ صاف صاف آپ سے عہدوں کے متعلق بات کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ فلاں عہدہ ہمیں دے دیں، بیت المال کا اتنا حصہ ہمارا ہونا چاہیے۔

اس بیکار خواہش کی بنا پر یہ احکام اسلام کے خلاف باتیں حضرت علی علیہ السلام کی حکومت میں رائج کرانا چاہتے تھے مگر حضرت علی علیہ السلام اس بات پر تیار نہیں ہوئے کہ خود غرض لوگوں کو ان کے ذاتی مفاد کی وجہ سے عوام کے سیاہ سفید کا مالک بنا دیں اور انہیں ان پر مسلط کر دیں۔

امام علی علیہ السلام ایک خدا پرست انسان تھے نہ کہ ایک خود خواہ حاکم جو اپنے ذاتی مفاد کے لئے خدائی احکامات کو پس پشت ڈال دیا کرتے ہیں۔

جنگ صفین میں بھی معاویہ حضرت علی علیہ السلام سے قانونی طور پر حکومت شام کے تمام اختیارات لینا چاہتا تھا اور یہ بھی واضح سی بات تھی کہ معاویہ ان اختیارات کے ذریعہ اپنی حکومت اور اپنی تعریف کرنے والے شکم پرستوں کو عوام کی جان و مال پر مسلط کرنا چاہتا تھا اور اس طرح اس کی حکومت یقیناً اسلامی اقدار کے برخلاف اونچ نیچ اور طبقاتی تفریق کی بنیادوں پر استوار ہوتی۔

لیکن حضرت علی علیہ السلام اسے ایسا کرنے کا موقع دے دیتے؟ کیا اس جیسے بے دین

شخص کو اسلامی حکومت کی باگڈور پکڑا دیتے؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے۔

اسی دوران مغیرہ بن شعبہ جیسے لوگوں نے بھی "النصیحۃ لامراء المسلمین" (مسلمانوں کے حاکموں کے لئے نصیحت) کی نقاب اوڑھ کر حضرت علی علیہ السلام سے اس قسم کے مطالبے کئے لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اس کا سخت جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"ولم یکن الله یرانی اتخذت المضلین عضداً"

خدا مجھے اس حالت میں کبھی نہیں دیکھ سکتا کہ میں گمراہوں کو اپنا مددگار بناؤں۔" (۱)

اس طرح کے مطالبے اور اس کے نتیجے میں حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کے مخلص اصحاب جیسے عمار یاسرؓ ابوالھیثم تیہان وغیرہ نے آپ کو مشورہ بھی دیا کہ "وقتی طور پر آپ ان لوگوں سے محبت اور رغبت کا اظہار کریں اور ان قوم کے لیڈروں کو امتیازی مقامات دے دیں تا کہ وہ آپ کی حکومت کے خلاف قیام نہ کریں اور بعض حکام اور گورنروں کو اہلیت نہ پاتے ہوئے بھی انہیں ان کے مقام پر باقی رکھیں کیونکہ ہر حال قوم کے بڑے ہیں لہذا آپ انکا خیال کریں۔"

امام علی علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا:

"اتامرونی ان اطلب انصر بالجور فیمن ولیت علیه' والله لا اطور به ماسمر سمیر و ماام نجم فی السماء نجما"

"کیا تم مجھے اس بات کا حکم دیتے ہو کہ میں محکوم لوگوں پر ظلم و جور کے ذریعے غلبہ حاصل کروں خدا کی قسم جب تک دنیا موجود ہے اور جب تک آسمان میں کوئی ستارہ دوسرے ستارے کے پیچھے پیچھے چلتا رہے گا میں اس طرح کا کام نہیں کرسکتا۔" (۲)

اس طرح حضرت علی علیہ السلام کا بے انصافی اور طبقاتی تفریق کرنے والوں سے سختی سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے اس تحریک کے حامی آپ کے مخالف ہو گئے اور اس طرح جنگ جمل اور جنگ صفین کی شکل میں دو محاذوں پر وہ سامنے آگئے۔ اس کے ساتھ ہی جنگ صفین میں ہی جنگ نہروان کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔ اس جنگ میں روباہ صفت معاویہ کی طرف سے نیزوں پر قرآن بلند

---

(۱) وقعۃ الصفین، طبع مصر ص ۵۸

(۲) نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۱۲۶

کرنا اوراس کی چکنی چپڑی باتوں کے ذریعہ صلح کی خواہش نے حضرت علی علیہ السلام کے فوجیوں کو
ست کر دیا اور یہاں تک معاملہ پہنچ گیا کہ لوگ کہنے لگے کہ یہ دو حاکموں کی جنگ ہے اور جو کل تک
حضرت علی علیہ السلام کے ساتھی تھے جذبات میں آ کر آپ کو کافر کہنے لگے۔ نتیجے میں نوبت یہاں
تک پہنچ گئی کہ جنگ نہروان عمل میں آئی جس میں شرکت کرنے والے سب حضرت علی علیہ السلام
کے وہ ساتھی تھے جنھوں نے جنگ صفین میں آپ کی طرف سے تلوار چلائی تھی۔ اس جنگ میں
حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں سے بھاگ نکلنے والوں نے مل کر آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور اس
طرح ابن ملجم اشقی الاولین والآخرین نے آپ کو شہید کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام طبقاتی نظام حکومت اور
بے انصافی کے خلاف لڑتے ہوئے اسلام کی راہ میں شہید کر دیئے گئے جیسا کہ آپ کے لئے لوگوں
نے کہا۔

''قُتِلَ عَلِّی لِشِدَّۃِ عَدلہ علی اپنے عدل وانصاف میں شدت کی وجہ سے قتل کر دیئے
گئے۔''

اسی وجہ سے آپ کے سر مبارک پر ضربت لگی تو آپ نے فرمایا:

''فُزتُ وَربِّ الکَعبَہ کعبہ کے پروردگار کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔''

علی علیہ السلام کی کامیابی اس وجہ سے نہیں تھی کہ آپ نے ذاتی مفاد کو اہمیت نہیں دی بلکہ
اس وجہ سے تھی کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک عدالت قائم کرنے اور طبقاتی نظام کو ختم
کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ حضرت علی علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ ذاتی اور شخصی مفاد کو اسلام کے
سیاسی اور معاشرتی مفاد پر قربان کر دیں تاکہ آئندہ آنے والے مسلمان ظالموں اور ستمگروں کا ڈٹ کر
مقابلہ کر سکیں۔ مثال کے طور پر ظالم اسرائیل سے مذاکرے کے لئے تیار نہ ہوں اور سامراجی طاقتوں
سے دوستی کے لئے کبھی ہاتھ نہ بڑھائیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلام کو ایک اجنبی اسلام سمجھ
کر معاویہ اور یزید کے اسلام کو نہ اپنائیں۔

استاد اور شاگرد کے درمیان آئمہؑ کی سخاوت کے متعلق مناظرہ

شاگرد: ''بہت سی اسلامی روایات میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ فلاں امام نے فلاں شاعر یا محتاج کو پیسہ دیا اس طرح کی مختلف روایات آئمہ علیہم السلام کے عطایا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں کیا یہ روایتیں صحیح ہیں؟''

استاد: ''ممکن ہے بعض روایتوں کی سند صحیح نہ ہو لیکن اس طرح کی اتنی زیادہ روایتیں موجود ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور قطعی طور پر ان سب میں کچھ روایتیں تو ہر لحاظ سے صحیح ہیں۔''

نمونے کے طور پر مندرجہ ذیل چار روایتوں پر توجہ فرمائیں:

۱-عبدالرحمٰن سلمی نے امام حسین علیہ السلام کے بیٹے کو سورہ حمد پڑھایا تو آپ نے اسے ہزار دینار دیا اور اس زمانے کا بہترین ہزار جوڑا انعام کے طور پر دیا اور اس کا منہ موتیوں سے بھر دیا۔(۱)

۲-ایک بھٹکا ہوا مسافر امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں آ کر کہنے لگا ''میرے پاس زاد راہ ختم ہو گیا ہے۔ آپ مجھے کچھ پیسے دیں تا کہ میں اپنے وطن واپس جا سکوں میں وطن پہنچ کر اتنی ہی مقدار میں آپ کی طرف سے صدقہ دے دوں گا۔

امام رضا علیہ السلام اٹھ کر اپنے گھر کے اندر گئے اور دو سو درہم کی تھیلی لا کر اسے دی اور فرمایا۔ ''یہ پیسہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے لہذا یہ لازم نہیں ہے کہ تم میری طرف سے اتنی مقدار میں صدقہ کرو۔''(۲)

۳-امام سجاد علیہ السلام نے ''فرزدق'' کے لئے قید میں بارہ ہزار درہم یہ کہہ کر بھیجا کہ تمہیں ہمارے حق کی قسم ہے تم اسے قبول کر لو اور فرزدق نے قبول کر لیا۔''(۳)

۴-دعبل نے اہل بیت علیہم السلام کے مصائب پر ایک مرثیہ پڑھا تو امام رضا علیہ

(۱) مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۶

(۲) فروع کافی، ج ۴، ص ۲۳ و ۲۴ سے اقتباس

(۳) انوار البھیہ، ص ۱۲۵

السلام نے انہیں ایک تھیلی جس میں سو دینار تھے دعبل نے ان تمام سکوں کو جن پر امام کا نام لکھا تھا عراقی شیعوں میں بانٹ دیا اور ایک ایک سکے کے بدلے سو دینار لے کر اپنی زندگی آسودہ کر لی۔(۱)

اس سلسلے میں اس طرح کی اور بہت سی روایتیں پائی جاتی ہیں۔

شاگرد: "اگر یہ تمام روایتیں صحیح ہیں تو حضرت علی علیہ السلام بیت المال کے صرف کرنے میں اتنی سختی کیوں کرتے تھے؟ اور لوگوں میں برابر سے تقسیم کرتے تھے جیسے ان کے بھائی عقیل نے جب اپنی ضرورت کے تحت اپنا حصہ بڑھانے کے لئے کہا تو حضرت علی علیہ السلام نے لوہے کی ایک سلاخ گرم کر کے عقیل کے بدن سے چھلا دیا۔ جناب عقیل نے ایک روح فرسا چیخ ماری تو امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

"عورتیں تمہارے سوگ میں بیٹھیں، تم ایک انسان کی جلائی ہوئی آگ سے چیختے ہو لیکن مجھے اس آگ کی طرف لے جا رہے ہو جسے خدا نے اپنے غیظ و غضب سے جلا رکھا ہے تم ایک چھوٹی سی اذیت سے ڈرتے ہو تو کیا میں ہمیشہ بھڑکنے والی آگ سے نہ ڈروں؟"(۲)۔

استاد: "یہی تمہاری غلطی ہے کہ تم یہ تصور کرتے ہو کہ تمام آئمہ علیہم السلام کی درآمد صرف بیت المال ہی تھی۔ اسی وجہ سے ان کے عطیہ اور بخش اور علی علیہ السلام کی بیت المال میں سختی کو ایک طرح کا تضاد سمجھ رہے ہو۔ جب حقیقت یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام کی درآمد کے مختلف ذرائع تھے اور حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ تمام آئمہ علیہم السلام بھی بیت المال کے مصرف میں وہی سختی کرتے تھے جو حضرت علی علیہ السلام کیا کرتے تھے۔

جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے جب حضرت عمر، حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں شیعوں کو بڑی سخت زندگی گزارتے دیکھا تو آپ نے پچیس سال تک کھیتی کی اور ان پچیس سالوں میں آپ نے بہت سی زمینوں کو قابل کاشت بنایا اور پھر اسے اپنے شیعوں کے درمیان تقسیم کر دیا تاکہ وہ آرام سے رہ سکیں۔

آپ نے اس کے لئے ایک وقف تشکیل دے رکھا تھا جو ان زمینوں کی مجموعی درآمد کو

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲ ص ۲۶۳ و ۲۶۶

(۲) نہج البلاغہ، خطبہ ۲۲۴

فقراء کو تقسیم کرتے اور فقراء و پریشان حال شیعوں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔

اسی طرح امام صادقؑ، امام باقرؑ اور دیگر آئمہ علیہم السلام نے زراعت اور جانوروں کے ذریعے تجارت کی ہے۔ آپ ان کاموں کے لئے کچھ افراد کو معین کر دیا کرتے تھے کیونکہ انہیں اس بات کا خیال تھا کہ مذہب حق کے پیروکار کہیں غریبی کی وجہ سے دوسری طرف نہ مائل ہو جائیں اسی لئے آئمہ علیہم السلام اپنے اصحاب اور خاص خاص دوستوں اور خود اپنی زمینوں اور غلوں سے ہونے والی آمدنیوں کو اپنے غریب شیعوں پر خرچ کر دیا کرتے تھے اور اسی مال سے ان کا خیال رکھتے تھے اور ان کی حفاظت کرتے تھے ان کے عطیات اور بخششیں اسی دولت سے ہوا کرتے تھے نہ کہ بیت المال سے۔

شاگرد: ''میں آپ کی اسی منطقی گفتگو سے قانع ہوں لیکن میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آئمہ علیہم السلام کی درآمد کے ذرائع کے دو چار نمونے بھی ذکر کر دیں۔''

استاد: ''بہت ہی اچھا سوال ہے۔ میں چند نمونے ذکر کرتا ہوں:''

۱۔ امام علی علیہ السلام نے اپنے دو باغ جن میں کنواں بھی تھا ابو نیر نامی ایک مسلمان کو دے رکھا تھا جن میں سے ایک کا نام ''ابونیزر'' تھا اور دوسرے کا ''بغیغہ'' ان دونوں باغوں میں کاشتکاری بھی ہوتی تھی۔

ابونیر کا بیان ہے کہ ''ایک روز میں باغ میں تھا اسی دوران علی علیہ السلام باغ میں داخل ہوئے اور مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس کھانا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''اسی باغ کے ایک کدو کو میں نے پکایا ہے۔'' آپ نے جا کر وہ کھانا لیا اور کھانا کھانے کے بعد کدال اٹھا کر اس کھیت میں داخل ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک کھودنے کے بعد جب آپ پسینے میں شرابور ہو گئے تو گڑھے سے باہر آئے اور تھوڑا آرام کرنے کے بعد پھر آپ کام میں مشغول ہو گئے۔ گڑھے کے اندر سے میں کدال کی آواز کے ساتھ آپ کی زیر لب آواز بھی سن رہا تھا۔ آپ نے اس گڑھے کو کھودا اور اس کی گھاس پھوس کو صاف کر دیا۔ یہاں تک کہ اونٹ کی گردن جتنا اس میں پانی بھر گیا۔ اس کے بعد آپ اس گڑھے سے باہر آئے اور فرمایا۔ ''خدا کی قسم! میں نے اس چشمے کو وقف کر دیا۔'' اس کے بعد آپ نے کاغذ قلم مانگا میں نے لا کر دیا تو آپ نے وہیں وقف نامہ تحریر کر دیا۔

روایت میں ہے کہ ایک دفعہ امام حسین علیہ السلام مقروض ہو گئے تو معاویہ نے آپ کے پاس دو لاکھ درہم بھیجے اور اس چشمے کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا تو امام حسین علیہ السلام نے اسے جواب دیا۔ ''میرے بابا نے اس کھیت اور چشمے کو وقف کر دیا ہے تاکہ قیامت میں جہنم کی آنچ سے محفوظ رہیں میں اسے کسی قیمت پر نہیں بیچ سکتا۔''(۱)

۲-امام محمد باقر علیہ السلام اپنے کھیت میں پھاوڑا چلانے میں مشغول تھے کہ تبھی ''محمد بن منکدر'' نام کا ایک زاہد نما شخص آپ کو دنیا کا لالچی سمجھ کر کہنے لگا۔ ''اگر تم اسی حالت میں مر جاؤ تو بڑی سخت حالت ہوگی۔''

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم! اگر اس حالت میں میری موت آ جائے جب میں اطاعت خدا میں مشغول ہوں تو بڑی اچھی بات ہوگی کیونکہ میں تمہاری دنیا کے کسی بھی شخص کا محتاج نہیں رہوں گا میں تو گناہ کے عالم میں موت آنے سے ڈرتا ہوں۔''(۲)

اسی طرح کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں نقل ہوئی ہے۔(۳)

۳-ابوحمزہ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا کہ میں ایک روز ایک کھیت میں گیا تو دیکھا کہ امام کاظم علیہ السلام پھاوڑا چلانے میں مشغول ہیں اور ان کا بدن پسینے میں ڈوبا ہوا ہے۔ میں نے کہا۔ ''آپ کے غلام اور دوسرے لوگ کہاں ہیں کہ آپ پھاوڑا چلا رہے ہیں؟''

آپ نے فرمایا۔ ''وہ لوگ جو مجھ سے اور میرے باپ سے افضل تھے انہوں نے بھی اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کیا ہے۔''

میں نے سوال کیا۔ ''وہ کون لوگ تھے؟''

آپ نے فرمایا۔

''رسول الله و امیر المومنین وآبائیکلهم کانو اقد عملوابایدیهم و هو من عمل النبیین والمرسلین والاوصیاء الصالحین''

---

(۱) معجم البلدان، ج۴، ص۱۷۶

(۲) ارشاد شیخ مفید، ص۲۸۴-مستدرک الوسائل، ج۲، ص۵۱۴

(۳) فروع کافی، ج۵، ص۷۴-اسی سے مشابہ دوسری مثالیں اسی کتاب میں۔

اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) حجاب کے پیچھے سے یا آواز ایجاد کرنا جیسا کہ خداوند متعال نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے بات کی۔ وکلم اللہ موسی لکلیماً (سورہ نساء آیت ۱۶۴) اس طرح سورہ طٰہ کی ۱۱ ویں اور ۱۲ ویں آیت کی مطابق حضرت موسیٰ نے آگ کے اندر سے خدا کی آواز سنی:

"فلمااتا ھانودی یا موسیٰ انی انا ربک"

"اور جب وہ اس کے (آگ) پاس آئے تو ندادی گئی اے موسیٰ! بلاشبہ میں تمہارا پروردگار ہوں۔"

سورہ شوریٰ کی ۵۱ ویں آیت میں ان تین طریقوں کی وحی کی تصریح کی گئی ہے۔ اس طرح خداوند متعالم فضا یا کسی ایک جگہ آواز پیدا کرتا ہے جسے اس کے انبیاء سنتے ہیں۔

سامع. "مغذرت چاہتا ہوں میں خیال کر رہا تھا کہ وحی صرف ایک قسم ہے جو صرف جناب جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آتی ہے لیکن آپ کے بیان سے معلومات میں اضافہ ہوا اور ساتھ ساتھ میں یہ بھی سمجھ گیا کہ خداوند متعال کے نزدیک علی علیہ السلام کی منزلت کیا ہے۔ جیسا خداوند متعال نے اپنا پیغمبر کے ساتھ ہم زبان ہو کر فرمایا۔ ھنیئاً مریئاً۔

لیکن دوسرا سوال میرا یہ ہے کہ کیا قرآن کی آیتوں کے علاوہ بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے طور پر کچھ چیزیں نازل ہوئی ہیں؟"

مقرر: "ہاں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنی آیات کے علاوہ احکام وغیرہ کے بارے میں بہت سی باتیں تھیں جو تمام وحی الہی ہوتی تھیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معارف اور احکام اسلام الہی کو صرف وحی کے ذریعے لوگوں کو بتایا جیسا کہ سورہ نجم کی دوسری اور تیسری آیت میں ہم پڑھتے ہیں:

"وماینطق عن الھویٰ ان ھوالاوحی یوحی"

"وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا وہ وہی کہتا ہے جو وحی ہوتی ہے۔"

طالبؔ علم اور عالم دین کا مناظرہ

ایک جگہ کچھ مومنین بیٹھے ہوئے تھے جن میں ایک طالب علم اور ایک عالم دین کے درمیان اس طرح مناظرہ ہوا:

طالب علم: ''قرآن میں چند جگہوں میں من جملہ سورہ اعراف، کی ۱۴۳ ویں آیت میں ہم پڑھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا:

''ربی ارنی انظر الیك''

''پالنے والے تو خود کو دکھا دے تا کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔''

لیکن خداوند متعال نے فرمایا:

لن ترانی۔

''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔''

میرا سوال یہ ہے کہ خداوند متعال نہ جسم رکھتا ہے نہ کوئی مکان رکھتا ہے اور نہ دیکھنے والی چیز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اولوالعزم پیغمبر ہوتے ہوئے بھی کیسے اس طرح کا سوال کیا جبکہ اگر کوئی عام آدمی بھی اس طرح کا سوال کرے تو لوگ اسے اچھا نہیں کہیں گے؟''

عالم دین: ''احتمال پایا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال دل کی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے ہو نہ کہ ان ظاہری آنکھوں سے جیسے یہ ہماری اور آپ کی آنکھیں ہیں موسیٰ علیہ السلام اپنے سوال کے ذریعے روحی اور فکری شہود تک پہنچنا چاہتے تھے یعنی ''خدا مجھے ایسا بنا دے کہ میرے قلب میں تیرا یقین کوٹ کوٹ کر بھر جائے گویا میں تجھے دیکھ رہا ہوں۔'' اور بہت سی جگہوں میں لفظ ''رویئت'' اس معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ہم کہتے ہیں ''میں اپنے اندر ایک طاقت دیکھ رہا ہوں کہ میں یہ کام باآسانی انجام دے سکتا ہوں'' جبکہ قدرت اور طاقت دیکھنے والی چیز نہیں ہے۔''

طالب علم: ''اس طرح کی تفسیر آیت کے ظاہری لفظ کے خلاف ہے کیونکہ ظاہر لفظ ''ارنی'' اپنے کو مجھے دکھا' آنکھ سے دیکھنے پر دلالت کرتا ہے جیسے خدا کے جواب ''لن ترانی'' سمجھا جاسکتا ہے کہ موسی علیہ السلام کا سوال انہیں آنکھوں سے دیکھنے کے لئے تھا اور اگر رویت اور شہود سے

مراد فکری روحی اور باطنی رویت ہوتی تو خداوند متعال ہرگز منفی جواب نہ دیتا۔ اس طرح کا شہود خداوند متعال اپنے خاص بندوں کو یقینی طور پر عطا کرتا ہے۔"

عالم دین: "فرض کریں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے خدا کو دیکھنے کی خواہش کی تھی جیسا کہ ظاہری الفاظ سے سمجھا جا سکتا ہے لیکن ہم تاریخ میں اس واقعہ کی ورق گردانی کریں تو ہمیں ملتا ہے کہ یہ سوال ان کی قوم کا تھا جسے جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان سے ادا کیا تھا کیونکہ ان کی قوم والے اس بات پر مصر تھے کہ وہ خدا کو دیکھیں گے اس لئے انہیں مجبوراً یہ جملہ ادا کرنا پڑا۔"

توضیح کے طور پر یہ کہ فرعونیوں کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام سے ضد کر رہے تھے کہ ہم خدا کو دیکھیں گے' بغیر خدا کو دیکھے ہم ایمان نہیں لا سکتے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام آخر میں مجبور ہو کر بنی اسرائیل کے ۷۰ افراد کو لے کر کوہ طور پر گئے اور وہاں پہنچ کر آپ نے خدا کی بارگاہ میں ان کے سوال کو بیان کیا' اس وجہ سے جناب موسی علیہ السلام نے اپنی قوم کے اصرار اور ضد پر خدا سے اس طرح کا سوال کیا تھا اس طرح جب زلزلہ آیا تو جناب موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ تمام ۷۰ افراد ہلاک ہو گئے تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا۔

"اتھلکنا بما فعل السفہاء منا" (سورہ اعراف ۱۵۵)

"کیا تو ہمیں اس کام کے لئے ہلاک کر رہا ہے جو ہمارے بیوقوفوں نے انجام دیا ہے؟"

بات کو پوری کرتے ہوئے کہ خداوند متعال نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ پاؤ گے لیکن کوہ طور پر چکر لگاؤ۔ اگر یہ خود اپنی جگہ پر باقی رہ گیا تو مجھے دیکھ لو گے۔" جب خداوند متعال کی کوہ طور پر تجلی ہوئی تو اس نے کوہ طور کو زمین کے برابر کر دیا اور جناب موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے اور جب ہوش آیا تو خداوند متعال سے کہا۔

"سبحانک تبت الیک وانا اول المومنین" (سورہ اعراف ۱۴۳)

"پاک و پاکیزہ ہے تو، میں نے توبہ کی اور میں سب سے پہلا مومن ہوں۔"

"پہاڑ الٰہی جلوہ (جیسے گرج چمک بجلی) کے ظاہر کرنا اپنے آثار ظاہر کرنے کے مترادف ہے جس کی وجہ سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو خداوند متعال نے اپنی قدرت نمائی سے بے ہوش کیا کہ تم لوگ سمجھ لو کہ جب خدا کی ایک قدرت اور اثر کا تحمل نہیں کر سکتے تو اس کے پورے وجود کو سمجھنے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟ تم ہرگز اپنی ان آنکھوں سے جو مادی ہیں خداوند متعال

کے مجرد وجود کو نہیں دیکھ سکتے ہو۔اس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے خداوند متعال کو قلب کی آنکھوں سے دیکھا اور ساتھ ساتھ انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسے ان ظاہری آنکھوں سے ہرگز نہیں دیکھا جاسکتا۔"

طالب علم: "آپ کے اس مفصل بیان کا بہت بہت شکریہ، میں اس موضوع پر مطمئن ہو گیا ہوں اور اس چیز کی امید رکھتا ہوں کہ اسی طرح آپ منطقی استدلال سے میرے دوسرے شبہات بھی دور کریں گے۔"

"میرے ذہن میں دوسرے بہت سے شبہات ابھی باقی ہیں جنھیں میں انشاء اللہ کسی اور وقت بیان کروں گا۔"

عالم دین: "قابل توجہ بات ہے کہ اہل سنت کے اکثر مفسرین آیت الکرسی کی تفسیر کرتے ہوئے جناب موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے مشابہ بمعہ دوسرا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔"

"جناب موسیٰ علیہ السلام نے خواب (یا بیداری کی حالت میں) فرشتوں کو دیکھا تو ان سے سوال کیا کہ "کیا ہمارا خدا سوتا ہے؟" خداوند متعال نے اپنے فرشتوں پر وحی کی کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو سونے نہ دو۔فرشتوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو تین بار نیند سے بیدار کیا اور ان کے ساتھ وہ لگے رہے کہ وہ سونے نہ پائیں۔جناب موسیٰ علیہ السلام تھک کر چور ہو گئے اور نیند کا احساس کیا تو خداوند متعال کی وحی کے مطابق ان کے دونوں ہاتھوں میں پانی سے بھری شیشیاں تھما دی گئیں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں ان دونوں شیشیوں کو لئے ان کی حفاظت کر رہے تھے یہ دیکھ کر فرشتے چلے گئے اور ابھی چند ثانیے بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ نیند کا اثر ان پر غالب آیا اور اسی وقت ان کے ہاتھ سے شیشیاں چھوٹ کر گر گئیں اور چور چور ہو گئیں۔خداوند متعال نے جناب موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی "میں زمین وآسمان کو اپنی قدرت سے بچائے ہوئے ہوں"

"فلواخذنی نوم اونعاس لزالتا"

"اگر نیند یا ہلکی سی جھپکی بھی مجھ پر غالب آجائے تو زمین وآسمان فنا ہو جاتے (۱)"

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے کیسے فرشتوں سے اس طرح

---

(۱) تفسیر روح البیان، ج۱،ص۴۰۰۔ تفسیر قرطبی، ج۲، ص1018۔ تفسیر فخر رازی، ج۷، ص۹

کا سوال کیا جبکہ وہ پیغمبر تھے اور جانتے تھے کہ خداوند متعال جسم کی تمام ضرورتوں جیسے نیند وغیرہ میں مبتلا نہیں ہوتا ہے؟

فخر رازی اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں۔" اگر ہم فرض کریں کہ مذکورہ روایات صحیح ہیں تو ہمیں مجبوراً کہنا پڑے گا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال نہ تھا بلکہ اس جاہل اور ہٹ دھرم قوم کا سوال تھا۔"(۱)

واضح طور پر جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے اصرار اور ضد سے پریشان ہو کر خدا وند متعال کی بارگاہ میں اس طرح کا سوال کرتے تھے تا کہ خداوند متعال انھیں اپنی واضح نشانیوں کے ذریعے ہدایت کر دے اور جناب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ شیشیوں کا ٹوٹنا اگر چہ بہت ہی معمولی سا حادثہ ہے لیکن عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے یہ بہت ہی اہم اور ضروری تھا۔

ممکن ہے یہ بھی کہا جائے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں اس طرح کے پس وپیش والے لوگ تھے جو اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے ایسے ہی لوگوں کی ہدایت کے لئے خداوند عالم سے اس طرح سوال کیا تا کہ اس کے واضح جواب میں اپنی قوم کی گمراہی سے نجات دے سکیں۔

---

(۱) تفسیر فخر رازی، ج ۷، ص ۹

(۲) ج ۱۵، ص ۱۰

(۳) وہی مصدر

طالب علم اور عالم کا عورتوں کے مہر کے بارے میں دوسرا مناظرہ

طالب علم:"میں نے مکرر یہ بات سنی ہے کہ اسلام نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ عورتوں کا مہر کم سے کم رکھا جائے یہاں تک کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔"

"شُؤمُ المَرئَةِ غَلاءُ المَهرِ"

منحوس عورت وہ ہے جس کا مہر زیادہ ہو(۱)

''اَفضَلُ نَسَاء اُمَّتِی اَصبَحنَ وَ جهاًوَاَقلُّهُنَّ مَهراً'' میری امت کی بہترین عورتیں وہ ہیں جو سب سے زیادہ صبیح چہرے والی ہوں اور جن کا مہر سب سے کم ہو۔''(۳)

لیکن قرآن کریم میں دو جگہ آیتیں پائی جاتی ہیں جہاں زیادہ سے زیادہ مہر قرار دینا بہتر کہا گیا ہے اور قرآن نے بھی اس بات پر رضایت کا اظہار کیا ہے۔''

عالم دین: ''قرآن میں کہاں اس طرح کی باتیں آئی ہیں؟''

طالب علم: پہلی جگہ سورہ نساء کی بیسویں آیت میں ہم پڑھتے ہیں

''وان اردتم استبدال زوج وآیتیم احدیھن قنطار آفلا تاخذمنه شیئا''

''اگر تم نے اپنی بیوی کے بجائے کسی اور عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو جو تم نے اسے مال کثیر دیا تھا اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔''

لفظ ''قنطار'' کے معنی بہت سے مال کے ہوتے ہیں۔ جو ہزاروں درہم و دینار میں کہا جائے گا۔ قرآن کی اس آیت میں لفظ قنطار لایا گیا ہے جس پر قرآن نے کسی طرح کی تنقید بھی نہیں کی ہے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ان سے کچھ واپس نہ لو اس طرح اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا مہر زیادہ قرار دینا بری بات نہیں ہے ورنہ قرآن اس بری بات پر ضرور کچھ نہ کچھ کہتا۔

اسی بنا پر روایت میں آیا ہے کہ عمر بن خطاب نے اپنی خلافت کے زمانے میں جب دیکھا کہ لوگ عورتوں کا مہر زیادہ سے زیادہ رکھ رہے ہیں تو یہ منبر پر گئے اور لوگوں پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔'' تم لوگ کیوں زیادہ مہر رکھتے ہو۔''اور خبر دار کیا کہ اگر اب سن لیا کہ کسی نے اپنی بیوی کے لیے چودہ ہزار مہر رکھا ہے تو اس پر حد جاری کروں گا اور چودہ ہزار سے زیادہ والی رقم لے کر بیت المال میں جمع کردوں گا۔''

ایک عورت نے منبر کے نیچے سے کہا۔

---

(۱) تفسیر فخر رازی، ج ۷، ص ۲

(۲) وسائل الشیعہ، ج ۱۵، ص ۱۰

(۳) وہی مصدر

''کیا تم مجھے چودہ ہزار سے زیادہ مہر رکھنے سے منع کرتے ہو اور اگر کسی نے زیادہ رکھا تو اس سے لینے کو کہتے ہو؟''

عمر نے کہا۔ ''ہاں''

عورت نے کہا۔ ''کیا قرآن کی یہ آیت تم نے نہیں سنی ہے جس میں خداوند متعال فرماتا ہے۔

''وآتیتم احدیھن قنطاراً فلا تاخذوا منه شیئاً''

عمر نے اس عورت کی بات کی تصدیق کی اور استغفار کرتے ہوئے کہا۔

''کُلُّ النَّاسِ اَفقَهُ مِن عُمَر حَتّیٰ المُخَدَّرَاتِ فِی الحِجَال''

''تمام کے تمام لوگ یہاں تک کہ پردہ میں رہنے والی عورتیں بھی عمر سے زیادہ فقیہ ہیں۔'' (۱)

عالم دین: ''آیت مذکورہ کی شان نزول یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ اگر کوئی شخص اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا چاہتا تھا تو اس پر بری بری تہمتیں لگاتا تھا تاکہ وہ پریشان ہو کر اپنی وصول شدہ مہر کو واپس دے کر طلاق لے لے اور بعد میں اسی مہر کو وہ اپنی دوسری بیوی کے لئے معین کر دے۔

آیت مذکورہ نے اس فعل کی شدت سے مذمت کی اور کافی برا بھلا کہا ہے اور آیت کا بیان ہے ''جو مہر تم نے قرار دی ہے اگر وہ (قنطار) مال کا ایک ڈھیر بھی ہو تو بھی اس میں سے جبراً کچھ بھی واپس نہ لو۔''

اسلام کی نظر میں مہر کا کم قرار دینا بہتر ہے لیکن اگر کسی سے یہ فعل سرزد ہو گیا اور اس نے عورت کا زیادہ مہر معین کر دیا تو بعد میں بغیر عورت کی رضامندی کے اس کو کم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بنا پر مذکورہ آیت مہر کو کم رکھنے کے حکم سے کسی طرح سے بھی منافات نہیں رکھتی حضرت عمر اور عورت کی بحث میں یہ کہنا چاہیے کہ عورت کا جواب بالکل صحیح تھا کیونکہ حضرت عمر نے کہا تھا کہ اگر کسی نے چودہ ہزار درہم سے زیادہ مہر معین کی تو اضافی رقم لے کر بیت المال میں جمع کر دی جائے گی۔ عورت نے مذکورہ آیت پڑھ کر حضرت عمر سے کہا مہر معین کرنے کے بعد تم بقیہ رقم واپس لینے کا کوئی حق نہیں

(۱) تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۳۳، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۸، تفسیر قرطبی، کشاف، غرائب القرآن، اسی کے ذیل میں

رکھتے۔ عمر نے بھی عورت کی اس بات کو قبول کر لیا۔

نتیجہ یہ کہ اسلام میں کم مہر رکھنا مستحب موکد ہے لیکن اگر اس سنت کو کسی نے ترک کیا اور زیادہ مہر رکھ دیا تو بغیر عورت کی رضایت کے اسے کم کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

طالب علم: ''آپ کے اس مفصل بیان کا شکریہ جو بہت ہی منطقی تھا اور اس سے میں قانع ہو گیا۔۔۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی خدمت میں دوسرا سوال پیش کروں۔''

عالم دین: ''فرمائیں''

طالب علم: ''قرآن کریم میں جناب موسیٰ علیہ السلام اور جناب شعیب کا واقعہ ملتا ہے جب جناب موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کے ڈر سے بھاگ کر مدائن شہر پہنچے اور آخر میں جناب شعیب علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو جناب شعیب علیہ السلام نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

''انی اریدان انکحك احدی ہنتی ھاتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشراً فمن عندك وما اریدان اشق علیك ستجدنی ان شاء الله مع الصابرین''

''میں اپنی دونوں بیٹیوں (صفورا ولعیا) میں سے کسی ایک کی شادی تمہارے ساتھ اس شرط پر کرنا چاہتا ہوں کہ تم آٹھ سالوں تک میرے یہاں کام کرو اور اگر تم نے اسے دس سال کر دیا تو یہ تمہاری مرضی ہے، میں تمہیں مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا اور تم انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پاؤ گے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے جناب شعیب علیہ السلام کی اس خواہش کی قدر کی ان کی درخواست قبول کی۔

واضح سی بات ہے کہ آٹھ سال کام کرنا بہت ہی زیادہ مہر ہے جسے خدا کے دو نبیوں نے قبول کیا ہے اور قرآن نے بھی بغیر کسی تنقید کے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

قرآن کا تنقید نہ کرنا زیادہ مہر قرار دینے کی اجازت دیتا ہے۔

عالم دین: ''جناب موسیٰ علیہ السلام اور جناب شعیب علیہ السلام کے واقعے کے بارے میں یہ جاننا چاہیے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی جناب شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کے ساتھ شادی معمولی شادی نہیں تھی بلکہ یہ ایک مقدمہ تھا تا کہ موسیٰ علیہ السلام مدائن کے ''شیخ'' جناب شعیب علیہ السلام کے مکتب میں کافی دن تک رہ کر علم و کمال حاصل کریں۔

اگر چہ درست ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے یہاں کئی سال کام کر کے مہر ادا کی لیکن شعیب علیہ السلام نے بھی موسیٰ علیہ السلام اور ان کی بیوی کا خرچ چلایا اور اگر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی بیوی کی زندگی کا خرچ موسیٰ علیہ السلام کی مزدوری سے کم کر دی جائے تو بہت کم مال باقی بچتا ہے اور اس لحاظ سے مہر کی مقدار بہت کم قرار پائے گی۔

لہذا اس طرح جناب شعیب کی بیٹی کا بھاری مہر دراصل جناب موسیٰ کی مادی و معنوی زندگی کے تحفظ کے لئے ایک مقدمہ تھا جو جناب شعیب نے اپنی بیٹی کی مرضی سے انجام دیا تھا۔

واضح اور روشن عبارت میں یہ کہ جناب شعیب علیہ السلام ظاہری طور پر بھاری اور زیادہ مہر قرار دے کر جناب موسیٰ علیہ السلام کی تنہائی ختم کرنا چاہتے تھے۔ نہ کہ ان کا مقصد انہیں اس مہر سے پریشان کرنا تھا بلکہ ان کا مقصد موسیٰ علیہ السلام کی زندگی سہل اور آسان بنانا تھا جیسا کہ انہوں نے فرمایا:

''ما ارید ان اشق علیک'' میں تمہیں زحمت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

طالب علم: ''آپ کے دل کش اور استدلالی بیان کا بہت بہت شکریہ۔ سچ سچ جناب شعیب علیہ السلام نے ذہانت اور ہوشمند تدبیر سے جناب موسیٰ علیہ السلام کی بہت اچھی خدمت کی۔''

امام علیؑ پر ایک مناظرہ

عظیم مرجع مرحوم آیت اللہ العظمیٰ سید عبداللہ شیرازی فرماتے ہیں۔ ''اہل سنت کے تقریباً بیس افراد خراسان'' ''تربت جام'' وغیرہ سے حج کے لئے مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے وہاں پر میں بھی انہیں کے ساتھ باغ صفا میں رہتا تھا۔

ایک روز میرے قریب ہی رہنے والی کچھ اصفہا حجاج کے ساتھ یہ طے پایا کہ مجلس عزا منعقد کی جائے کیونکہ عزاداری اور محرم کے دن بھی قریب ہیں۔ خراسان کے اطراف تربت جام کے حجاج جو باغ صفا میں رہتے تھے جگہ کے لحاظ سے وہ بہت ہی عریض و وسیع جگہ ٹھہرے تھے۔ جس کی وجہ سے ہم لوگوں نے باغ صفا میں عزاداری کی درخواست کی تو ان لوگوں نے ہماری اس درخواست کو

قبول کیا اور کافی مدد بھی کی۔

اس دوران مدینہ کے رہنے والے چند لوگ بھی سنیوں سے ملاقات کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ میرے اور ان کے درمیان حضرت علی علیہ السلام کے فضائل ومناقب کے بارے میں تبادلہ خیال ہوا ان لوگوں نے میری بات کی تصدیق کی اور حضرت علی علیہ السلام کی عظمت و منزلت کے بارے میں انہوں نے بہت سی حدیثیں نقل کیں جن میں سے ایک یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، حضرت علی علیہ السلام کے لئے فرمایا۔

"لحمك لحمی دمك دمی"

"تمہارا گوشت میرا گوشت تمہارا خون میرا خون ہے۔"

اور اس طرح کی دوسری بھی بہت سی روایتیں نقل کیں جو علی علیہ السلام کی دوستی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوستی اور علی علیہ السلام کی دشمنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی، پر دلالت کرتی ہیں۔

یہاں تک کہ لعن معاویہ تک بات پہنچ گئی۔

ان لوگوں نے کہا۔" معاویہ پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے لیکن یزید پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ اس نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔"

میں نے کہا۔"تمہارے مذہب کے مطابق معاویہ پر لعنت کرنا جائز ہونا چاہیے کیونکہ اس پر لعنت کرنے کا جواز تمہاری بھی ابھی کہی ہوئی باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام نے کے بارے میں فرمایا:

"اللهم عاد من عاداه (خدایا تو اسے دشمن رکھ جو علیؑ کو دشمن رکھے)"

یہ بات مسلم ہے کہ معاویہ علی علیہ السلام کا سخت ترین دشمن تھا یہاں تک کہ مرتے وقت تک آپ سے دشمنی روا رکھی اور توبہ اور استغفار بھی نہیں کی اور اس طرح اس نے آپ کی دشمنی کی وجہ سے آخری عمر تک آپ کو برا بھلا کہنا نہیں چھوڑا جبکہ اس چیز کو وہ آسانی سے چھوڑ سکتا تھا۔ اس دلیل سے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کے دشمنوں کے لئے بد دعا کی ہے اور معاویہ حضرت علی علیہ السلام کا جانی دشمن تھا لہذا اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔(۱)

---

(۱) الاحتجاجات العشرہ سے اقتباس، احتجاج ۵

یہاں پر توضیح کے طور پر اس بات پر توجہ رہے کہ اہل سنت کے معتبر منابع کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ابو سفیان معاویہ اور یزید پر لعنت کی ہے۔(۲)اور یہاں تک فرمایا۔"جب بھی معاویہ کو منبر کے اوپر دیکھو قتل کر دو"

اور اگر یہ کہا جائے (جیسا کہ معاویہ کا دفاع کرنے والے کہتے ہیں) کہ معاویہ نے اجتہاد کی رو سے علی علیہ السلام سے دشمنی کی وغیرہ تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اجتہاد نص کے مقابلہ میں ہر گز جائز نہیں ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی باطنی نجاست سے اچھی طرح آگاہ تھے جس کی وجہ سے آپ نے اس کو اس طرح بد دعا دی۔ اہل سنت کی روایات کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن اس طرح اس پر لعنت کی۔

"خدایا معاویہ اور عمرو عاص کو جہنم میں ڈال دے۔"(۳)

سنیوں کے یہاں مقبول اصحاب نے بھی معاویہ کے بارے میں سخت باتیں کہیں ہیں۔

(اس کی مزید وضاحت کیلئے آپ کتاب الغدیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۹ سے ۱۷۷ تک کا مطالعہ کریں۔)

شیخ حر عاملی متوفی ۱۱۰۴ھ غزالی کی کتاب "احیاء العلوم" کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" اس نے باصراحت یہ کہا ہے کہ یزید اور حجاج پر لعن وطعن کرنا جائز نہیں ہے۔"

شیخ حر عاملی فرماتے ہیں۔" آیا غزالی کی دشمنی سے زیادہ اور واضح خاندان رسالت کی کوئی دشمنی ہوسکتی ہے؟ جبکہ شیعہ اور سنی دونوں روایتوں سے نقل ہوا ہے کہ ایک روز ابو سفیان اونٹ پر سوار تھا معاویہ اس کی مہار پکڑے ہوئے اسے کھینچ رہا تھا اور یزید پیچھے سے ہانک رہا تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں کو دیکھ کر فرمایا۔

"لعن الله الراكب والقائد والسائق"

خدا سوار، مہار والے اور ہانکنے والے تینوں پر لعنت کرے۔

اس کے بعد شیخ حر عاملی کہتے ہیں۔" کیا خداوند متعال نے قرآن مجید (کے سورہ نساء میں آیت ۹۳ میں یہ نہیں فرمایا۔

---

(۲) تاریخ طبری، ج ۱۱، ص ۱۳۵۷- تذکرہ الخواص، ص ۲۰۹۔ کتاب صفین، ص ۲۲۰

(۳) کتاب صفین ابن مزاحم، ص ۲۱۹- مسند بن حنبل میں ان کے نام کی جگہ "فلاں فلاں" آیا ہے ج ۴، ص ۴۲۸

"ومن يقتل مومنا متعمدا فجزاه جهنم خالدا فيها عضب الله عليه ولعنه واعد له عذابا اليما"

"جو بھی مومن کو عمداً قتل کرتا ہے اس کی جزا جہنم ہوتی ہے وہ وہاں ہمیشہ رہے گا' اللہ اس طرح غضبناک ہوتا ہے اور اس پر لعنت بھیجتا ہے اور اس کے لئے دردناک عذاب تیار رکھتا ہے۔"

کیا غزالی اس بات کا معتقد ہے کہ امام حسین علیہ السلام مومن نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کے قاتل یزید پر لعنت جائز نہیں ہے؟(۱)

(۱) الاثنی عشریہ فی الرد علی الصوفیہ' تالیف شیخ حر عاملی' ص ۱۶۴

واعظ اور سامع کے درمیان مناظرہ

(امام حسین پر گریہ کے متعلق)

ایک بہت ہی پڑھے لکھے واعظ نے منبر پر تقریر کے دوران امام حسین علیہ السلام پر رونے کے سلسلے میں بہت سی روایتیں نقل کیں جن میں ایک یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"كل عين باكية يوم القيامة الاعين بكت على مصاب الحسين فانها ضاحكة مستبشرة بنعيم الجنة"

"روز قیامت تمام کی تمام آنکھیں گریہ کناں ہوں گی لیکن امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر رونے والی آنکھیں خدا کی نعمت دیکھ کر ہشاش وبشاش ہوں گی۔"(۱)

منبر سے اترنے کے بعد ایک سامع اور واعظ کے درمیان درج ذیل طریقہ سے مناظرہ ہوا۔

(۱) بحار ج ۴۴' ص ۲۹۳

سامع: ''یہ تمام کا تمام اجر وثواب گریہ امام حسین علیہ السلام پر کیوں ہے؟ جبکہ امام حسین علیہ السلام دنیا میں عظیم انقلاب لا کر کامیاب و سربلند ہوئے اور اپنے خون سے یزیدیوں کو رسوا کیا اوران کے چہرے ہمیشہ کے لئے کالے کر دیئے اور آخرت میں اس کے بدلے آپ کو بہترین مقام دیا گیا ہے اور آج بھی آپ برزخ کی جنت کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ اور اسلامی نظریہ کے مطابق امام حسین علیہ السلام زندہ ہیں جیسا کہ قرآن مجید سورہ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے۔

''ولا تحسبن الذين قتلوا فى سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون''

''اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والے کو مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں۔''

واعظ: ''میں نے ایسی متعدد روایتیں دیکھی ہیں جن میں امام حسین علیہ السلام پر گریہ وزاری اور عزاداری کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس پر گریہ وزاری کو برابر زندہ رکھنے کے بارے میں کہا گیا ہے اور شیعہ وسنی دونوں روایتوں میں آیا ہے کہ روز قیامت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا خداوند متعال کی بارگاہ میں اس طرح عرض کریں گے۔

''اللهم اقبل شفاعتي فيمن بكى ولدى الحسين''

''پالنے والے میرے بیٹے حسین پر گریہ کرنے والوں کے لئے میری شفاعت قبول کر۔''

اسی روایت کے ذیل میں آیا ہے۔

''فيقبل الله شفاعتها ويد خل الباكين على الحسين عليه السلام فى الجنة''

''خداوند عالم فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شفاعت قبول کرے گا اور امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے والوں کو جنگ میں داخل کرے گا۔''(۱)

متعدد روایتوں کے مطابق انبیاء علیہم السلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام پر گریہ کیا ہے اور عزاداری برپا کی ہے۔

---

(۱) الاحتجاجات العشرۃ، ص ۲۰

اگر ہم اولیاء خدا اور مقرب بارگاہ بندوں کی پیروی میں امام حسین علیہ السلام پر گریہ کریں تو کوئی اعتراض کا مقام ہے؟ نہیں قطعاً کوئی نہیں بلکہ اس عظیم سنت کو زندہ کرنے اور آئمہ علیہم السلام کی اس چیز کی اقتداء میں بہت ہی اجر وثواب ہے۔ یہاں پر آئمہ معصومین علیہم السلام نے گریہ امام حسین علیہ السلام کو کتنی اہمیت دی ہے۔اس کے بارے میں دو عجیب واقعے نقل کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱-ایک روز امام سجاد علیہ السلام نے سنا کہ ایک شخص بازار میں فریاد کر رہا ہے کہ لوگو مجھ پر رحم کرو میں غریب ہوں۔

امام سجاد علیہ السلام اس کے پاس گئے اور اس کی طرف متوجہ ہو کر آپ نے فرمایا۔''اگر تیری قسمت اسی (شہر مدینہ میں) مرنا ہوگا تو کیا تیری لاش بے گور وکفن اہل مدینہ اس زمین پر چھوڑ دیں گے؟''

اس غریب مرد نے کہا۔''اللہ اکبر کس طرح میرے جنازہ کو دفن نہیں کریں گے جبکہ میں مسلمان ہوں اور امت اسلام کی آنکھوں کے سامنے ہوں۔''

امام سجاد علیہ السلام نے روتے ہوئے فرمایا:

''واسفاه عليك يا ابتاه تبقى ثلاثه ايام بلا دفن وانت ابن بنت رسول الله و امصيباتاه''

''کتنے افسوس کی بات ہے اے میرے بابا' رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہوتے ہوئے بھی آپ کی لاش تین روز تک بے گور وکفن زمین پر پڑی رہی۔''(۱)

۲-تاریخ میں آیا ہے کہ منصور دوانیقی (دوسرا عباسی خلیفہ) نے مدینہ میں اپنے والی کو حکم دیا کہ امام صادق علیہ السلام کے گھر کو آگ لگا دو۔

والی مدینہ نے حکم پانے کے بعد آگ اور لکڑی جمع کروائی اور امام صادق علیہ السلام کے گھر میں آگ لگا دی اور گھر کے دالان سے جب شعلے بھڑکنے لگے تو عصمت مخدرات گھر میں رونے پیٹنے لگیں یہاں تک کہ ان کی آواز گھر سے باہر پہنچ گئی۔ امام صادق علیہ السلام نے بڑی مشکل سے

(۱) ماساۃ الحسین' تالیف: الخطیب شیخ عبدالوہاب الکاشی ص ۱۵۲

آگ کو بجھایا اس کے دوسرے دن کچھ شیعہ حضرات آپ کی احوال پرسی کے لئے گئے تو دیکھا کہ آپ محزون ہیں اور گریہ فرما رہے ہیں ان لوگوں نے کہا۔ "کیا دشمنوں کی اس طرح کے عمل اور ان کی گستاخی پر آپ گریہ کر رہے ہیں جبکہ آپ کے خاندان سے اس طرح کا واقعہ پہلی دفعہ نہیں ہوا ہے۔؟"

امام صادق علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔ "کل کے واقعہ میں نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس بات پر رو رہا ہوں کہ جب گھر میں آگ کا شعلہ بھڑکنے لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے ہوتے ہوئے عورتیں اور بچیاں ایک کمرے سے دوسرے کمرے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ بھاگ کر پناہ لے رہی تھیں تا کہ انہیں آگ کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

"فتذکرت عیال جدی الحسین یوم عاشورا لما هجم القوم علیهن ومنادیم ینادی احرقوابیوت الظالمین"

تو مجھے روز عاشورا اپنے جد حسین (علیہ السلام) کے مصیبت زدہ گھر والوں کی یاد آ گئی جب ایک منادی ندا دے رہا تھا کہ ظالموں کے گھروں کو جلا دو۔" (۱)

دو مذکورہ واقعات اور اس کے علاوہ بہت سے قرائن سے سمجھا جا سکتا ہے کہ تمام آئمہ علیہم السلام ہمیشہ چاہتے تھے کہ امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور ان کی عزاداری برابر لوگوں کے دلوں میں تازہ دم ہوتی رہے اسی بنیاد پر ہم ان کی پیروی میں امام حسین علیہ السلام کی مصیبت زندہ رکھنے کے لئے ان پر گریہ کرتے ہیں۔

اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس چیز کے لئے ہمیں عظیم اجر و ثواب عطا ہو گا۔

امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر گریہ کرنا اور غمگین ہونا اتنا عظیم اور مقدس عمل ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام زیارت امام حسین علیہ السلام کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

"السّلام علیٰ الجیوب المضرجات"

"سلام ان گریبانوں پر جو امام حسین علیہ السلام کے غم میں چاک ہوئے ہوں (۲)"

سامع: "آپ کی اس راہنمائی کا بہت بہت شکریہ بیشک ہمیں اپنی زندگی میں چاہیے کہ ہم آئمہ علیہم السلام کو اپنے لئے نمونہ قرار دیں لیکن یہاں میرا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام

---

(۱) وہی مصدر، ص ۱۳۶،۱۳۵ (۲) الوقایع الحوادث، ج ۳، ص ۳۰۷

حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہیں۔ تمام احکام اپنے ساتھ ایک ہدف لئے ہوئے ہیں اور کتنا بہتر ہو اگر ہم ان تمام احکام کو با معرفت انجام دیں نہ کہ اندھی تقلید کرتے ہوئے۔

اسی بنا پر میرا سوال یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام پر گریہ کا کیا مقصد اور کیا سبب ہے؟"

واعظ: "امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور اس کے مقصد کی وضاحت کے سلسلے میں چند باتیں کہی جاسکتی ہیں۔

۱۔ شعائر اللہ کی تعظیم:

مرحوم مومن پر گریہ کرنا ایک طرح کا اس کا احترام ہے اور یہ گریہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معاشرہ میں اس کے چلے جانے سے ایک خلا واقع ہوگیا ہے اور وہ اب موجود نہیں ہے کہ لوگ اس کے وجود سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ گریہ اس کے باطنی احساسات ہیں جو مومن کی دنیا سے چلے جانے پر وجود میں آتے ہیں کیونکہ جب تک وہ مومن اس دنیا میں تھا لوگ اس سے مختلف طرح سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔ گریہ ایک فطری عمل ہے اور جو شخص جتنا عظیم ہوگا دنیا والے اس پر اسی حساب سے زیادہ گریہ کریں گے۔ جو دنیا سے جاتا ہے اور اس کے اوپر کوئی گریہ نہیں کرتا تو گویا یہ اس کے ایک طرح کی بے احترامی ہے۔

ایک شخص نے امام علی علیہ السلام سے پوچھا۔ "نیک اخلاق کیا ہے؟" آپ نے جواب دیا۔

"ان تعاشروا الناس معاشرۃ ان عشتم حنوا الیکم وان متم بکوا علیکم"

"لوگوں سے اس طرح سلوک کرو کہ جب تک زندہ رہو وہ تمہارے اشتیاق میں تمہاری طرف کھینچے چلے آئیں اور جب تم مرجاؤ تو تم پر گریہ کریں۔"(۱)

ہر قوم وملت میں یہ رسم پائی جاتی ہے کہ جب بھی اس کے درمیان سے کوئی بزرگ شخصیت اٹھ جاتی ہے تو لوگ اس کے فقدان پر گریہ اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی دین محمدی پر شہادت بھی ایک عظیم اور ہمیشہ باقی رہنے والا واقعہ ہے جس پر گریہ کرنا ان کے ہدف و مقصد کو زندہ رکھنا اور شعار دین کی تعظیم میں سمجھا جاتا ہے۔

اور قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) ماساۃ الحسین (ع)، ص ۱۳۷

"ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب" (سورہ حج ۳۲)

۲-عاطفی گریہ:

ایک روز میں امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی جگر سوز شہادت ہر انسان کے دل کو کباب کر دیتی ہے اور ہر انسان کا دل ظالم و ستمگر کے خلاف برانگیختہ ہو جاتا ہے۔ کربلا کا المناک واقعہ اس قدر دل ہلا دینے والا ہے کہ اسے مرور ایام نہ کبھی بھلا سکتا ہے اور نہ ہی اسے پرانا بنا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر: عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق جناب عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں نے انہیں پھانسی دیکر قتل کر دیا اب تم معلوم کر سکتے ہو کہ عیسائی اس یاد کو دنیا کے چپہ چپہ میں لوگوں کے دلوں میں تازہ کرتے ہیں اور غم کا اظہار کرتے ہیں یہاں تک کہ صلیب اپنے لباس اور اپنے کلیسا وغیرہ پر نصب کر کے اسے اپنی علامت قرار دیتے ہیں۔

جبکہ قتل عیسیٰ (عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق) واقعہ کربلا اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے بھی کم اہمیت کا حامل ہے۔

اسی وجہ سے امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور ان کی عزاداری لوگوں کی محبت کو برانگیختہ ہونے اور ان کے عظیم اہداف تک پہنچنے کا سبب بنتی ہے۔

ایک استاد کے بقول: "عقل کی ترجمان ہمیشہ زبان رہی ہے کہ لیکن عشق کا ترجمان آنکھ ہے، جہاں احساس اور درد سے آنسو گریں وہاں عشق ضرور پایا جاتا ہے لیکن جہاں زبان لفظوں کو ترتیب دے کر جملہ چھانٹے وہاں عقل پائی جاتی ہے۔"

اس بنا پر جس طرح مقرر کے زبردست دلائل اور پر زور خطابت اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ اس خاص مذہب سے وابستہ ہے اسی طرح آنکھوں سے گرنے والا آنسو کا ایک قطرہ دشمنوں کے خلاف اعلان جنگ کی طرح ہوتا ہے۔(۱)

کسی بھی مقصد کی تکمیل کے لئے احساساتی پہلوؤں کو یکسر نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے کہ یہ کسی بھی انقلاب کی آہٹیں ہوا کرتیں ہیں۔

۳-گریہ تائید:

---

(۱) انگیزہ پیدائش مذہب، ص۱۵۰

امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنا ایک طرح سے ان کے قیام اور ان کے اہداف کی تائید ہے اور عمیق ترین سمجھ اور احساس دشمنوں اور ستمگروں کے خلاف قلب و جگر پر ایک گہرا اثر چھوڑتا ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ ''اے حسین ہمارے احساسات کے نہاں خانوں میں آپ موجود ہیں۔''

زندہ در قبر دل مابدن کشتہ تواست

جان مائی و تورا قبر حقیقت دل ما است

''یہ زبان حال شیعہ ہے جو ہر زمان و مکان میں تین ستونوں پر استوار ہے۔''

۱-ہمارا قلب اس ایمان کے مبدء کو تلاش کرتا ہے جس کے لئے امام حسین علیہ السلام قتل کئے گئے۔

۲-ہمارے کان ان کی سیرت و گفتار کو سنتے ہیں۔

۳-ہماری آنکھیں آنسو بہا کر کربلا کے غم ناک واقعے کا لوگوں کے دلوں پر نقش چھوڑتی ہیں۔

اگر یہ ان مذکورہ اسباب میں سے کسی ایک سبب کی وجہ سے گریہ ہوا تو یہ صدفی صد ایک فطری تقاضے کے تحت عمل میں آتا ہے اس طرح کے گریہ میں کوئی حرج کی بات کیا' بلکہ یہ امام حسین علیہ السلام کے قیام اور انقلاب کے لئے بہت سے فوائد کا حامل بھی ہوا کرتا ہے۔

۴-گریہ رسوا گر اور پیام آور:

ہر انسان جب امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی کیفیت شہادت سنتا ہے کہ وہ بھوکے پیاسے عورتوں اور بچوں کے سامنے جلتی ہوئی زمین پر شہید کر دیئے گئے' تو بے اختیار اس کے قلب و دماغ میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے پورے وجود سے یزید کی پلیدی اور قساوت قلبی پر لعنت و ملامت کرتا ہے۔

اسی طرح امام حسین علیہ السلام پر گریہ ہر زمان مکان میں ظلم اور ظالم کے خلاف ایک آواز اور ایک طرح کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور کبھی کبھی یہی گریہ دشمن کی سرکوبی کا بہترین ذریعہ ہو جاتا ہے۔ لہذا جہاں بھی گریہ بے رحم دشمنوں کی رسوائی کا سبب بنے اور الٰہی پیام لوگوں تک پہنچ جائے تو اسے ایک قسم کا نہی عن المنکر دین کے راستے کو استوار کرنے اور ظلم و ستم جو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں عملی اقدام کہا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ گریہ کی چند قسمیں ہیں جیسے خوف خدا پر گریہ' شوق کا گریہ محبت کا گرم و پیام

آور گریہ وغیرہ اگر اس گریہ کا صحیح اور مناسب مقصد ہو تو یہ گریہ اپنی تمام قسموں میں سب سے زیادہ اچھا ہے۔

ہاں ایک گریہ مایوسی' لاچاری' عاجزی اور شکست کی وجہ سے ہوتا ہے جسے گریہ ذلت کہتے ہیں اور اس طرح کا گریہ ان عظیم ہستیوں سے بہت دور ہے اور اولیاء خدا اور اس کے آزاد بندے، اس طرح کا کبھی گریہ نہیں کرتے۔

اس طرح گریہ اور عزاداری کی دو قسم ہے "مثبت اور منفی" منفی گریہ قابل مذمت اور نقصان دہ ہے' لیکن مثبت گریہ اپنے ساتھ بہت سے اصلاحی فوائد لئے ہوئے ہوتا ہے یہاں تک کہ یہ گریہ کبھی کبھی نہی عن المنکر اور طاغوتیوں کے خلاف قیام کرنے اور جہاد کی صف میں کھڑے ہو کر جنگ کرنے کا سب سے اچھا اسلحہ ثابت ہوتا ہے۔

سامع: میرے سوال کے جواب میں آپ کے منطقی جامع اور مانع بیان کا بہت شکریہ۔"

واعظ: یہاں پر اس مناظرہ کی تکمیل میں کچھ اور باتیں بتاتا چلوں۔

اسلام کے بعض اعمال میں سیاسی پہلو بھی پایا جاتا ہے عزاداری اور گریہ یہاں تک کہ رونے والوں جیسی صورت بنانے میں ایک سیاسی پہلو پوشیدہ ہے۔ (جیسا کہ مناظرہ نمبر ۸۱ میں آپ نے امام محمد باقر علیہ السلام کی اپنے اوپر گریہ کرنے کو وصیت میں پڑھا۔)

آئمہ علیہم السلام واقعہ کربلا کے سبب عزاداری کے ضمن میں حق و باطل کے چہرہ کو بے نقاب کرنا چاہتے تھے یہاں تک کہ امام کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔

"امام سجاد علیہ السلام کی انگوٹھی کے نگینہ پر یہ لکھا تھا۔"

"خذی و شقی قاتل الحسین بن علی علیه السلام"

"حسین بن علی علیہ السلام کا قاتل ذلیل اور رسوا ہوا۔" (۱)

حقیقتاً امام سجاد علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی پر اس جملے کو صرف اس لئے کندہ کروا رکھا تھا کہ شہادت امام حسین علیہ السلام لوگوں کے دلوں میں تازہ دم ہوتی رہے اور لوگوں کی نظر جب بھی میری انگوٹھی پر پڑے تو بنی امیہ کے مظالم انہیں یاد آجائیں اور سیاسی لحاظ سے بیدار رہیں۔

(۱) منتہی الآمال، ج ۲، ص ۳

ان تمام باتوں کالب لباب یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری اور گریہ دو طرح کا ہے۔ مثبت ومنفی اب اس میں منفی اور قابل مذمت وہ گریہ ہے جو رونے والوں کے عجز و ناتوانی اور شکست کو ثابت کرے لیکن مثبت وہ گریہ ہے جو لوگوں کی عزت' شجاعت' صلاحیت اور بیداری کا سبب بنے۔

پیغمبرؐ کی خاتمیت پر ایک مناظرہ

ضروریات دین میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری پیغمبر ماننا ہے جس کے بعد خداوند متعال کی طرف سے نہ کوئی پیغمبر آیا اور نہ کوئی شریعت۔ اس بات کے اثبات میں قران میں بہت سی آیتیں پائی جاتی ہیں جیسے سورہ احزاب آیت ۴۰' سورہ فرقان آیت ۱' سورہ فصلت آیت ۴۱-۴۲' سورہ انعام آیت ۱۹- سورہ سبا ۲۸ وغیرہ۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام کی بہت سی روایتیں آپ کے خاتم الانبیاء ہونے پر صریحی طور پر دلالت کرتی ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنے والے زمانوں میں فریبی اور چالباز لوگوں نے نیا نیا پیغمبر بنا کر آپ کی خاتمیت کو مخدوش بنانا چاہا۔ تاکہ اس طرح سے خود ساختہ ادیان جیسے قادیانیت اور وہابی گری اور بہایت معاشرہ میں اپنا اثر ورسوخ پیدا کرسکیں۔

اب درج ذیل مناظرہ جو ایک مسلمان اور بہائی کے درمیان وجود میں آیا ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمان: ''تم اپنی کتابوں اور تقریروں میں اسلام اور قرآن کو اس فرق کے ساتھ قبول کرتے ہو کہ اسلام نسخ ہو گیا ہے اور اس کی جگہ دوسری شریعت آگئی ہے۔ اب میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ قرآن نے تو اپنی متعدد آیتوں میں اسلام کو ایک عالمی اور قیامت تک باقی رہنے والا مذہب کہا ہے اور ساتھ ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت کا اعلان کرتے ہوئے آنے والے نئے دین کو باطل قرار دیا ہے۔

بہائی: مثلاً کونسی آیت یہ کہہ رہی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری پیغمبر ہیں؟''

''ماکان محمد اباحد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین

نہیں ہوگا اور جو رسول ہوگا وہ نبی نہیں ہوگا لہذا ہمارا اعتراض بجا ہے۔"

مسلمان: "لفظ رسول و نبی میں اس طرح کا فرق، علماء اور مفکرین اور آیات و روایات کے خلاف ہے اور یہ ایک مغالطہ ہے کیونکہ تمہارا یہ مسئلہ خود آیت میں ذکر ہوا ہے۔

"ولکن رسول الله و خاتم النبیین"

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ملتا ہے۔ وکان رسولا "نبیا" موسیٰ علیہ السلام رسول بھی تھے اور نبی بھی (سورہ نساء ۱۷۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی (سورہ نساء آیت ۱۷۱ میں) رسول کہہ کر پکارے گئے اور سورہ مریم آیت ۳۰ میں نبی کہہ کر پکارے گئے ہیں اگر لفظ نبی اور رسول آپس میں ایک دوسرے کے متضاد لفظ ہیں تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام جیسے انبیاء ان دو متضاد صفتوں کے حامل نہ ہوتے اس کے علاوہ اور بہت سی روایتیں اس سلسلے میں ہم تک پہنچی ہیں جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم المرسلین کہا گیا ہے اور اس کے بعد وضاحت کی گئی ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور آپ ہی ختم الرسل ہیں۔"

بہائی: جملہ خاتم النبیین سے ممکن ہے خاص پیغمبر مراد لئے گئے ہوں اس طرح تمام کے تمام پیغمبر اس آیت میں شامل نہیں ہوں گے۔

مسلمان: اس طرح کا اعتراض دوسرے اعتراضوں سے زیادہ مضحکہ خیز ہے کیونکہ جو بھی شخص ادبیات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہوگا وہ اس طرح کے جملے میں ہر جگہ "ال" سے مراد عموم لے گا اور یہاں اس الف اور لام سے مراد "عہد" ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے لہذا اس سے عموم ہی مراد لیا جائے گا۔"

امام حسینؑ کے قاتلوں کے بارے میں ایک مناظرہ

وہابی: "یہ جو شیعہ لوگ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری اور ان پر گریہ کرتے ہیں وہ اس لئے کہ اپنے آباؤ اجداد کے گذشتہ ظلم کا جبران کریں کیونکہ انہیں کے باپ دادا نے امام حسین علیہ

السلام اور ان کے اصحاب کو قتل کیا ہے۔ مختصر یہ کہ بعد میں ان لوگوں نے توبہ کیا اور توابین (زیادہ توبہ کرنے والوں) کے عنوان سے اپنے گذشتہ ظلم وستم کا جبران کرنا چاہا تھا۔''

شیعہ:''یہ تہمت کس ماخذ اور حوالے سے شیعوں پر لگا رہے ہو؟''

وہابی:''جو لوگ کربلا میں امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے آئے تھے وہ شام اور حجاز کے رہنے والے نہیں تھے بلکہ سب کے سب کوفہ کے رہنے والے تھے' اور اس زمانہ میں کوفہ میں اکثر شیعہ ہی رہتے تھے لہذا کوفہ سے آنے والے جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا' اکثر شیعہ تھے۔''

شیعہ:''اولاً اگر بفرض محال شیعوں ہی میں سے کچھ لوگ خوف اور فریب سے کربلا میں امام حسین علیہ السلام سے جنگ کیلئے آئے تو ایسا نہیں کہ مذہب' شیعہ اور اس مذہب کے تمام ماننے والوں نے امام حسین علیہ السلام سے منحرف ہو کر یزید کے راستہ کو اختیار کر لیا تھا۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر مذہب وملت میں کچھ نہ کچھ لوگ اپنے مذہب سے منحرف ہوتے ہیں لیکن ان کا عمل مذہب کے بے بنیاد ہونے پر دلیل نہیں بن سکتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ حقیقت میں یہ سب باتیں محض تہمتیں ہیں جو بالکل بے بنیاد اور جھوٹی ہیں۔''

وہابی:''کیوں اور کس دلیل سے؟''

شیعہ:''سپاہیوں کا وہ لشکر جو کوفہ سے کربلا امام حسین علیہ السلام سے لڑنے آیا تھا ان میں اکثر خوارج' اموی اور وہ منافق تھے جو حضرت علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کے پاس سے بھاگ گئے تھے اور ان کے تمام سردار حکومت امام علی علیہ السلام کے مخالف لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت علی علیہ السلام نے معزول کر دیا تھا اور وہ لوگ خاندان رسالت علیہم السلام کے معتوب شمار کیے جاتے تھے جن کے وجود سے ابن زیاد نے سوئے استفادہ کیا۔

اور زیادہ تر اس میں گروہ مرتزقہ (خریدے ہوئے غیر عرب افراد) سے تعلق رکھتے تھے جنہیں بنی امیہ نے اپنی داخلی شورش کے کارکنوں کی سرکوبی کے لئے محفوظ کر رکھا تھا اس بنیاد پر کربلا میں جنگ کرنے والے شیعہ ہرگز نہیں تھے۔(۱)

---

(۱) اسی وجہ سے امام حسین علیہ السلام نے ان لشکریوں کو عاشورہ کے دن "شیعیان آل ابی سفیان" کہہ کر بلایا تھا جب دشمن خیموں پر حملہ کرنے لگے تو آپ نے فرمایا:

"ویلکم یا شیعۃ آل ابی سفیان" تمہارا برا ہو اے ابوسفیان کی اولاد کے پیروکارو! اگر تم دین نہیں رکھتے اور تمہیں آخرت کا کوئی خوف نہیں تو کم از کم اس دنیا میں ہی آزاد زندگی گزارو۔ لہذا اس بنا پر یہی نہیں کہ وہ حقیقتاً شیعیان علی نہیں تھے بلکہ وہ ظاہراً بھی شیعیان علی نہیں تھے۔

توضیح کے طور پر علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانہ میں کوفہ میں شیعوں کی اکثریت تھی لیکن آپ کی شہادت کے بعد معاویہ کی حکومت کے زمانہ میں اس کے جلادوں کی اذیت اور سزاؤں سے خوف کی وجہ سے وہ بھاگ گئے اور ادھر ادھر بکھر گئے تھے' اور معاویہ کے خریدے ہوئے ظالموں نے اکثر کو قتل کر دیا تھا اور بہت سے بچے ہوئے لوگوں کو کوفہ سے نکال دیا تھا۔ یہاں تک کہ زیاد ابن ابیہ (عراق میں معاویہ کا گورنر) کے زمانہ میں تمام شیعوں کو قتل کر دیا تھا' یا زندان میں ڈال دیا تھا' اور یا تو وہ لوگ کوفہ سے جان بچا کر بھاگ گئے تھے' معاویہ کے زمانے میں اگر کسی پر کفر و الحاد اور شرک کا جرم عائد ہوتا تو اس کے لئے نہ کوئی سزا تھی اور نہ کوئی خوف لیکن کسی کو شیعہ کہنا اس کے جان و مال اور اس کے گھر کو ویران کرنے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ زیاد ابن ابیہ "سمیہ روسپی" کا بیٹا تھا جب یہ کوفہ کے دار الامارہ میں مقررہ ہو گیا تو معاویہ نے اسے لکھا۔ "اے زیاد! جو لوگ علی علیہ السلام کے مذہب پر زندگی گزار رہے ہیں انہیں قتل کر دو اور قتل کے بعد ان کے ناک کان کاٹ لو۔" زیاد نے مسجد میں اہل کوفہ کو بلوا کر کہا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کریں اگر کوئی ان پر لعنت نہیں کرے گا تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

منقول ہے کہ زیادہ ابن ابیہ "سعد بن سرح" نامی شخص کے قتل کے درپے تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے زیاد کو اپنے خط کے آخر میں لکھا کہ سعد بن سرح بے گناہ مسلمان ہے اس کا پیچھا چھوڑ دے۔ زیاد نے امام حسین علیہ السلام کے خط کے جواب میں لکھا۔ "کہیں نہ کہیں وہ میرے ہاتھ لگ ہی جائے گا اور میں اس لئے قتل کر دوں گا کہ وہ تمہارے (نعوذ باللہ) فاسق باپ سے محبت کرتا ہے۔"(۱)

زیاد ابن ابیہ کی ایک جنایت یہ تھی کہ اس نے "سمرہ بن جندب" کو کوفہ اور بصرہ میں اپنا جانشین بنا دیا تھا اور زیاد ابن ابیہ کے مرنے کے بعد معاویہ نے سمرہ کو اس کے عہدے پر باقی رکھا۔ سمرہ کی خونخواری کی انتہا یہ تھی کہ اس نے ایک مرتبہ ۸۰ ہزار افراد کو نہایت اذیت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ (۲) عدوی کہتے ہیں: سمرہ نے ایک دن صبح کو ہمارے ۴۷ افراد کو بے رحمی سے قتل کر دیا جو سب کے سب حافظ قرآن تھے۔ (۳)

---

(۱) شرح نہج حدیدی البلاغہ' ج ۴' ص ۷۰
(۲) تاریخ طبری' ج ۶' ص ۱۳۲- کامل ابن اثیر' ج ۳' ص ۱۸۳ (۳) وہی ماخذ

سرفہرست افراد جیسے حجر بن عدی اور ان کے ساتھ، مالک اشتر، محمد بن ابی بکر، عمرو بن حمق وغیرہ معاویہ کے خریدے ہوئے مزدوروں کی سزاؤں کے سبب شہید ہو گئے۔

معاویہ کی بھیانک اور خطرناک حکومت ایسی تھی کہ عمرو بن حمق کا کٹا ہوا سر زندان میں ان کی بیوی کے لئے بھیجا گیا (۱) اور کوفہ کی فضا اتنی خطرناک حد تک ہلا دینے والی تھی کہ لوگ اپنے نزدیک ترین افراد پر بھی اس وجہ سے اطمینان نہیں رکھتے تھے کہ کہیں یہ معاویہ کا جاسوس نہ ہو۔

علامہ امینی لکھتے ہیں۔ ''اس بات کی طرف توجہ رہے کہ زیاد بن ابیہ کوفہ کے تمام افراد کو پہچانتا تھا، کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانے میں وہ انہیں لوگوں کا جز تھا اور وہ تمام شیعوں کو جانتا تھا، جس کی وجہ سے اگر کسی شیعہ نے پتھر کی آڑ میں یا کسی بل میں بھی پناہ لے رکھی تھی، تو وہ اسے تلاش کروا کر قتل کر دیتا، اور ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیتا، اور انکی آنکھوں کو پھوڑ کر پھانسی پر چڑھا دیتا اور بعض کو شہر بدر کروا دیتا، نتیجہ میں شیعہ نام کا ایک شخص بھی کوفہ میں باقی نہیں رہ گیا تھا۔ مختصر یہ کہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں چار ہزار یا پانچ ہزار سے زیادہ شیعہ کوفہ میں نہیں بچے تھے، اور ابن زیاد جب تخت پر آیا تو ان افراد کو بھی پکڑوا لیا اور امام حسین علیہ السلام کے عراق میں داخل ہونے سے پہلے پہلے ان سب کو جیل میں ڈال دیا، شیعوں کی تعداد اس زمانہ میں بس انہیں افراد پر مشتمل تھی جو یزید کے مرنے اور زیاد بن ابیہ کے بصرہ جانے کے بعد زندان کے دروازوں کو توڑ کر باہر نکل آئے تھے اور امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے کے لئے قیام کیا تھا لیکن اس وقت تک امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو چار سال گزر چکے تھے اور جناب مختار کا قیام اس وقت تک عمل میں نہیں آیا تھا۔

زندان سے نکلے ہوئے یہ تمام شیعہ ۹۳ سالہ ''سلیمان بن صرد خزاعی'' کی قیادت میں سپاہ شام سے جنگ کے لئے روانہ ہو گئے۔ نتیجہ میں سلیمان اور اس کے بہت سے ساتھی اس دلیرانہ جنگ میں شہید ہو گئے۔

علامہ مامقانی لکھتے ہیں: امام حسین علیہ السلام کے عراق میں وارد ہونے سے پہلے ابن زیاد نے ۴۵۰۰ شیعوں کو جیل میں ڈال دیا تھا جن میں سلیمان بن صرد بھی تھے جنہوں نے چار سال

(۱) الغدیر، ج ۱۱، ص ۴۴

فریبیوں کی جیل میں زندگی گزاری۔ اس طرح جو مشہور ہے اور ابن امیر سے نقل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ افراد اپنی جان کے خوف سے امام حسین علیہ السلام کی حمایت میں نہیں کھڑے ہوئے اور شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد کافی شرمندہ ہوئے اور سلیمان بن صرد کی قیادت میں توابین نامی ایک گروہ کو تشکیل کیا تاکہ گزشتہ کی تلافی کر سکیں یہ سراسر جھوٹ بات ہے۔(۱)

اس طرح پتہ چلتا ہے کہ قاتلین امام حسین علیہ السلام کوفہ کے شیعہ نہیں تھے بلکہ خوارج، مرتدین اور منافقین تھے جو حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ حکومت میں معزول ہوئے تھے اور یہ امام حسین علیہ السلام کی حکومت کے بھگوڑے اور غیر عرب کے خریدے ہوئے پٹھو تھے۔

---

(۱) تنقیح المقال، ج ۲، ص ۶۳ اور اگر فرضاً ان کے درمیان کچھ لوگ بنام شیعہ تھے بھی تب بھی انہیں شیعہ کہنا کسی طرح درست نہ ہوگا البتہ ممکن ہے کہ کچھ افراد ایسے ہوں جن کو سیاسی اور حکومتی حالات کا بالکل اندازہ نہ رہا ہو اور اعتقاد میں بھی وہ ضعیف رہے ہوں لہذا یزید کی دھمکیوں سے ڈر گئے ہوں اور پیسے کی لالچ میں آ گئے ہوں مگر اس طرح کے چند افراد کی موجودگی سے یہ کہنا کہ امام حسین علیہ السلام کو شیعوں نے قتل کیا ہے ہرگز درست نہ ہوگا، جو واقعاً شیعہ تھے، وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سارے حالات ان کے سامنے تھے سیاسی و حکومتی تغیرات سے وہ پوری طرح آگاہ تھے۔ اس وقت کوفے میں موجود سارے شیعہ اسی نوعیت کے تھے کیونکہ وہ زمانہ ایسا نہ تھا کہ جب کوئی یوں ہی فیشن کے طور پر اپنے آپ کو شیعہ کہنے لگے، اس وقت شیعہ ہونے کا اعلان کرنا یعنی موت کو دعوت دینا تھا۔ اس طرح کی تمام باتیں بکے ہوئے راویوں اور درباری ملاؤں کی دین ہیں۔

آیت ہلاکت کے بارے میں مناظرہ

قرآن کی آیتوں میں سے سورہ بقرہ کی آیت ۱۹۵ آیت ہلاکت کے نام سے مشہور ہے۔

"وانفقوا فی سبیل اللّٰہ ولا تلقوا بایدیکم الی التّھلکة واحسنوا ان اللّٰہ یحب المحسنین"

شاگرد: اس آیت کے ضمن میں آیا ہے کہ "اپنے ہاتھ سے اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو" آیت کے مطابق ایسا قیام جس میں جان کا خطرہ ہو یا ایسا نہی عن المنکر جو ضرر اور نقصان کا موجب

بنے' اس کا اقدام نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ضرر ونقصان ایک قسم کی ہلاکت ہے اور انسان کو اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

یہاں یہ سوال بھی واضح ہوگا کہ قیام امام حسین علیہ السلام ان کی جنت اور ان کے دوستوں کی شہادت اسی آیت سے کس طرح مناسبت رکھتی ہے؟

استاد: "اس آیت کے ابتدائی حصہ پر توجہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کی راہ میں مال کا انفاق کرنا جہاد ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی راہ میں انفاق کرنے یا حد سے زیادہ انفاق کرنے سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور انفاق کرنے میں افراط وتفریط سے کام نہ لو۔"

اسی وجہ سے تفسیر در منشور میں اس آیت کے ذیل میں "اسلم بن ابی عمران سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا "ہم قسطنطنیہ (ترکیہ میں آج کا استانبول) میں تھے تو دیکھا عقبہ بن سالم مصر والوں کے ساتھ اور فضال بن عبید بھی شام والوں کے ساتھ وہاں موجود تھے اور جب روم کا ایک بہت ہی عظیم لشکر مسلمانوں سے جنگ کے لئے میدان میں آ گیا تو میں نے بھی ان کے مقابلہ کے لئے صفوں کو منظم کیا اس اثناء میں ایک مسلمان شخص نے روم کے قلب لشکر پر اس طرح حملہ کیا کہ وہ لشکر میں داخل ہو گیا یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے چیخ کر کہا" یہ شخص اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔"

ابو ایوب انصاری' رسول خدا کے مشہور صحابی نے نکل کر کہا۔ "تم لوگ اس آیت (ولا تلقوا بایدیکم ......) کا اپنی طرف سے غلط معنی کر رہے ہو یہ آیت ہمارے گروہ انصار کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب خداوند متعال نے اپنے دین کو کامران وکامیاب کیا اور اس کے چاہنے والے بہت زیادہ ہو گئے تو ہم بعض لوگوں نے چھپ چھپ کر آپس میں کہا کہ ہمارا مال ضائع ہو گیا۔ خداوند متعال نے اسلام کو سرفراز کیا اور اس کے ماننے والے بھی زیادہ ہو گئے۔ اگر ہم لوگ اپنے مال کو بچائے ہوئے ہوتے تو ہمارا مال ضائع نہ ہوتا۔ اس وقت ہمارے اس بیہودہ اور منفی عمل کی رد میں خداوند متعال نے یہ آیت نازل کی۔" اس طرح اس آیت میں ہلاکت سے مراد اپنے مال کی حفاظت اور جہاد کی راہ میں خرچ نہ کرنے کے ہیں۔ (۱)

---

(۱) تفسیر "المیزان" ج ۲' ص ۶۷

شاگرد: ''اس بات میں کیا مضائقہ ہے کہ اصل آیت انفاق کے بارے میں ہو لیکن اس کا آخری ٹکڑا ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر آیا ہو؟''

استاد: ''کوئی حرج نہیں ہے' لیکن ہیں اس صورت میں اس قاعدہ کی اس طرح وضاحت ہو گی۔ ''وہ جگہیں جو ہلاکت میں شمار کی جاتی ہیں وہاں اپنے خود سے نہ جاؤ' یعنی ایسے مقامات پر جہاں بلاوجہ جان جانے کا خطرہ ہو اور جہاں جان دینے سے کوئی فائدہ نہ ہو۔''

لیکن اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر اہم اور اہم ترین قاعدہ لاگو ہو گا یعنی اگر جان کا خطرہ مول لے کر کوئی بہت بڑا دینی فائدہ حاصل ہو رہا ہے اور اسلام کو ضرورت ہو تو اس وقت اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا صرف یہی نہیں کہ کوئی حرج کی بات نہیں بلکہ بعض اوقات واجب اور ضروری ہو جاتا ہے۔ اسلام کے اکثر احکام جیسے جہاد' نہی عن المنکر اور امر بالمعروف میں خطرہ پایا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ اس طرح کے خطرے سعادت و کامرانی تک پہنچنے کے ذرائع ہوا کرتے ہیں' لہٰذا ان کا کوئی حرج نہیں۔

اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں کہا جائے کہ ''ہلاکت'' کے معنی وہ خطرات ہیں جو بدبختی اور ذلت کا سبب بنیں' لیکن اگر جہاد جیسے خطرناک کام انجام دیئے جائیں تو یہ عین سعادت اور کامرانی ہے۔ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے قیام اور انقلاب میں بھی یہی مقصد کارفرما تھا۔ ان لوگوں نے ایسے خطرے اور ایسی موت کو خود سے اختیار کیا تھا جس کے نتائج اسلام کی راہ میں بڑے دور رس واقع ہوئے' اسی لیے اس قیام کے اثرات روز قیامت تک ہر زمانے میں دکھائی دیتے رہیں گے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی ایسے خطرے میں کود پڑے جس میں کچھ لوگوں کی جان چلی جائے اور سینکڑوں دیناروں کا نقصان ہو لیکن اس کے بدلے میں لاکھوں انسانوں کی جان بچ جائے اور ہزاروں دینار کا فائدہ حاصل ہو تو کیا یہ کام اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہو گا؟

اگر کسان گیہوں کے دانوں کو زمین میں ڈالتا ہے تاکہ اس سے ہزاروں من گیہوں کاشت کر سکے تو کیا اس سے یہ کہنا درست ہے ''تم کیوں ان دانوں کو بیکار کر رہے ہو اور مٹی میں ملا رہے ہو؟

اسی بنیاد پر قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

''لو لا دفع اللّٰہ الناس بعضہم ببعض لفسدت الارض''

اگر خدا کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں کے وسیلہ سے دفع نہ کرے تو زمین پر فتنہ وفساد پھیل جائے (بقرہ ۲۵۱)

ایران میں تشیع کے بارے میں ایک مناظرہ

حالانکہ ایران میں اسلام حضرت عمر کے زمانے میں پہنچا مگر اس کے باوجود کیا وجہ ہے کہ یہاں شیعوں کی اکثریت ہے؟

تاریخی شواہد کی بنیاد پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی عوام پہلی صدی سے لے کر ساتویں صدی تک آہستہ آہستہ اسلام لے آئے۔ ہر دفعہ ایک مخصوص کیفیت اور مخصوص واقعہ کی بنا پر ایسا ہوتا تھا جس کے اثرات کافی متاثر کن ہوا کرتے تھے۔ اب آپ درج ذیل کے مناظرے پر توجہ فرمائیں۔

زرتشتی: ''میری نظر میں ایرانیوں نے چار وجوہات کی بنا پر تشیع اختیار کیا۔

۱۔ ایرانیوں نے اپنی موروثی سلطنت پسندی اور حکومت طلبی کی وجہ سے موروثی امامت کو پسند کیا۔

۲۔ ایرانی قوم پہلے ہی سے اس بات کی معتقد تھی کہ سلطنت وحکومت الٰہی تحفہ ہوتا ہے ان کا یہ عقیدہ شیعوں کے عقیدے سے میل کھاتا تھا۔

۳۔ سامانیوں کے آخری ''یزدگرد'' کی بیٹی ''شہربانو'' سے امام حسین علیہ السلام کی شادی بھی ایرانیوں کے شیعہ ہونے میں کافی اثر انداز رہی۔

۴۔ عربوں کے مقابلے میں ایرانیوں کا نفسیاتی ردعمل شیعیت تھا تاکہ وہ اس کے زیر پردہ اپنے زرتشتی اعمال کو انجام دے سکیں۔ (۱)

شیعہ: ''ایرانیوں کے شیعہ ہونے میں ان چاروں اسباب میں سے ایک بھی سبب درست نہیں ہے۔ کیونکہ ایران میں تشیع کی بنیاد سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے

---

(۱) اس طرح کی باتیں دو گروہ کرتے ہیں، متعصب سنی، ایرانی یعنی مغلوم

میں پڑ چکی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بنی ہاشم اور کچھ اصحاب جیسے سلمانؓ حضرت ابوذرؓ حضرت مقدادؓ و حضرت عمارؓ وغیرہ کا ایران سے ربط تھا۔

ساسانیوں کے ظلم وستم کی تاریخ اور اس زمانے کے حالات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایرانی عوام اس موروثی سلطنت سے پریشان ہو چکے تھے اور وہ ایک جامع اور عادلانہ نظام کی تلاش میں تھے جو انہیں ناانصافیوں سے چھٹکارا دلا سکے۔

ممکن ہے کہ امام حسین علیہ السلام اور جناب شہر بانو کی شادی ایرانی تشیع پر تھوڑا بہت اثر انداز ہوئی مگر اس اساسی سبب قرار دینا غلط ہے۔

زرتشتی: "اگر ایران میں تشیع کے یہ چار اسباب نہ تھے تو وہ کون سے عوامل تھے جن کی بنا پر ایران میں تشیع کی جڑیں اتنی گہری اور مضبوط ہو گئیں۔

شیعہ: "اس کی بڑی لمبی داستان ہے خلاصہ کے طور پر درج ذیل گیارہ مرحلوں میں اس کی توضیح کی جا سکتی ہے۔

۱۔ قرن اول کے نصف اول دور میں ایرانی' اسلام سے آشنا ہوئے کیونکہ وہ ساسانی حکمرانوں کے ظلم وجور سے تنگ آ گئے تھے اور ایک مکمل اور عادلانہ نظام کے منتظر تھے۔

اس مرحلے میں جناب سلمان فارسیؓ کا کردار بنیادی حیثیت کا حامل تھا جنہوں نے ساسانیوں کے دارالحکومت مدائن کو مرکز تشیع قرار دے دیا تھا۔ جناب سلمان فارسیؓ نے اسلام کے تعارف کے لئے حضرت علی علیہ السلام کو اختیار کیا تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گم نہ کر دیں' اور ایرانیوں نے اسلام کو بہتر پہچاننے کیلئے جناب سلمانؓ کا انتخاب کیا تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کو گم نہ کر دیں۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام کو کوفہ میں عادلانہ حکومت جہاں ایرانیوں کا آنا جانا ہوتا رہتا تھا آپ کے عدل پسندانہ طرز حکومت اور مساوات کے طریقوں نے ان ایرانیوں کو محبت آل رسول کی طرف جذب کر لیا اور وہ اس طرح سے حقیقی اسلام سے آشنا ہو گئے۔

۳۔ امام حسین علیہ السلام کا قیام اور ان کے پیغامات بھی ایسے عوامل تھے' جن کی وجہ سے ایرانیوں نے بنی امیہ کو اپنے ساسانی حکمرانوں سے الگ نہ پایا اور انہوں نے یہ جان لیا کہ یہ بھی ویسی ہی ظالم وجابر حکومت ہے' لہٰذا وہ خود بخود اہل بیت علیہم السلام کی طرف کھنچتے چلے گئے اس کے

بعد غم انگیز واقعہ کربلا ایک ایسا نور کا جھما کا تھا جو ان کے دلوں کو اہل بیت علیہم السلام کی محبت سے منور کر گیا۔

۴۔ امام صادق علیہ السلام کی عظیم علمی اور ثقافتی تحریک کہ جس میں چار ہزار شاگرد شامل تھے اور سب کے سب تشیع کے عظیم مبلغ تھے۔ یہ ایک اور مرحلہ تھا جس کی بنا پر ایرانیوں کے دلوں میں تشیع کی بنیادیں مزید مضبوط ہوتی چلی گئیں، کیونکہ کوفہ، مدائن سے نزدیک تھا اور بصرہ ایران کی سرحد تھی لہٰذا حضرت امام صادق ؑ کے بہت سے شاگرد انہیں اطراف کے تھے جو شیعی طرز تفکر کی تبلیغ کرتے تھے اور اس کی نشر و اشاعت میں بڑی محنت کرتے تھے۔

۵۔ قم وہ مرکز بن چکا تھا جہاں عراق کے جابر حکمرانوں سے بھاگ کر شیعہ پناہ لیتے تھے۔ ایران میں تشیع کے پھیلاؤ میں اس کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔

۶۔ امام رضا علیہ السلام کا مدینہ سے خراسان کا سفر اور ان کی علمی وثقافی نہضت بھی انہیں اسباب میں سے تھے کیونکہ مامون شیعہ ہو چکا تھا اور اس نے امام رضا علیہ السلام کو سنیوں کے بڑے بڑے علماء سے بحث و مناظرہ کرنے کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جب امام رضا علیہ السلام نے اساس اسلام کے بیان میں حدیث "سلسلۃ الذہب" بیان کی تو بیس ہزار یا ایک روایت کے مطابق چوبیس ہزار راویوں نے آپ سے یہ حدیث سنی اور اسے لکھا۔

جبکہ اس زمانے میں پڑھنے لکھنے والوں کی تعداد نہ پڑھنے اور لکھنے والوں کے مقابلے میں بہت کم تھی، جب وہاں موجود مجمع میں ۲۴ ہزار افراد لکھنے پر قدرت رکھتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عام مجمع اس سے کئی گنا زیادہ تھا۔

۷۔ حجاز سے مختلف امام زادے اور امام رضا علیہ السلام کے خاص احباب کا سفر بھی انہیں اسباب میں سے ہے۔ یہ لوگ امام رضا علیہ السلام کے عشق میں مدینہ وغیرہ سے ہجرت کر کے ایران آگئے تھے اور بعد میں ایران کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے تھے۔ ایران میں اس طرح بھی شیعیت بہت تیزی سے پھیلی۔

۸۔ ایران میں شیعوں کے بزرگ علماء کا وجود جیسے شیخ کلینی، شیخ طوسی، شیخ صدوق، شیخ مفید وغیرہ یہ سب اسلام حقیقی یعنی شیعیت کی بنیادوں کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اسے پھیلانے میں پورے

خلوص اور جدو جہد سے عملی اقدامات کرتے تھے، جس کی وجہ سے ایران میں مذہب جعفری کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئیں اس کے علاوہ حوزہ علمیہ نجف کی تشکیل نے بھی شیعیت کو کافی فروغ دیا۔

۹۔ آل بویہ (دیالمہ) کی حکومت نے جو شیعہ تھا ۴ اور ۵ صدی کے دوران سیاسی اعتبار سے بہت اہم کردار ادا کیا ہے اس کی حکومت نے ایران میں شیعیت کو کافی استحکام بخشا اور اس مذہب کے لئے بڑے نفع بخش کام انجام دیئے۔

۱۰۔ آٹھویں صدی کے اوائل میں سلطان بندہ کا علامہ حلی کے ہاتھوں شیعہ ہو جانا بھی ایران میں قانونی طور پر شیعیت رائج ہونے کا سبب بنا، اسی دور میں شیعیت نے اپنے استحکام کی طرف ایک نہایت مضبوط قدم بڑھایا۔

اسی زمانے میں علامہ حلی کا حوزہ علمیہ اور ان کی مختلف کتابیں بھی اس مذہب کی تبلیغ میں حصہ دار تھیں ان کے اس اہم کردار کو فراموش کرنا ممکن نہیں ہے۔

۱۱۔ دسویں اور گیارویں صدی میں صفوی حکومت کا ظہور اور ان کے ساتھ شیعہ کے مختلف بزرگ علماء کا وجود جیسے علامہ مجلسی، میر داماد، شیخ بہائی یہ بھی شیعیت کے لئے ایک سنہرا دور گزرا ہے۔

یہ تمام عوامل اپنی جگہ پر بڑی اہمیت کے حامل ہیں، جن کی وجہ سے ایران میں شیعیت کی بنیاد پڑی اور دیکھتے دیکھتے پورے ایران کو اس نے اپنے اثر میں لے لیا۔

زرتشتی: ''ایرانیوں کے تشیع میں صرف بیرونی عوامل کارفرما تھے یا اندرونی یا دونوں؟

شیعہ: ''ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ دونوں عوامل اس میں شریک ہیں کیونکہ ایک طرف سے تو ایرانی عوام ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے بے چین تھے اور مختلف بادشاہوں کے ظلم و جور سے وہ پریشان ہو کر ایک عادلانہ نظام کے متلاشی تھے۔ ایسے نظام کے، جن میں استحصال و غارت گری کا وجود نہ ہو، لہٰذا ان وجوہات کی بنا پر ایرانی، اندرونی طور سے اس طرح کے نظام کے خواہاں تھے، دوسری طرف خارجی طور سے انہوں نے عدل و پاکی سے آراستہ اور نہایت عالم و مقدس رہبروں کے سائے میں ایک دین جو تشیع تھا دیکھا، لہٰذا وہ اس کی طرف کھنچتے چلے گئے۔

ایرانی قوم ایک مکمل آئین اور ایک مکمل عادلانہ نظام کو امام علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کے سائے میں دیکھتے تھے اور ان کے مخالفین کے پاس اس آئین و نظام کے خلاف ایک نیا

آئین پاتے تھے لہٰذا اس بنا پر اندرونی اور بیرونی عوامل نے ایک ساتھ مل کر ایرانیوں کے درمیان ایک عظیم الٰہی انقلاب برپا کر دیا اور ان لوگوں نے اسلام کی بہترین راہ یعنی تشیع کو اختیار کیا اسی وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"اسعد العجم بالاسلام اهل فارس"

"اسلام کے ذریعے سب سے زیادہ کامیاب ہونے والے عجم اہل فارس ہیں"(۱)

اسی طرح آپ نے فرمایا ہے۔

"اعظم الناس نصیباً فی الاسلام اهل فارس"

"مسلمانوں کے درمیان سب سے زیادہ اسلام میں حصہ دار اہل فارس ہیں"(۲)

---

(۱) کنز العمال، حدیث ۳۴۱۲۵

(۲) وہی ماخذ حدیث ۳۴۱۲۶

قرآن کی بعض آیتوں کے درمیان ظاہری اختلاف کے متعلق ایک مناظرہ

شاگرد: "میں جب قرآن پڑھتا ہوں تو اس کی بعض آیتوں کا دوسری بعض آیتوں کے ساتھ مقائسہ کرتا ہوں لیکن میں ان کے درمیان تضاد اور اختلاف پاتا ہوں، اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا ممکن ہے کہ کلام خدا میں اختلاف پایا جائے؟"

استاد: "خدا کے کلام میں اختلاف ناممکن ہے اور قرآن کی تمام آیتوں کے درمیان کسی طرح کا تضاد نہیں پایا جاتا لہٰذا ہم خود سورہ نساء کی ۸۲ ویں آیت میں پڑھتے ہیں۔

"ولو کان من عند غیر الله فیه اختلافاً کثیرًا"

"اگر قرآن غیر خدا کے پاس ہوتا تو وہ لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔"

یہ قرآن کی حقانیت کی ایک دلیل ہے کہ اس کی تمام آیتوں میں کسی طرح کا کوئی تضاد اور اختلاف نہیں پایا جاتا اور یہی اختلاف نہ پایا جانا اس کے معجزہ ہونے کی سند ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کسی بشر کی فکری صلاحیتوں کا نتیجہ نہیں ہے اور یہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

شاگرد: ''تو پھر میں کیوں بعض آیتوں کو پڑھتے وقت اس طرح کا احساس کرتا ہوں جبکہ آپ کہہ رہے ہیں کہ اس میں اختلاف ممکن نہیں ہے؟''

استاد: ''تم ان آیتوں کے ایک دو نمونے بتاؤ جن میں تمہارے خیال میں تضاد و اختلاف پایا جاتا ہے تاکہ اس طرح تحقیق ہو سکے اور بات واضح ہو جائے۔''

شاگرد: ''مثال کے طور پر دو نمونے ذکر کرتا ہوں۔

ا۔ قرآن نے بعض مقامات پر انسان کی قدر و منزلت کو اتنا بڑھایا ہے کہ اس نے کہا ہے

''فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین''

اور جب میں اسے برابر کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم لوگ سجدہ ریزہ ہو جانا۔ (سورہ صاد ۷۲ و سورہ حجر ۲۹)

لیکن بعض آیتوں میں قرآن نے اس طرح انسانوں کے مقام کو پست بتایا ہے کہ جانوروں کو بھی ان سے بلند مقام پر بتا دیا ہے جیسا کہ ہم سورہ انعام میں پڑھتے ہیں۔

''ولقد ذرانا لجهنم كثيراً من الجن والانس لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم اضل اولئك هم الغافلون''

''ہم نے بہت سے جن وانس کے گروہوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو دل رکھتے ہیں مگر اس سے کچھ سمجھتے نہیں اور انکے پاس آنکھیں ہیں، مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان ہیں، مگر وہ ان سے سنتے نہیں یہ لوگ چوپائے بلکہ اس سے بھی بدتر ہیں اور وہی لوگ غافل ہیں۔''

استاد: ''ان دونوں آیتوں کے درمیان کسی طرح کا کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان دونوں آیتوں نے انسانوں کو دو گروہ میں بانٹ دیا ہے، اچھے اور برے جو لوگ اچھے ہیں وہ اتنے زیادہ مقرب بارگاہ ہیں کہ اللہ ان کے سامنے اپنے فرشتوں کو سجدے کا حکم دیتا ہے مگر ان کے علاوہ کچھ ایسے

لوگ بھی ہیں جو جانوروں سے بھی بدتر ہیں، اور عقل جیسے گراں بہا نعمت کی موجودگی میں چوپایوں جیسی حرکتیں کرتے ہیں۔

لہٰذا اس بنا پر جو پہلی آیت میں انسانوں کی اتنی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے وہ مثبت استعداد رکھنے والوں کی بات ہے جو اپنی عقل کو صحیح طور سے کارفرما کر کے سعادت و بلندی کے بلند ترین مقام پر پہنچ جاتے ہیں، اور دوسری آیت ان لوگوں سے مربوط ہے جو اپنے اندر موجود منفی قوتوں کے زیر اثر ہو جاتے ہیں، جو اپنے اندر اتنی ساری صلاحیتوں اور خصوصیتوں کے باوجود خود کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور چوپایوں کے طور طریقے اپنا لیتے ہیں۔"

شاگرد: "میں آپ کے قانع کنندہ بیان کا بہت شکر گزار ہوں اگر آپ اجازت دیں تو دوسرا نمونہ بھی عرض کروں؟"

استاد: "کہو کوئی بات نہیں"

شاگر: "۲۔ سورہ نساء کی تیسری آیت میں ہم پڑھتے ہیں۔

----فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث و رباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة

"پاک عورتوں سے نکاح کرو، دو کے ساتھ تین کے ساتھ چار کے ساتھ لیکن اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ تم عدالت نہیں کر پاؤ گے تو ایک سے نکاح کرو۔"

اس آیت کے مطابق اسلام میں عدالت کی مراعات کرنے کی صورت میں ایک ساتھ چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن ہم اسی سورہ کی ۱۱۹ ویں آیت میں پڑھتے ہیں۔

"ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم"

"تم کبھی بھی عورتوں کے درمیان عدالت نہیں کر سکتے بھلے تم کوشش ہی کیوں نہ کرو۔"

لہٰذا پہلی آیت کے مطابق کئی بیویاں رکھنا جائز ہے، البتہ بشرط عدالت، مگر دوسری آیت کے مطابق بیویوں کے درمیان عدالت ممکن ہی نہیں، تو کیا ان دونوں آیتوں کے درمیان ایک طرح کا اختلاف نہیں ہے؟"

استاد: "اتفاق سے یہی بات امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں منکران خدا جیسے ابن ابی العوجا جیسے لوگوں کی جانب سے اٹھائی گئی تھی۔ ہشام بن حکم نے امام سے اس اعتراض کا جواب

حاصل کیا اور ان اعتراض کرنے والوں کو اس کا جواب دیا(۱) وہ جواب یہ ہے

پہلی آیت میں عدالت سے مراد رفتار و کردار میں انصاف کی رعایت کرنا ہے یعنی تمام بیویوں کے حقوق برابر ہیں اور سب سے ظاہراً ایک جیسا برتاؤ کرے۔ لیکن دوسری آیت میں عدالت سے مراد قلبی لگاؤ اور محبت میں عدالت کا خیال کرنا ہے، جو ناممکن سی طاقت ہے لہذا ان دونوں آیتوں میں تضاد نہیں ہے۔ اگر کوئی ظاہری طور سے اپنی باتوں اور اپنے کردار سے چار بیویوں کے درمیان عدالت قائم کرسکتا ہو لیکن محبت اور دلی لگاؤ میں عدالت کا پاس نہ کرسکتا ہو تو اس کے لئے چار بیویوں کا رکھنا جائز ہوگا۔"

شاگرد: "ہم ان دونوں آیتوں میں کیوں عدالت کے دو معنی مراد لیں جبکہ عدالت کا ایک ہی معنی ہوتا ہے۔"

استاد: "ادبی لحاظ سے اگر کسی معنی کے لئے قرینہ موجود ہو تو اس معنی کو ظاہری نہ لیتے ہوئے دوسرے مجازی اور باطنی معنی پر منطبق کیا جا سکتا ہے، ان دونوں آیتوں میں واضح قرینہ موجود ہے کہ پہلی والی آیت میں عدالت سے مراد ظاہری رفتار و کردار ہے اور دوسری میں باطنی، جیسا کہ ظاہر آیت سے یہی بات واضح ہوتی ہے لیکن دوسری آیت میں اس کے بعد ہم پڑھتے ہیں۔

"ولا تملوا کل المیل فتذروھا کالمعلقه" "اپنے تمام میلان کو ایک ہی بیوی کی طرف نہ متوجہ کردو کہ اس کے نتیجے میں دوسری بیویوں کو یوں ہی بلاوجہ چھوڑ دو گے۔"

اس جملے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ تم عورتوں کے درمیان عدالت نہیں قائم کر سکتے؛ اس سے مراد وہ عدالت ہے جو قلبی لگاؤ اور رجحانات میں ہوتی ہے اور ظاہری بات ہے کہ اس طرح کی عدالت ناممکن ہے یعنی کوئی شخص اگر چار بیویوں کا شوہر ہوگا تو یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ چاروں کو ایک ہی مقدار میں دوست رکھے اور ان سب سے برابر کی محبت کرے البتہ یہ ممکن ہے کہ وہ چاروں سے ایک جیسا سلوک کرے۔ (۲)

---

(۱) تفسیر برہان، ج۱، ص۲۲۰

(۲) کیونکہ ظاہری بات ہے اسلامی احکام صرف وہاں تک قابل اجراء ہوتے ہیں جہاں تک انسان کا اختیار ہو اور عمل یا عدم عمل پر اسے قابو ہو جہاں تک محبت اور دلی تعلق کا سوال ہے تو یہ ایک اضطراری عمل ہے اور اسی کا تعلق احساساتی پہلوؤں سے ہوتا ہے اور انسان اپنے احساس اور قلبی محسوسات پر قادر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسلام میں چار بیویوں کے درمیان ظاہری طور پر عدالت کا لحاظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ اسی طرح فساد اور لڑائی کا امکان پایا جاتا ہے۔

لہٰذا ان دونوں آیتوں میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔

شاگرد: ''میں آپ کے اس قانع کنندہ اور مدلل بیان سے مطمئن ہو گیا آپ کا شکریہ۔''

امام زمانہ کے ۳۱۳ مددگاروں کے متعلق ایک مناظرہ

مختلف روایتوں میں الفاظ کے فرق کے ساتھ یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ امام کے وہ اصحاب جو ظہور کے وقت خانہ کعبہ میں آپ کے ہاتھوں بیعت کریں گے جب دنیا میں آ جائیں گے تو امام ظہور کریں گے اور امام انہیں کے انتظار میں ہیں، وہ اپنے زمانے کے پہلے انسان ہوں گے جو اپنے امام کے ہاتھوں بیعت کریں گے۔ ان کی بیعت امام کے ظہور کے ساتھ ہی ہو گی اور وہ امام کے علمدار ہوں گے اور پوری زمین پر حضرت حجت کی طرف سے منصوب شدہ حاکم ہوں گے۔

اب انہیں کے سلسلے میں آپ درج ذیل کے مناظرہ پر توجہ فرمائیں۔

متلاشی: ''برائے کرم مجھے امام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ۳۱۳ اصحاب کے متعلق وارد ہونے والی حدیث بتائیں؟

محقق: ''یہ حدیث مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے یہ کوئی ایک حدیث نہیں ہے بلکہ بیسوں حدیثیں ہیں جو سب کی سب امام کے تین سو تیرا اصحاب کے بارے میں منقول ہوئی ہیں۔ ان کے نقل کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تواتر معنی کی حدوں تک پہنچ چکی ہیں یعنی امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے وقت ۳۱۳ افراد کا ان سے ملحق ہونا اس قدر مشہور ہے کہ اس شہرت سے اس کے وقوع کا علم پیدا ہو جاتا ہے اور یہ بات ناممکن ہو جاتی ہے کہ اتنے سارے لوگوں نے جھوٹ بول کر اسے نقل کیا ہو اور اس حدیث کے لئے اتنی بڑی سازش ہوئی۔

متلاشی: ''کوئی بات نہیں جیسا کہ مولانا کی مثنوی میں ہے''

آب دیارا اگر نتوان کشید   پس بہ قدر تشنگی باید چشید

لہٰذا ان احادیث کے ایک دو نمونے ہی پیش کر دیں؟

محقق: ''سورہ ھود کی آیت ۸۰ کی تفسیر کے وقت آیا ہے کہ جناب لوط نے اپنی سرکش قوم

خریف کے بادل وہ سب ایک دوسرے کے پاس جمع ہو جائیں گے۔"(۱)

اسی طرح ان کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دور دراز شہروں اور ملکوں سے مکہ آئیں گے۔(۲) اور امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ذی طوی (مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر) ان ۳۱۳ افراد کے انتظار میں توقف کریں گے' یہاں تک کہ وہ لوگ آپ کی خدمت میں پہنچ جائیں گے اور امام علیہ السلام ان کے ساتھ کعبہ تک آئیں گے(۳) وہ لوگ پہلے انسان ہوں گے جو امام علیہ السلام کی بیعت کریں گے۔(۴)

وہ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ساتھ ساتھ غیبی امداد سے مالا مال ہوں گے اور دست خدا اور امام علیہ السلام کا سایہ ان کے سروں پر سایہ فگن ہوگا۔

جیسا کہ امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

"گویا میں تمہارے "صاحب" (امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کو دیکھ رہا ہوں جو تین سو اور کچھ افراد کے ساتھ کوفہ کے پیچھے سے نجف آ رہے ہیں داہنے طرف جبرائیلؑ اور بائیں طرف میکائیلؑ ہیں اور اسرافیلؑ ان کے سامنے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچم کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اس پرچم کو مخالفوں کے جس گروہ کی طرف جھکا دیتے ہیں اللہ انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔(۵)

متلاشی: "امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے اصحاب کے بارے میں کیوں "رجال" یعنی مردوں کا لفظ استعمال ہوا ہے' کیا ان کے اصحاب میں عورتیں نہیں رہیں گی؟ کیا عورتیں اس نہضت میں بالکل حصہ نہیں لیں گئیں؟"۔

محقق: "یہ جو اکثر مردوں کی بات آتی ہے اس لیے کیونکہ ظہور کے ابتدائی ایام میں صرف جنگ و جہاد کی باتیں ہوں گی لہٰذا مردوں کی ہی بات ہوتی ہے کیونکہ میدان جنگ میں بھی جائیں گے لیکن عورتیں محاذ کے علاوہ محنت کریں گئیں اور ان مجاہدوں کی خدمت کر کے وہ بھی جہاد کریں گئیں۔

---

(۱) نور الثقلین' ج ۱' ص ۱۳۹

(۲) اثبات الهداة' ج ۷' ص ۱۷۶

(۳) وہی مصدر ص ۹۲

(۴) بحار ج ۵۲' ص ۳۱۶

(۵) اثبات الهداة' ج ۷' ص ۱۱۳' اعیان الشیعہ' طبع جدید' ج ۲' ص ۸۲

اور جہاں تک ان ۳۱۳ اصحاب کا سوال ہے تو بعض روایتوں کے مطابق ان میں عورتیں بھی ہوں گی جیسا کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

"ویجی واللہ ثلاث مائة و بضعة رجلا فیهم خمسون امرئة بمكة علی غیر میعاد قزعا كقزا الخریف" خدا کی قسم تین سو اور کچھ افراد آئیں گے جن میں سے پچاس عورتیں ہوں گی جو سب مکہ کے پاس خریف کے بادلوں کی طرح بغیر کسی طے شدہ منصوبے کے تحت جمع ہو جائیں گے۔(۱)

مفضل سے نقل ہوا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ساتھ تیرہ عورتیں ہوں گی۔

میں نے کہا۔"یہ عورتیں امام علیہ السلام کے پاس کیوں ہوں گی؟"

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا۔"یہ مجروحوں کا علاج کریں گی اور جنگی مریضوں کی تیمارداری کریں گی جیسا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مختلف جنگوں میں عورتیں اس طرح کام انجام دیا کرتی تھیں۔"(۲)

متلاشی:"امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے عالمی قیام کی نسبت سے یہ تعداد بہت کم ہے؟

محقق:"یہ اصحاب ابتداء ہی میں امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف سے ملحق ہو جائیں گے لیکن اس کے بعد دھیرے دھیرے سے آپ کے اصحاب کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔"

واضح عبارت میں یوں کہا جائے کہ یہ امام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے وہ خاص اصحاب ہوں گے جو آپ کی عالمی حکومت کے مرکزی ارکان ہوں گے مثلاً ایک روایت میں آیا ہے

"۳۶۰ الٰہی و کامل اشخاص حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت کریں گے وہ امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے وزراء اور آپ کی عالمی حکومت کے خاص ارکان ہوں گے۔"

اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا۔

---

(۱) بحار' ج ۵۲' ص ۲۲۳' اعیان الشیعہ طبع جدید' ج ۲' ص ۸۴

(۲) اثبات الھداۃ' ج ۷' ص ۱۵۰ و ۱۷۱

''روم کو فتح کرنے میں امام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ستر ہزار اصحاب تکبیر کہتے ہوئے شرکت کریں گے پہلی ہی تکبیر کی گرج کے ساتھ وہ ایک تہائی روم کو فتح کرلیں گے اور دوسری تکبیر کی گرج کے ساتھ دوسرا ایک تہائی حصہ فتح ہو جائے گا اور تیسری تکبیر کے ساتھ ہی پورا روم فتح ہو جائے گا(۱)

یا دوسری روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام کے متعلق چند روایتیں پیش خدمت ہیں۔

۱۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

''ان القائم صلوٰات اللہ علیہ ینادی باسمہ لیلۃ ثلاث و عشرین ' ویقوم یوم عاشورہ یوم قتل فیہ الحسین''

''بلا شبہ قائم صلوٰات اللہ علیہ کو ان کے نام سے (رمضان کی) ۲۳ ویں شب کو ندا دی جائے گی اور عاشورہ امام حسین علیہ السلام کے شہادت کے روز آپ کا قیام ہوگا۔''(۳)

۲۔ امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

''اذا قام قائمنا اذہب اللہ عزوجل عن شیعتنا العاھۃ و جعل قلوبھم کزبر الحدید و جعل قوۃ الرجل منھم قوۃ اربغین رجلا ویکونون حکام الارض و سامھا''

''جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو خداوند کریم تمام آفتیں اور وحشتیں ہمارے شیعوں سے دور کردے گا اور ان کے دلوں کو فولاد کی طرح مضبوط کردے گا اس وقت ایک آدمی کی طاقت چالیس آدمیوں کے برابر ہو جائے گی وہ لوگ تمام دنیا کے حاکم اور سردار ہوں گے۔''(۴)

۳۔ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

''فاذا وقع امرنا و خرج مھدینا' کان احدھم اجری من الیت وامضی من السنان ' ویطاعد ونا بقدمیہ و یقتلہ بکفیہ''

---

(۱) المجالس السنیہ (سید محسن جبل عاملی)' ج ۵ ص ۷۱۱ و ۷۲۳ و ۷۲۴

(۲) بحار' ج ۵۲' ص ۳۹۰

(۳) ارشاد مفید' ص ۳۴۱' بحار' ج ۵۲' ص ۲۹۰

(۴) بحار' ج ۵۲ ص ۳۱۷

"جب ہمارا امر واقع ہو جائے گا تو ہمارا ہر شیعہ شیر سے زیادہ جرات مند ہو جائے گا اور نیزے سے زیادہ تیز ہو جائے گا' وہ اپنے پیروں سے ہمارے دشمن کو پامال کر دے گا اور اپنی ہتھیلیوں سے انہیں مار ڈالے گا۔" (۱)

۳۔امام صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

"لتعدن احد کم لخروج القائم لو سهما"

تم لوگوں کو امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور کے لئے تیاری کرنا چاہیے بھلے ہی ایک ایک تیر کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔" (۲)

آپ نے اسی سلسلے میں یہ حدیث بھی فرمائی۔

"یذل له کل صعب"

"تمام مشکلات اس کے لئے آسان ہو جائیں گئیں۔" (۳)

---

(۱) اثبات الهداة' ج ۷' ص ۱۱۳

(۲) غیبۃ النعمانیہ' ص ۱۷۲

(۳) بحار' ج ۵۲' ص ۳۸۳

ایک استاد کا علامہ امینی سے مناظرہ

اسلام کے عظیم عالم علامہ امینی ایک دن بغداد کے ایک بازار سے گزر رہے تھے وہاں ان کی ایک ایسے شخص سے ملاقات ہو گئی جس کی ظاہری حالت سے لگ رہا تھا کہ وہ نہایت پڑھا لکھا اور صاحب تحقیق و مطالعہ ہے جیسے ہی اس نے علامہ کو دیکھا ویسے ہی ان کے پاس آ کر سلام کیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس ایک سوال ہے آپ، اس کا جواب عنایت کریں؟

علامہ: "فرمایئے۔"

استاد نے اپنا سوال یہ کہتے ہوئے شروع کیا۔ "حضرت علی علیہ السلام کے لیے آپ لوگ جن فضائل کا ذکر کرتے ہیں ان میں سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی ہے۔

"علی مع الحق والحق مع علی یدور معه حیث ما دار"

"علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے جیسے علیؑ چلتے ہیں یہ حق بھی انھیں کے ساتھ چلتا ہے۔"

لیکن یہی روایت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی عمار یاسر کے بارے میں بھی وارد ہوئی ہے لہٰذا یہ تو حضرت علی علیہ السلام کی کوئی فضیلت نہ ہوئی۔"

علامہ: "تم کیا کرتے ہو؟"

استاد: "میں بغداد کے ایک اسکول میں ادب کا استاد ہوں۔"

علامہ: "اچھی بات ہے چونکہ تم ادب کے استاد ہو لہٰذا تمہارے ساتھ بحث ہو سکتی ہے تمہارے سوال کا یہ جواب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے جہاں جہاں علیؑ جائیں حق بھی وہیں جائے گا اس طرح سے روایت نے حضرت علی علیہ السلام کو حق کا محور اور مدار قرار دیا ہے اور اس بات کا تمہیں علم ہوگا کہ اگر یہ بات اس کے برعکس ہوتی یعنی اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہا ہوتا کہ جہاں حق جائے گا علیؑ وہاں جائیں گے تو دوسری بات ہوتی اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کا محور اور مدار حق کو قرار دیا ہوتا تو اتنی اہمیت نہ ہوتی اور آپ نے جو دوسروں کے بارے میں اس طرح کی حدیث فرمائی ہے تو اس میں حق کو ان کا محور قرار دیا ہے نہ یہ کہ ان کو حق کا محور قرار دیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی حدیث میں نہ عمار کو اور نہ کسی اور صحابی کو حق کا مدار قرار دیا ہے یہ تو صرف حضرت علی علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔

وہ استاد اس بہترین مستدل بات سے قائع ہو گیا ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اسے اس کی گمشدہ چیز مل گئی ہو اس نے علامہ امینی کا شکریہ ادا کیا اور چلا گیا۔(۱)

---

(۱) علامہ امینی نے اس حدیث کو غدیر ج ۳ ص ۱۷۶ سے ۱۷۹ تک نقل کیا ہے

علامہ بحر العلوم کا مکہ کے امام جمعہ سے مناظرہ اور اس کا شیعہ ہونا

علامہ سید محمد مہدی معروف بہ علامہ بحر العلوم (متوفی سن ۱۲۱۲ھ) شیعوں کے بزرگ علماء میں سے تھے اور نہایت نیک اور صالح عالم تھے۔ ہجرت کی تیرہویں صدی کے یہ عظیم عالم کربلا اور نجف میں رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ حج کرنے مکہ گئے اور وہاں دو سال رہے مگر یہاں انہوں نے کسی کو اپنے بارے میں نہیں بتایا اور ان لوگوں کے درمیان تقیہ کر کے رہنے لگے یہاں تک کہ سنیوں نے انہیں اپنا ہی کوئی عالم سمجھنا شروع کر دیا۔

اس مدت میں علامہ نے بہت سے علماء سے جان پہچان پیدا کر لی' یہاں تک کہ حجاز کے علماء سے ان کے روابط اتنے زیادہ بڑھ گئے کہ وہ لوگ علامہ کے پاس آتے اور آپ بھی ان کے یہاں جاتے اور علمی بحث و مباحثے' نشستوں کی صورت میں ہوا کرتے۔ وہاں کے امام جمعہ سے علامہ کی بہت گہری دوستی ہوگئی۔ ایک دن علامہ بحر العلوم اس امام جمعہ کے گھر گئے تو دیکھا کہ وہ اپنی لائبریری میں مطالعہ کر رہا ہے۔ علامہ نے تھوڑی دیر تک ان کتابوں کو دیکھا اس کے بعد اس سے پوچھا۔ ''یہ کیسی کتابیں ہیں؟''

امام جمعہ نے جواب دیا۔

''ایسی کتابیں ہیں جن کے نفوس خواہش مند ہوتے ہیں اور جن سے آنکھیں لذت کا احساس کرتی ہیں۔''

علامہ نے کہا۔ ''کیا تمہارے پاس وہ کتاب ہے جسے ابوحنیفہ نے تالیف کیا ہے جو رجال ابوحنیفہ کے نام سے معروف ہے؟''

امام جمعہ: ''نہیں میری لائبریری میں یہ کتاب موجود نہیں ہے لیکن میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔''

علامہ: ''ابوحنیفہ نے اس کتاب میں لکھا ہے۔ ''میں نے جعفر بن محمد (امام صادق علیہ

السلام) سے پڑھا ہے۔ میں ہر روز ان کے بیکراں علمی چشمے سے سیراب ہوتا تھا مختلف مسائل کے متعلق سوالات کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے ستر مسائل یاد کر لئے تھے جو ان کی زبان سے نکلے تھے اسی طرح ان کے درس میں بہت سے علماء شریک ہوتے تھے اب تم بتاؤ کہ امام صادق علیہ السلام نے کتنے فرعی مسائل بیان کئے ہوں گے اور اسی طرح کتنے اساسی مسائل حل کیے ہوں گے اور اسی طرح اپنے ہر شاگرد کو کتنے سوالوں کے جواب دینے ہوں گے۔ جن کے بارے میں کسی کو کوئی علم ہی نہیں۔

جب علامہ نے اپنی بات ختم کی تو امام جمعہ گہری فکر میں ڈوب گیا اور جب علامہ اس کے گھر سے نکل کر اپنے گھر کی طرف چلے تو وہ بھی بڑے احترام اور عزت کے ساتھ آپ کے ساتھ ہولیا جب علامہ اپنے گھر پہنچ گئے تو آپ نے اس گھر کے اندر آنے کو کہا تو اس۔ نے جواب دیا۔

''میں آپ کے گھر نہیں آنا چاہتا تھا میں تو صرف آپ کے گھر کا پتہ جاننا چاہتا تھا۔''

اس کے بعد وہ امام جمعہ اپنے گھر چلا گیا۔

اس بات کو ایک سال گزر گیا یہاں تک وہ امام جمعہ مریض ہو گیا اس نے علامہ کو اپنے پاس بلوایا جب علامہ اس کے پاس پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ وہ عالم احتضار میں ہے اس کی زندگی ختم ہونے والی ہے اس نے علامہ کو اپنے پاس بلایا اور آپ کے کان میں کہنے لگا۔

''جس دن آپ نے امام صادق علیہ السلام کے بارے میں مجھ سے بات کی تھی اور آپ نے یہ کہا تھا کہ ابوحنیفہ نے اپنی کتاب میں ان کے بارے میں اسی طرح لکھا ہے' اسی دن میں شیعہ ہو گیا تھا لیکن اپنے مذہب کو چھپائے ہوئے تھا' اب آپ میرے وصی ہیں' جب میں مر جاؤں تو آپ میری تجہیز و تدفین شیعوں کے مطابق کریئے گا۔

اس کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

علامہ نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔

شیخ جمال ملص سے ایک مزیدار مناظرہ

سید عبد القادر، حاج عمر، حلبی سوری کہتے ہیں۔

سن ۱۳۵۹ھ ماہ رجب کے سترہویں دن مجھے ایک سنی تاجر نے مدعو کیا وہ نہایت نیک اور متدین شخص تھا اس کا نام عبداللہ طرابیشی تھا۔ میں نے اس کی دعوت قبول کی اور اس کے گھر پہنچ گیا۔ میں جیسے ہی وہاں پہنچا اس نے خوش آمدید کہتے ہوئے مجھے اپنے نزدیک ہی ایک جگہ پر بٹھالیا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک لحیم شحیم شخص (۱) نہایت ڈھیلا ڈھالا پیراہن پہنے اور بہت بڑا عمامہ لگائے ہاتھ میں ایک عصا لئے گھر میں داخل ہوا ہم نے اسے سلام کیا اور نہایت احترام کے ساتھ اسے بٹھایا کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہاں بیٹھے ہوئے اشخاص میں سے ''صبحی آفندی حماض'' نامی ایک شخص نے سوال کرلیا۔ ''حضور یمن والوں کا کیا مذہب ہے؟''

اس نے جواب دیا۔ ''وہ شیعہ' کافر' فاسق وفاجر ہیں ان کا قتل' ان سے جنگ اور انہیں شہر بدر کرنا واجب ہے کیونکہ وہ اہل بیت کو صحابہ سے افضل کہتے ہیں۔''

یہ سن کر میرے میزبان نے کھڑے ہو کر کہا۔ ''حضور یہ ہمارا مہمان شیعہ ہے۔'' اور اس نے میری طرف اشارہ کیا۔

اس شیخ نے مجھ سے سوال کیا۔ ''کیا واقعا تم شیعہ ہو؟''

میں نے کہا۔ ''ہاں مذہب جعفری کا پیرو ہوں جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اوصیاء اور عترت کا مذہب ہے کیا آپ مجھے کچھ پوچھنے کی اجازت دیں گے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ آپ ادب کا خیال رکھیں گے اور مجھے عدل، انصاف سے جواب دیں گے؟''

اس نے کہا۔ ''پوچھو لیکن مذہبی سوال ہونا چاہیے ورنہ میں تمہیں اپنے عصاء سے ماردوں گا۔''

مجھے اس کی حماقت پر بڑا تعجب ہوا لیکن میں نے پھر بھی بڑی نرمی سے اسے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''نہیں ہرگز نہیں اے شیخ ہم شیعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عترت کے اخلاق وآداب پر عمل کرتے ہیں انہوں نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہم کسی کو گالی نہ دیں۔ میں آپ سے صرف دینی' اخلاقی' انسانی اور اجتماعی سوالات ہی کروں گا۔

اس نے کہا۔ ''سوال کرو۔''

---

(۱) وہ علامہ کبیر واستاد اور دمشق کی بڑی شخصیتوں میں سے ایک تھا اس کا نام الشیخ جمال ملص دمشقی تھا۔

میں نے کہا۔ "خداوند عالم سورہ شوریٰ کی ۲۳ ویں آیت میں ارشاد فرماتا ہے۔

"قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ"

"تم ان سے کہہ دو کہ میں اجر رسالت کے طور پر صرف اپنے اقرباء سے مودت چاہتا ہوں۔"

یہ کون لوگ ہیں جن کی مودت امت پر واجب ہے؟

اس نے کہا۔ "اے بھائی یہ پنجتن پاک ہیں اس آیت میں قربیٰ سے مراد حضرت علیؑ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا' امام حسن و حسین شہید کربلا علیہم السلام مراد ہیں۔"

میں نے کہا۔ "شکریہ اے شیخ آپ نے دوسروں کی طرح حق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ جو حقیقت تھی اسے بتا دیا آپ نے واقعاً انصاف سے جواب دیا۔

پھر میں نے اپنا دوسرا سوال کیا۔ "نماز دین کا ستون ہے اور نماز گزار کے لیے عترت آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجنا واجب ہے خداوند عالم سورہ احزاب کی ۳۳ ویں آیت میں ارشاد فرماتا ہے۔

"انما یرید الله لیذهب عن کم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا"

تشہد میں ان پر صلوات واجب ہونے کا یہی مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام لوگوں سے افضل قرار دیا ہے لہٰذا جو بھی ان کے علاوہ کسی اور کو ان پر مقدم کرے وہ فاسق اور منحرف ہوگا کیونکہ اس نے اس طرح خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ شیعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں انہیں فاسق و فاجر کہا جا سکتا ہے؟" جنہوں نے علم و حکمت سے زمین کو بھر دیا ہو؟ کیا اخلاقی اعتبار سے ایسے لوگوں کو گالی دینا ان پر تہمتیں لگانا اور اس طرح کی باتیں ان سے منسوب کرنا صحیح ہوگا؟ وہ تو اپنے مذہب حق کی ترویج کرتے ہیں وہ اہل بیت علیہم السلام کو اصحاب کیا سب پر فضیلت دیتے ہیں کیونکہ خدا اور اس کے رسول نے ایسا ہی کیا ہے اب آپ بتائیں کہ کیا انہیں ان کے اس عمل کے لئے برا بھلا کہا جا سکتا ہے؟

نہیں ہرگز نہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے یہ لوگ تو تعریف کئے جانے کے قابل ہیں جو ان کی مضبوط آراء کی مخالفت کرے اور ان کے عقائد کو برا کہے وہ غلط کام کرتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو شیعہ تو کتاب اور سنت نبوی کی پیروی کرتے ہیں اور امام علی اور ان کی اولاد علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہیں جو جن وانس کے سردار ہیں جو حکمت کے چشمے' باعث نزول رحمت اور آئمہ حق ہیں ان کا پہلا آخر کی طرح ہوتا

ہے اور آخر پہلے کی طرح ہوتا ہے ان کی باتیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں ہوا کرتی ہیں اور رسول خدا کی باتیں ہوتی ہیں۔ شیعوں نے اپنا مذہب انہیں اہل بیت اطہار سے حاصل کیا ہے۔ انہوں نے غیروں سے کوئی تعلق نہیں رکھا' جیسے ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے اپنا مذہب اجنبی افراد سے حاصل کیا۔ کیا کوئی عاقل امام صادق علیہ السلام کو چھوڑ کر کسی اور کی پیروی کرے گا جو کہہ رہے ہیں۔

''مجھ سے میرے والد باقر علیہ السلام نے کہا کہ مجھ سے میرے والد سجاد نے کہا کہ مجھ سے میرے والد حسینؑ نے کہا کہ مجھ سے میرے بھائی حسنؑ نے کہا کہ مجھے سے میرے والد علی ابن ابی طالب (علیہم السلام) نے کہا کہ مجھ سے میرے چچازاد بھائی اور میرے حبیب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ مجھ سے میرے بھائی جبرائیل نے کہا کہ خدا نے فرمایا:......

لہٰذا شیعوں نے اپنا دین اس طرح سے حاصل کیا ہے اور ان کے علاوہ دوسروں نے ایسے لوگوں سے اپنا دین لیا ہے جن کے بارے میں سبھی کو معلوم ہے لہٰذا اے شیخ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر کہہ رہا ہوں کہ تم انصاف کرو اور خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو کہ کس کا مذہب زیادہ معتبر ہے۔

یہ سن کر شیخ نے فکرمندی سے اپنا سر جھکا لیا اور اس کے بعد اس نے مجھ سے اپنی بیہودہ باتوں کے لئے معافی مانگی مجھے چوما اور مجھ سے شیعوں کی بعض کتابیں مانگی' میں نے اپنے پاس سے کچھ کتابیں اسے دے دیں جن میں علامہ سید شرف الدین قدس سرہ کی کتاب ''المراجعات'' بھی تھی اس کے بعد میں نے حاضرین سے رخصت چاہی اور اپنے گھر واپس آ گیا اور وہ شیخ شکریہ کرتے ہوئے دمشق چلا گیا۔

کچھ ہی دنوں بعد اس نے میرے پاس تشکریوں اور تعریفوں سے بھرا ہوا ایک خط بھیجا جواب بھی میرے پاس محفوظ ہے اس خط میں مجھے اس نے بتایا وہ شیعوں کی طرف مائل ہے اور یہ مذہب اختیار کرنا چاہتا ہے۔(۱)

---

(۱) المناظرات' تالیف سید عبدالقادر حاج عمر حلبی سوری' ص ۱۲-۱۶

شیخ مفید (رہ) کا استاد رمانی کو منہ توڑ جواب

شیخ رمانی تیرہویں صدی ہجری کا اہل سنت کا ایک بہت بڑا عالم تھا اسے تدریس و تحقیق اور مناظرے میں مہارت حاصل تھی ۔اس کے درس میں بہت سے علما اور طلبہ شریک ہوتے تھے۔

شیعوں کے عظیم علماء اس وقت نوجوان تھے ۔ایک دن آپ اس کے درس میں آئے تو آپ نے دیکھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو پڑھانے میں مشغول ہے اور وہ بڑے دھیان سے اسکی باتیں سن رہے ہیں۔ شیخ مفید کہتے ہیں۔" میں بھی درس کے ختم ہونے کے انتظار میں بیٹھ گیا جیسے جیسے لوگ اس کے پاس سے ہٹتے گئے میں اس کے قریب ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے سنا کہ ایک آدمی اس سے غدیر اور غار کی حدیثوں کے متعلق سوال کر رہا ہے۔"اس کا سوال سن کر استاد رمانی نے کہا۔" جہاں تک غار کی خبر ہے وہ درایت ہے اور غدیر روایت ہے روایت کی وہ اہمیت نہیں ہوتی جو درایت کی ہوتی ہے یعنی درایت حتمی ہوتی ہے۔"

یہ سن کر وہ شخص اس کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا۔شیخ مفید کہتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر کہا۔"اے شیخ میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔" کہو" میں نے کہا۔" تم اسکے بارے میں کیا کہتے ہو جو امام عادل سے جنگ کرے" استاد رمانی نے کہا۔" وہ کافر ہوگا اسکے بعد اس نے اپنے قول کی تصحیح کرتے ہوئے کہا کہ وہ فاسق ہوگا۔"

شیخ مفید:" تم امیر المومنین علی علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

استاد رمانی:" وہ امام ہیں۔"

شیخ مفید:" تم جنگ جمل اور طلحہ و زبیر کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

استاد رمانی:" انہوں نے توبہ کر لی تھی۔"

شیخ مفید: جہاں تک جنگ جمل کی بات ہے تو یہ درایت (یعنی یقینی بات) ہے اور جہاں تک ان دونوں کی توبہ کا سوال ہے تو یہ روایت ہے (یعنی منقول ہے) اور روایت درایت کے اتنی اہمیت کی حامل نہیں ہو سکتی۔" یہ سن کر استاد رمانی خاموش ہو گیا اور پھر اس نے کہا" روایت، درایت

سے ہے اور درایت، روایت سے ہے۔'' اسکے بعد اس نے شیخ مفید کو ''مفید'' کا لقب دیا۔(۱)

(۱) مجموعۂ ورام سے اقتباس، ج۲، ص۳۰۲

حضرت علی علیہ السلام زیادہ سچے تھے

ایک دن ہارون کے وزیر یحیٰی برمکی نے ہشام سے پوچھا۔ ''یہ جو روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے عمر بن خطاب کو ''امیر المومنین کہا ہے کیا صحیح ہے؟''

جناب ہشام نے کہا۔ ''ہاں صحیح ہے۔''

یحیٰی: ''تو پھر تم لوگ کیوں عمر کی خلافت و امامت کا انکار کرتے ہو؟''

ہشام: ''خداوند عالم نے قرآن مجید میں جناب ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے بتوں کو ''الہ'' سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ ہم سورہ صافات کی اہمیت ۹۰ میں پڑھتے ہیں ''فراغ الی الھتھم'' ابراہیم ان لوگوں کے خداؤں کے پاس گئے۔'' حالانکہ وہ خدا نہیں تھے پھر بھی اللہ نے انہیں خدا کہا۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی اسی طرح عمر کو ''امیر المومنین'' کہا حالانکہ وہ ایسا نہیں تھا۔ لہٰذا علی علیہ السلام نے سچ کہا تھا کیونکہ خدا نے سچ کہا ہے۔ (مجالس المومنین، ج۱، ص۳۶۹)

احمد بن حنبل کا حضرت علیؑ کے فضائل کے متعلق ایک مناظرہ

(احمد بن حنبل اہلسنت کے مذاہب اربعہ میں ''مسلک حنبلی کے امام ہیں حضرت علی علیہ السلام کی فضیلتوں کے بارے میں ان سے ایک دلچسپ روایت نقل ہوئی ملاحظہ فرمائیں۔)

محمد بن منصور طوسی کہتا ہے ہم احمد بن حنبل کے پاس تھے کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

''اے ابو عبداللہ! آپ اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس میں یہ روایت ہوئی

حضرت علی علیہ السلام نے کہا۔ "پالنے والے تو گواہ رہنا۔"

تو اسطرح اس حدیث کی صحت کا سب ہی نے اعتراف کیا اور امیر المومنین علی علیہ السلام جھوٹ بات کے ذریعے تو استدلال نہیں کرسکتے بالخصوص جب وہ نزاع و جدال کے عالم میں رہے ہوں اور جنکے ذریعے وہ اپنی خلافت ثابت کرنا چاہ رہے ہوں اور جبکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ حاضرین انکے علاوہ کسی اور کو خلیفہ رسولؐ بنانا چاہ رہے ہیں، جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "علی من الحق و الحق مع علی ،یدور حیثما دار

اور جب اس حدیث کی صحت کا سب لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ طرف بھی رہیں گے اس طرف حق رہے گا۔

ایک شخص نے کہا۔ "شیعہ اس حدیث کو انس بن مالک سے مروی ہونے کے باوجود اسی سے استدلال کرتے ہیں اور یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ وہ لوگ انس بن مالک کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "اس نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں حدیث غدیر کی گواہی نہیں دی تھی تو حضرت علی علیہ السلام نے اسکے لئے بددعا کی کہ پالنے والے اسے ایسی مصیبت میں گرفتار کردے کہ جسے اس کا لباس بھی چھپا نہ پائے۔ اس بددعا کے بعد انس بن مالک بڑھاپے میں برص میں مبتلا ہوگیا اور اسی طرح مرگیا تو اس صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ تم شیعہ ان کے بارے میں اس اعتقاد کے باوجود اسی کی روایت سے استدلال کرو؟ کیا کافروں کی باتوں کو بنایا جاسکتا ہے؟"

بعض حاضرین نے جواب دیا۔ "اس آدمی نے پہلے ہی اس کا جواب دے دیا ہے کیونکہ اس نے انس بن مالک کی روایت کو حجت قرار نہیں دیا بلکہ اس اجماع کو حجت قرار دیا ہے جو امام علی علیہ السلام کے استدلال کے وقت ہوا تھا اور اس وقت موجود تمام حاضرین نے آپ کے اس قول کی تائید کی تھی لہٰذا اس دلیل کے ساتھ انس بن مالک کا غیر موثق ہونا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔"

عبداللہ نے کہا: "چپ رہو ہم نے بات کو تسلیم کرلیا ہے جس کا تم انکار کررہے ہو لیکن اس حدیث میں وہ معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں یہ معنی مراد ہیں کہ "پالنے والے میرے پاس ایسے شخص کو بھیج جس کی کھانے میں میرے ساتھ شرکت کو تو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔ لہٰذا یہاں حضرت علی علیہ السلام محبوب ترین بندے کھانے کیلئے ہیں نہ کہ اعمال اور ثواب کے لحاظ سے سب سے افضل کیونکہ یہ بات تو درست ہے کہ اللہ کسی کو نبی کے ساتھ کھانے میں شریک دیکھنا سب

سے زیادہ پسند کرتا ہو مگر اسے تمام لوگوں سے افضل قرار نہ دے اور وہ شخص کسی مصلحت کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شریک ہو؟۔

شیخ مفید: ''یہ جو تم نے اعتراض کیا ہے اسکی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اللہ کی محبت طبیعت اور خواہش کے تابع نہیں ہوتی بلکہ اسکی محبت ثواب ہے جیسا کہ اسکی ناراضگی اور غصہ عذاب ہوتا ہے۔ یہاں پر لفظ افضل محبوب ترین مخلوق کے ساتھ بالکل مطابقت رکھتا ہے۔ اسکے بعد والا جملہ کہ ''میرے ساتھ اس پرندہ کو کھائے۔'' ایک نیا جملہ ہے یہ خود ایک مکمل جملہ ہے اپنے سے پہلے والے جملہ کے بغیر بھی یہ مکمل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے محبوب ترین بندے ہیں اور یہ بھی معنی نکلتا ہے کہ وہ انکی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شرکت کو بھی سب سے زیادہ پسند ہے۔

عبداللہ نے کہا۔'' اس خبر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اس دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بندے تھے اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین بندے رہیں گے۔

شیخ مفید: ''یہ سوال تو پہلے والے سے زیادہ احمقانہ ہے اور اس کا جواب اس سے بھی زیادہ آسان ہے کیونکہ امت اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اصحاب میں سے کسی نے کوئی ایسا عمل انجام نہیں دیا ہے جس کی بناء پر وہ حضرت علی علیہ السلام سے افضل ہو گیا ہو۔ حضرت علی علیہ السلام اللہ کے نزدیک تمام اصحاب سے افضل ہیں نہ تو وہ اللہ کی ولایت سے کبھی نکلے اور نہ ہی کبھی انہوں نے کوئی خدا کی نافرمانی انجام دی۔ لہٰذا جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ انکے علاوہ کسی اور نے ان سے زیادہ فضیلتیں نہیں پائیں تو خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ تمام لوگوں سے افضل ہیں اس پر تمام لوگوں کا اجماع ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اجماع حجت ہوتا ہے۔(۱)

(۱) بحار الانوار ج ۱۰، ص ۴۳۱۔۴۳۴ سے تلخیص

حسنیہ کے مقابل میں بصرہ کے ایک عالم کی پریشانی

خلفاء بنی عباس کے پانچویں خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں بصرہ کے ایک بہت بڑے ابراہیم بن خالد نامی سنی عالم نے ایک نہایت عالمہ حسنیہ نامی شیعہ عورت سے مناظرہ کیا' اس مناظرہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حسنیہ: ''ابراہیم یہ بتاؤ کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری کے عالم میں کسی سے کوئی وصیت کی تھی؟''

ابراہیم: ''نہیں۔''

حسنیہ: ''کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیفہ نہ معین کر کے کوئی غلطی کی یا نہیں؟ اور کیا اصحاب سقیفہ نے حضرت ابوبکر کو رسولؐ خدا کا خلیفہ معین کر کے کوئی غلطی کی یا نہیں اور ان دونوں صورتوں میں خطا کار کون ہوگا؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اصحاب سقیفہ؟''

ابراہیم یہ سن کر مبہوت رہ گیا اور اسے اس کا کوئی جواب سمجھائی نہ دیا کیونکہ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلطی کی اور اصحاب سقیفہ نے صحیح کیا تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اگر یہ کہے کہ اصحاب سقیفہ نے غلطی کی تو حسنیہ کا دعویٰ صحیح ہو جائے گا اور اگر یہ کہے کہ دونوں نے غلطی کی تو یہ پہلی دو صورتوں سے بھی زیادہ غلط ہوگا اور نہ ہی وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ دونوں نے صحیح کام کیا کیونکہ اس صورت میں بھی اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے (کیونکہ وہ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد کسی سے وصیت کی۔)

لہٰذا ابراہیم خاموشی سے سوچ میں غرق ہو گیا اور اس سوال کا کوئی جواب نہ دے پایا۔

وہاں بیٹھے ہوئے لوگ ہنس کر اس سے کہنے لگے۔ ''کنیز حسنیہ، استاد ابراہیم بن خالد سے جیت گئی۔'' لہٰذا معلوم ہوا کہ حق حسنیہ کا قول تھا یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی علیہ السلام کو اپنا خلیفہ معین کیا تھا جیسا کہ شیعہ مذہب کا عقیدہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆

ہمیں اپنے محترم قارئین سے امید ہے کہ وہ غور و فکر کریں گے اور ہم تو خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو ہدایت کی توفیق عنایت کرے۔

والحمد للہ اولاً و آخراً

اختتام

فہرست کتب ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

☆	نام کتاب	ہدیہ
☆	تلاش حق	120
☆	ذکر حسینؑ	100
☆	برزخ چند قدم پر	120
☆	اسلامی معلومات	100
☆	محمد تا محمد	100
☆	محمدؐ تا علیؑ	100
☆	سورج بادلوں کی اوٹ میں	120
☆	شہید اسلام	100
☆	قیام عاشورہ	50
☆	قرآن اور اہل بیت	100
☆	دینی معلومات	45
☆	نوجوان پوچھتے ہیں کہ شادی کس سے کریں؟	25
☆	ظالم حاکم اور صحابی امام	10
☆	توضیح ۱:۶	200

☆	تفسیر سورۂ فاتحہ		100
☆	مشعل ہدایت		100
☆	اسم اعظم		150
☆	سوگنامہ آل محمدؐ		200
☆	افکار شریعتی		250
☆	گفتار شریعتی		150
☆	سیرت آل محمدؐ		150
☆	110 بہترین مناظرے		250
☆	ٹاپ (10) خطباء		200
☆	سیرت رسولؐ		125
☆	نبی امی		50
☆	آسان مسائل (چار جلد)		240
☆	تاریخ جنت البقیع		100
☆	عمدۃ المجالس		100
☆	حقوق زوجین		25
☆	ارشادات امیر المومنینؑ		15
☆	صدائے مظلوم		45
☆	مراسم عروسی و معجزات بتولؑ		30

سے ہے اور درایت، روایت سے ہے۔" اسکے بعد اس نے شیخ مفید کو "مفید" کا لقب دیا۔(۱)

(۱) مجموعہ ورام سے اقتباس، ج۲، ص۳۰۲

حضرت علی علیہ السلام زیادہ سچے تھے

ایک دن ہارون کے وزیر یحیٰی برمکی نے ہشام سے پوچھا۔" یہ جو روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے عمر بن خطاب کو "امیر المومنین کہا ہے کیا صحیح ہے؟"

جناب ہشام نے کہا۔" ہاں صحیح ہے۔"

یحیٰی: "تو پھر تم لوگ کیوں عمر کی خلافت و امامت کا انکار کرتے ہو؟"

ہشام: " خداوند عالم نے قرآن مجید میں جناب ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے بتوں کو "الہ" سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ ہم سورہ صافات کی اہمیت ۹۰ میں پڑھتے ہیں "فراغ الی الھتھم" ابراہیم ان لوگوں کے خداؤں کے پاس گئے۔" حالانکہ وہ خدا نہیں تھے پھر بھی اللہ نے انہیں خدا کہا۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی اسی طرح عمر کو "امیر المومنین" کہا حالانکہ وہ ایسا نہیں تھا۔ لہٰذا علی علیہ السلام نے سچ کہا تھا کیونکہ خدا نے سچ کہا ہے۔ (مجالس المومنین، ج۱، ص۳۶۹)

احمد بن حنبل کا حضرت علیؑ کے فضائل کے متعلق ایک مناظرہ

(احمد بن حنبل اہلسنت کے مذاہب اربعہ میں "مسلک حنبلی کے امام ہیں حضرت علی علیہ السلام کی فضیلتوں کے بارے میں ان سے ایک دلچسپ روایت نقل ہوئی ملاحظہ فرمائیں۔)

محمد بن منصور طوسی کہتا ہے ہم احمد بن حنبل کے پاس تھے کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

"اے ابوعبداللہ! آپ اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس میں یہ روایت ہوئی

حضرت علی علیہ السلام نے کہا۔"پالنے والے تو گواہ رہنا۔"

تو اسطرح اس حدیث کی صحت کا سب ہی نے اعتراف کیا اور امیر المومنین علی علیہ السلام جھوٹ بات کے ذریعے تو استدلال نہیں کر سکتے بالخصوص جب وہ نزاع و جدال کے عالم میں رہے ہوں اور جنکے ذریعے وہ اپنی خلافت ثابت کرنا چاہ رہے ہوں اور جبکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ حاضرین انکے علاوہ کسی اور کو خلیفہ رسولؐ بنانا چاہ رہے ہیں، جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔"علی من الحق و الحق مع علی ،یدور حیثما دار

اور جب اس حدیث کی صحت کا سب لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ طرف بھی رہیں گے اس طرف حق رہے گا۔

ایک شخص نے کہا۔"شیعہ اس حدیث کو انس بن مالک سے مروی ہونے کے باوجود اسی سے استدلال کرتے ہیں اور یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ وہ لوگ انس بن مالک کے بارے میں لکھتے ہیں۔"اس نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں حدیث غدیر کی گواہی نہیں دی تھی تو حضرت علی علیہ السلام نے اسکے لئے بددعا کی کہ پالنے والے اسے ایسی مصیبت میں گرفتار کردے کہ جسے اس کا لباس بھی چھپا نہ پائے۔ اس بددعا کے بعد انس بن مالک بڑھاپے میں برص میں مبتلا ہو گیا اور اسی طرح مر گیا تو اس صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ تم شیعہ ان کے بارے میں اس اعتقاد کے باوجود اسی کی روایت سے استدلال کرو؟ کیا کافروں کی باتوں کو بنایا جا سکتا ہے؟"

بعض حاضرین نے جواب دیا۔"اس آدمی نے پہلے ہی اس کا جواب دے دیا ہے کیونکہ اس نے انس بن مالک کی روایت کو حجت قرار نہیں دیا بلکہ اس اجماع کو حجت قرار دیا ہے جو امام علی علیہ السلام کے استدلال کے وقت ہوا تھا اور اس وقت موجود تمام حاضرین نے آپ کے اس قول کی تائید کی تھی لہٰذا اس دلیل کے ساتھ انس بن مالک کا غیر موثق ہونا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔"

عبداللہ نے کہا:"چپ رہو ہم نے بات کو تسلیم کر لیا ہے جس کا تم انکار کر رہے ہو لیکن اس حدیث میں وہ معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں یہ معنی مراد ہیں کہ" پالنے والے میرے پاس ایسے شخص کو بھیج جس کی کھانے میں میرے ساتھ شرکت کو تو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔ لہٰذا یہاں حضرت علی علیہ السلام محبوب ترین بندے کھانے کیلئے ہیں نہ کہ اعمال اور ثواب کے لحاظ سے سب سے افضل کیونکہ یہ بات تو درست ہے کہ اللہ کسی کو نبی کے ساتھ کھانے میں شریک دیکھنا سب

سے زیادہ پسند کرتا ہو مگر اسے تمام لوگوں سے افضل قرار نہ دے اور وہ شخص کسی مصلحت کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شریک ہو؟۔

شیخ مفید: ''یہ جو تم نے اعتراض کیا ہے اسکی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اللہ کی محبت طبیعت اور خواہش کے تابع نہیں ہوتی بلکہ اسکی محبت ثواب ہے جیسا کہ اسکی ناراضگی اور غصہ عذاب ہوتا ہے۔ یہاں پر لفظ افضل محبوب ترین مخلوق کے ساتھ بالکل مطابقت رکھتا ہے۔ اسکے بعد والا جملہ کہ ''میرے ساتھ اس پرندہ کو کھائے۔'' ایک نیا جملہ ہے یہ خود ایک مکمل جملہ ہے اپنے سے پہلے والے جملہ کے بغیر بھی یہ مکمل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے محبوب ترین بندے ہیں اور یہ بھی معنی نکلتا ہے کہ وہ انکی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شرکت کو بھی سب سے زیادہ پسند ہے۔

عبداللہ نے کہا۔'' اس خبر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اس دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بندے تھے اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین بندے رہیں گے۔

شیخ مفید: '' یہ سوال تو پہلے والے سے زیادہ احمقانہ ہے اور اس کا جواب اس سے بھی زیادہ آسان ہے کیونکہ امت اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اصحاب میں سے کسی نے کوئی ایسا عمل انجام نہیں دیا ہے جس کی بناء پر وہ حضرت علی علیہ السلام سے افضل ہوگیا ہو۔ حضرت علی علیہ السلام اللہ کے نزدیک تمام اصحاب سے افضل ہیں نہ تو وہ اللہ کی ولایت سے کبھی نکلے اور نہ ہی کبھی انہوں نے کوئی خدا کی نافرمانی انجام دی۔ لہٰذا جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ انکے علاوہ کسی اور نے ان سے زیادہ فضیلتیں نہیں پائیں تو خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ تمام لوگوں سے افضل ہیں اس پر تمام لوگوں کا اجماع ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اجماع حجت ہوتا ہے۔(۱)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۴۳۱۔۴۳۳ سے تلخیص

حسنیہ کے مقابل میں بصرہ کے ایک عالم کی پریشانی

خلفاء بنی عباس کے پانچویں خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں بصرہ کے ایک بہت بڑے ابراہیم بن خالد نامی سنی عالم نے ایک نہایت عالمہ حسنیہ نامی شیعہ عورت سے مناظرہ کیا' اس مناظرہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حسنیہ: ''ابراہیم یہ بتاؤ کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری کے عالم میں کسی سے کوئی وصیت کی تھی؟''

ابراہیم: ''نہیں۔''

حسنیہ: ''کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیفہ نہ معین کر کے کوئی غلطی کی یا نہیں؟ اور کیا اصحاب سقیفہ نے حضرت ابوبکر کو رسولؐ خدا کا خلیفہ معین کر کے کوئی غلطی کی یا نہیں اور ان دونوں صورتوں میں خطا کار کون ہوگا؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اصحاب سقیفہ؟''

ابراہیم یہ سن کر مبہوت رہ گیا اور اسے اس کا کوئی جواب سمجھائی نہ دیا کیونکہ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلطی کی اور اصحاب سقیفہ نے صحیح کیا تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اگر یہ کہے کہ اصحاب سقیفہ نے غلطی کی تو حسنیہ کا دعویٰ صحیح ہو جائے گا اور اگر یہ کہے کہ دونوں نے غلطی کی تو یہ پہلی دو صورتوں سے بھی زیادہ غلط ہوگا اور نہ ہی وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ دونوں نے صحیح کام کیا کیونکہ اس صورت میں بھی اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے (کیونکہ وہ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد کسی سے وصیت کی۔)

لہٰذا ابراہیم خاموشی سے سوچ میں غرق ہو گیا اور اس سوال کا کوئی جواب نہ دے پایا۔

وہاں بیٹھے ہوئے لوگ ہنس کر اس سے کہنے لگے۔ ''کنیز حسنیہ، استاد ابراہیم بن خالد سے جیت گئی۔'' لہٰذا معلوم ہوا کہ حق حسنیہ کا قول تھا یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی علیہ السلام کو اپنا خلیفہ معین کیا تھا جیسا کہ شیعہ مذہب کا عقیدہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆

ہمیں اپنے محترم قارئین سے امید ہے کہ وہ غور وفکر کریں گے اور ہم تو خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو ہدایت کی توفیق عنایت کرے۔

والحمد اللہ اولا و آخرا

اختتام

سید منذر عباس رضوی

سے ہے اور درایت، روایت سے ہے۔'' اسکے بعد اس نے شیخ مفید کو ''مفید'' کا لقب دیا۔(۱)

(۱) مجموعہ ورام سے اقتباس، ج۲،ص۳۰۲

حضرت علی علیہ السلام زیادہ سچے تھے

ایک دن ہارون کے وزیر یحییٰ برمکی نے ہشام سے پوچھا۔''یہ جو روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے عمر بن خطاب کو''امیر المومنین کہا ہے کیا صحیح ہے؟''

جناب ہشام نے کہا۔''ہاں صحیح ہے۔''

یحییٰ:''تو پھر تم لوگ کیوں عمر کی خلافت و امامت کا انکار کرتے ہو؟''

ہشام:''خداوند عالم نے قرآن مجید میں جناب ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے بتوں کو ''الہ'' سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ ہم سورہ صافات کی اہمیت ۹۰ میں پڑھتے ہیں ''فراغ الی الهتهم'' ابراہیم ان لوگوں کے خداؤں کے پاس گئے۔'' حالانکہ وہ خدا نہیں تھے پھر بھی اللہ نے انہیں خدا کہا۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی اسی طرح عمر کو''امیر المومنین'' کہا حالانکہ وہ ایسا نہیں تھا۔ لہٰذا علی علیہ السلام نے سچ کہا تھا کیونکہ خدا نے سچ کہا ہے۔ (مجالس المومنین، ج۱،ص۳۶۹)

احمد بن حنبل کا حضرت علیؑ کے فضائل کے متعلق ایک مناظرہ

(احمد بن حنبل اہلسنت کے مذاہب اربعہ میں''مسلک حنبلی کے امام ہیں حضرت علی علیہ السلام کی فضیلتوں کے بارے میں ان سے ایک دلچسپ روایت نقل ہوئی ملاحظہ فرمائیں۔)

محمد بن منصور طوسی کہتا ہے ہم احمد بن حنبل کے پاس تھے کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

''اے ابو عبداللہ! آپ اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس میں یہ روایت ہوئی

حضرت علی علیہ السلام نے کہا۔ "پالنے والے تو گواہ رہنا۔"

تو اسطرح اس حدیث کی صحت کا سب ہی نے اعتراف کیا اور امیر المومنین علی علیہ السلام جھوٹ بات کے ذریعے تو استدلال نہیں کر سکتے بالخصوص جب وہ نزاع و جدال کے عالم میں رہے ہوں اور جسکے ذریعہ وہ اپنی خلافت ثابت کرنا چاہ رہے ہوں اور جبکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ حاضرین انکے علاوہ کسی اور کو خلیفہ رسولؐ بنانا چاہ رہے ہیں، جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "علی من الحق و الحق مع علی ،یدور حیثما دار

اور جب اس حدیث کی صحت کا سب لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ طرف بھی رہیں گے اس طرف حق رہے گا۔

ایک شخص نے کہا۔" شیعہ اس حدیث کو انس بن مالک سے مروی ہونے کے باوجود اسی سے استدلال کرتے ہیں اور یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ وہ لوگ انس بن مالک کے بارے میں لکھتے ہیں۔" اس نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں حدیث غدیر کی گواہی نہیں دی تھی تو حضرت علی علیہ السلام نے اسکے لئے بددعا کی کہ پالنے والے اسے ایسی مصیبت میں گرفتار کردے کہ جسے اس کا لباس بھی چھپا نہ پائے۔ اس بددعا کے بعد انس بن مالک بڑھاپے میں برص میں مبتلا ہوگیا اور اسی طرح مرگیا تو اس صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ تم شیعہ ان کے بارے میں اس اعتقاد کے باوجود اسی کی روایت سے استدلال کرو؟ کیا کافروں کی باتوں کو بنایا جاسکتا ہے؟"

بعض حاضرین نے جواب دیا۔" اس آدمی نے پہلے ہی اس کا جواب دے دیا ہے کیونکہ اس نے انس بن مالک کی روایت کو حجت قرار نہیں دیا بلکہ اس اجماع کو حجت قرار دیا ہے جو امام علی علیہ السلام کے استدلال کے وقت ہوا تھا اور اس وقت موجود تمام حاضرین نے آپ کے اس قول کی تائید کی تھی لہٰذا اس دلیل کے ساتھ انس بن مالک کا غیر موثق ہونا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔"

عبداللہ نے کہا:" چپ رہو ہم نے بات کو تسلیم کرلیا ہے جس کا تم انکار کر رہے ہو لیکن اس حدیث میں وہ معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں یہ معنی مراد ہیں کہ" پالنے والے میرے پاس ایسے شخص کو بھیج جس کی کھانے میں میرے ساتھ شرکت کو تو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔ لہٰذا یہاں حضرت علی علیہ السلام محبوب ترین بندے کھانے کیلئے ہیں نہ کہ اعمال اور ثواب کے لحاظ سے سب سے افضل کیونکہ یہ بات تو درست ہے کہ اللہ کسی کو نبی کے ساتھ کھانے میں شریک دیکھنا سب

سے زیادہ پسند کرتا ہو مگر اسے تمام لوگوں سے افضل قرار نہ دے اور وہ شخص کسی مصلحت کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شریک ہو؟۔

شیخ مفید: ''یہ جو تم نے اعتراض کیا ہے اسکی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اللہ کی محبت طبیعت اور خواہش کے تابع نہیں ہوتی بلکہ اسکی محبت ثواب ہے جیسا کہ اسکی ناراضگی اور غصہ عذاب ہوتا ہے۔ یہاں پر لفظ افضل محبوب ترین مخلوق کے ساتھ بالکل مطابقت رکھتا ہے۔ اسکے بعد والا جملہ کہ ''میرے ساتھ اس پرندہ کو کھائے۔'' ایک نیا جملہ ہے یہ خود ایک مکمل جملہ ہے اپنے سے پہلے والے جملہ کے بغیر بھی یہ مکمل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے محبوب ترین بندے ہیں اور یہ بھی معنی نکلتا ہے کہ وہ انکی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شرکت کو بھی سب سے زیادہ پسند ہے۔

عبداللہ نے کہا۔'' اس خبر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اس دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بندے تھے اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین بندے رہیں گے۔

شیخ مفید: ''یہ سوال تو پہلے والے سے زیادہ احمقانہ ہے اور اس کا جواب اس سے بھی زیادہ آسان ہے کیونکہ امت اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اصحاب میں سے کسی نے کوئی ایسا عمل انجام نہیں دیا ہے جس کی بناء پر وہ حضرت علی علیہ السلام سے افضل ہو گیا ہو۔ حضرت علی علیہ السلام اللہ کے نزدیک تمام اصحاب سے افضل ہیں نہ تو وہ اللہ کی ولایت سے کبھی نکلے اور نہ ہی کبھی انہوں نے کوئی خدا کی نافرمانی انجام دی۔ لہٰذا جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ انکے علاوہ کسی اور نے ان سے زیادہ فضیلتیں نہیں پائیں تو خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ تمام لوگوں سے افضل ہیں اس پر تمام لوگوں کا اجماع ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اجماع حجت ہوتا ہے۔(۱)

(۱) بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۴۳۱۔۴۳۲ سے تلخیص

حسنیہ کے مقابل میں بصرہ کے ایک عالم کی پریشانی

خلفاء بنی عباس کے پانچویں خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں بصرہ کے ایک بہت بڑے ابراہیم بن خالد نامی سنی عالم نے ایک نہایت عالمہ حسنیہ نامی شیعہ عورت سے مناظرہ کیا' اس مناظرہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حسنیہ: ''ابراہیم یہ بتاؤ کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری کے عالم میں کسی سے کوئی وصیت کی تھی؟''

ابراہیم: ''نہیں۔''

حسنیہ: ''کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیفہ نہ معین کر کے کوئی غلطی کی یا نہیں؟ اور کیا اصحاب سقیفہ نے حضرت ابوبکر کو رسولؐ خدا کا خلیفہ معین کر کے کوئی غلطی کی یا نہیں اور ان دونوں صورتوں میں خطا کار کون ہوگا؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اصحاب سقیفہ؟''

ابراہیم یہ سن کر مبہوت رہ گیا اور اسے اس کا کوئی جواب سمجھائی نہ دیا کیونکہ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلطی کی اور اصحاب سقیفہ نے صحیح کیا تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اگر یہ کہے کہ اصحاب سقیفہ نے غلطی کی تو حسنیہ کا دعویٰ صحیح ہو جائے گا اور اگر یہ کہے کہ دونوں نے غلطی کی تو یہ پہلی دو صورتوں سے بھی زیادہ غلط ہوگا اور نہ ہی وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ دونوں نے صحیح کام کیا کیونکہ اس صورت میں بھی اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے (کیونکہ وہ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد کسی سے وصیت کی۔)

لہٰذا ابراہیم خاموشی سے سوچ میں غرق ہو گیا اور اس سوال کا کوئی جواب نہ دے پایا۔

وہاں بیٹھے ہوئے لوگ ہنس کر اس سے کہنے لگے۔ ''کنیز حسنیہ، استاد ابراہیم بن خالد سے جیت گئی۔'' لہٰذا معلوم ہوا کہ حق حسنیہ کا قول تھا یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی علیہ السلام کو اپنا خلیفہ معین کیا تھا جیسا کہ شیعہ مذہب کا عقیدہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆

ہمیں اپنے محترم قارئین سے امید ہے کہ وہ غور و فکر کریں گے اور ہم تو خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو ہدایت کی توفیق عنایت کرے۔

والحمد اللہ اولاو آخرا

اختتام

سید منور عباس رضوی

سے ہے اور درایت، روایت سے ہے۔" اسکے بعد اس نے شیخ مفید کو "مفید" کا لقب دیا۔(۱)

(۱) مجموعۂ ورام سے اقتباس، ج۲، ص۳۰۲

حضرت علی علیہ السلام زیادہ سچے تھے

ایک دن ہارون کے وزیر یحییٰ برمکی نے ہشام سے پوچھا۔ "یہ جو روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے عمر بن خطاب کو "امیر المومنین کہا ہے کیا صحیح ہے؟"

جناب ہشام نے کہا۔ "ہاں صحیح ہے۔"

یحییٰ: "تو پھر تم لوگ کیوں عمر کی خلافت و امامت کا انکار کرتے ہو؟"

ہشام: "خداوند عالم نے قرآن مجید میں جناب ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے بتوں کو "الہ" سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ ہم سورہ صافات کی اہمیت ۹۰ میں پڑھتے ہیں "فراغ الی الھتھم" ابراہیم ان لوگوں کے خداؤں کے پاس گئے۔" حالانکہ وہ خدا نہیں تھے پھر بھی اللہ نے انہیں خدا کہا۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی اسی طرح عمر کو "امیر المومنین" کہا حالانکہ وہ ایسا نہیں تھا۔ لہٰذا علی علیہ السلام نے سچ کہا تھا کیونکہ خدا نے سچ کہا ہے۔ (مجالس المومنین، ج۱، ص۳۶۹)

احمد بن حنبل کا حضرت علیؑ کے فضائل کے متعلق ایک مناظرہ

(احمد بن حنبل اہلسنت کے مذاہب اربعہ میں "مسلک حنبلی کے امام ہیں حضرت علی علیہ السلام کی فضیلتوں کے بارے میں ان سے ایک دلچسپ روایت نقل ہوئی ملاحظہ فرمائیں۔)

محمد بن منصور طوسی کہتا ہے، ہم احمد بن حنبل کے پاس تھے کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

"اے ابو عبداللہ! آپ اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس میں یہ روایت ہوئی

ہے کہ علی علیہ السلام نے کہا ہے۔ "میں قسیم نار و جنت ہوں۔"

احمد بن حنبل نے کہا۔ "تم کیوں اس حدیث کا انکار کر رہے ہو؟ کیا تم نے یہ روایت نہیں سنی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "اے علیؑ! تمہیں صرف مومن دوست رکھے گا اور تمہیں صرف منافق ہی دشمن رکھے گا۔"

ہم سب نے کہا۔ "ہاں ہم نے سنا ہے۔"

احمد بن حنبل نے کہا۔ "تو مومن کہاں رہے گا؟"

ہم نے کہا۔ "جنت میں"

احمد بن حنبل نے کہا۔ "منافق کہاں رہے گا؟

ہم نے کہا۔ "جہنم میں۔"

احمد بن حنبل نے کہا۔ "تو پھر حضرت علی (علیہ السلام) قسیم نار و جنت ہو گئے۔"

(مناظرہ ھا، تالیف الیاس جعفری، ص ۱۸۳)

حضرت امام علی علیہ السلام کی صحابہ پر فضیلت

اوائل قرن سوم اور اوائل قرن چہارم کے مذہب تشیع کے ایک عظیم عالم محمد بن محمد بن نعمان معروف بہ شیخ مفید تھے۔ آپ کی وفات سن ۴۱۳ھ کو بغداد میں ہوئی۔ آپ کی قبر، کاظمین میں مرقد امام کاظمؑ اور امام جواد علیہما السلام کے بغل میں واقع ہے جو اب تک شیعوں کی زیارت گاہ ہے۔

شیخ مفید کے مختلف فرقوں کے ساتھ مختلف موضوعات پر بے شمار مناظرے ہیں، ہم ان میں سے ایک مناظرہ آپ کیلئے نقل کر رہے ہیں۔ اپنے زمانے کی ایک بہت بڑی شخصیت کے ہاں شیخ مفید ایک دن گئے۔ اس شخص کا نام "عبداللہ" تھا اس نے شیخ مفید سے کہا "تمہارے پاس حضرت علی علیہ السلام کے صحابہ سے افضل ہونے کی کیا دلیل ہے؟

شیخ مفید: "حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت پر آنحضرت کا یہ قول دلیل ہے۔

"اللهم ائتنی باحب خلقك اليك ياكل معی من هذا الطائر"(۱)

"پالنے والے میرے پاس تو اپنی محبوب ترین مخلوق کو بھیج دے تا کہ وہ میرے ساتھ اس پرندے کے کھانے میں شریک ہو۔"

اس دعا کے بعد حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھایا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ اللہ کی محبوب ترین مخلوق تھے اور جو اللہ کا محبوب ترین شخص ہوگا اس سے زیادہ باعمل اور مطیع کون ہوگا اور اسطرح اس دلیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

عبداللہ: "اس خبر کی صحت پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ تم اس بات کا انکار نہیں کر سکتے کہ تم اسے غیر معتبر سمجھتے ہو کیونکہ اسے صرف انس بن مالک نے نقل کیا ہے اور خبر واحد حجت نہیں ہوتی؟"

شیخ مفید: "گو کہ اس خبر کو صرف انس بن مالک نے نقل کیا ہے مگر اسکے باوجود تمام مسلمانوں نے قبول کیا ہے اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں سے کسی نے بھی اسکی صحت سے انکار نہیں کیا۔ اس کی رد میں کسی نے کوئی روایت نقل نہیں کی ہے لہٰذا اس طرح سے اس حدیث پر اجماع ہوگیا ہے جو اسکی صحت پر دلیل ہے اسکا خبر واحد ہونا بھی اسکی صحت پر اثر انداز نہیں ہوسکتا کیونکہ روایتوں میں تواتر کے ساتھ آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے "یوم الدار" کے وقت اپنے فضائل کے اثبات میں اس حدیث سے استفادہ کیا ہے۔" وانشدکم الله هل احد قال له رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم "اللهم ائتنی باحب خلقك اليك ياكل معی من هذا الطائر فجاء احد غيری."

"میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے علاوہ کسی اور کیلئے یہ کہا کہ "پالنے والے میرے پاس اپنی محبوب ترین خلق کو بھیج دے تا کہ وہ میرے ساتھ اس پرندے کے کھانے میں شریک ہو جائے۔" تو کیا میرے علاوہ کوئی اور آیا تھا؟"

سب لوگوں نے کہا۔ "خدا کی قسم کوئی نہیں۔"

---

(۱) یہ حدیث اہل تسنن کی بہت سی کتابوں میں نقل ہوئی ہے جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، صحیح نسائی، بجستانی۔ اسی طرح ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب "الفصول المہمہ" میں لکھا ہے "اس حدیث کو احادیث صحیحہ کی کتابوں میں انس بن مالک سے نقل کرنا صحیح ہے۔ (ص ۲۱)

حضرت علی علیہ السلام نے کہا۔"پالنے والے تو گواہ رہنا۔"

تو اسطرح اس حدیث کی صحت کا سب ہی نے اعتراف کیا اور امیر المومنین علی علیہ السلام جھوٹ بات کے ذریعے تو استدلال نہیں کر سکتے بالخصوص جب وہ نزاع و جدال کے عالم میں رہے ہوں اور جنکے ذریعے وہ اپنی خلافت ثابت کرنا چاہ رہے ہوں اور جبکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ حاضرین انکے علاوہ کسی اور کو خلیفہ رسولؐ بنانا چاہ رہے ہیں، جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔" علی من الحق و الحق مع علی، یدور حیثما دار

اور جب اس حدیث کی صحت کا سب لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ طرف بھی رہیں گے اس طرف حق رہے گا۔

ایک شخص نے کہا۔"شیعہ اس حدیث کو انس بن مالک سے مروی ہونے کے باوجود اسی سے استدلال کرتے ہیں اور یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ وہ لوگ انس بن مالک کے بارے میں لکھتے ہیں۔"اس نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں حدیث غدیر کی گواہی نہیں دی تھی تو حضرت علی علیہ السلام نے اسکے لئے بد دعا کی کہ پالنے والے اسے ایسی مصیبت میں گرفتار کردے کہ جسے اس کا لباس بھی چھپا نہ پائے۔اس بد دعا کے بعد انس بن مالک بڑھاپے میں برص میں مبتلا ہو گیا اور اسی طرح مر گیا تو اس صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ تم شیعہ ان کے بارے میں اس اعتقاد کے باوجود اسی کی روایت سے استدلال کرو؟ کیا کافروں کی باتوں کو بنایا جا سکتا ہے؟"

بعض حاضرین نے جواب دیا۔"اس آدمی نے پہلے ہی اس کا جواب دے دیا ہے کیونکہ اس نے انس بن مالک کی روایت کو حجت قرار نہیں دیا بلکہ اس اجماع کو حجت قرار دیا ہے جو امام علی علیہ السلام کے استدلال کے وقت ہوا تھا اور اس وقت موجود تمام حاضرین نے آپ کے اس قول کی تائید کی تھی لہٰذا اس دلیل کے ساتھ انس بن مالک کا غیر موثق ہونا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔"

عبداللہ نے کہا:"چپ رہو ہم نے بات کو تسلیم کر لیا ہے جس کا تم انکار کر رہے ہو لیکن اس حدیث میں وہ معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں یہ معنی مراد ہیں کہ"پالنے والے میرے پاس ایسے شخص کو بھیج جس کی کھانے میں میرے ساتھ شرکت کو تو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔لہٰذا یہاں حضرت علی علیہ السلام محبوب ترین بندے کھانے کیلئے ہیں نہ کہ اعمال اور ثواب کے لحاظ سے سب سے افضل کیونکہ یہ بات تو درست ہے کہ اللہ کسی کو نبی کے ساتھ کھانے میں شریک دیکھنا سب

بہترین مناظرے

مؤلف

علامہ محمد محمدی اشتہاردی

مترجم

مولانا کوثر عباس حیدری

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین

لاہور فون: 042-5425372

نام کتاب .... بہترین مناظرے

مؤلف .... علامہ محمد محمدی اشتہاردی

مترجم .... مولانا کوثر عباس

اشاعت .... جون 2002ء

تعداد 1000

کمپوزنگ .... محمد حسنین عباس

ہدیہ .... 135 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن ٹھوکر نیاز بیگ لاہور فون: 042-5425372

فہرست

علم المناظرہ

علم المناظرہ نہایت مقبول' معتبر اور مفید علم ہے جس میں عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ بحث و تفہیم کے ذریعے حقیقت جوئی کی جاتی ہے۔ تلاش حق کا یہ علم صداقت کے حصول میں ممد و معاون ہوتا ہے اور اس طرح راہ راست کا تعین کر کے منزل مقصود تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہر نومولود دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اصلی و حقیقی دین فطرت کی تلاش ہی اس کا مطمع نظر اور مقصد حیات ہوتا ہے چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ علم المناظرہ مقصد زندگی کے حصول کو حیطہ امکان میں لانے والا نور عرفان ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔

بدقسمتی سے دور بنی امیہ اور بنو عباس میں اس علم کا ایسا غلط استعمال کیا گیا کہ یہ علم دنگا وفساد' خرافات و خرامات اور قتل و غارت کا علم بن کر رہ گیا۔ نااہل' ناہنجار اور نام نہاد ملاؤں نے اسے تفرقہ بازی اور شر انگیزی کا علم بنا کر رکھ دیا اور آنے والے ادوار میں یہ سخن باطل اور حرف ممنوع کا روپ دھار گیا۔ دراصل یہ اس علم کی غلط تفہیم اور غلط استعمال کا نتیجہ تھا جو جہالت اور بزدلی کے علاوہ کچھ نہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس مفید ترین علم کے ذریعے آثار قرآنی' اقوال الہامی اور روایات لافانی سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاتا۔ مشاعروں اور مباحثوں کی طرح مناظرے بھی فروغ پاتے اور متلاشیان صداقت کو مقام ہدایت تک پہنچاتے۔ میڈیا یعنی ٹی وی' ریڈیو' اخبارات' انٹرنیٹ پر ان کی نشرو اشاعت اور تشہیر ہوتی اس طرح لوگوں کو حق کو اپنانے اور باطل سے نجات پانے کا موقع میسر آتا۔

علامہ ریاض حسین جعفری سرپرست ادارہ منہاج الصالحین اس لحاظ سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے دیگر موضوعات کی طرح اس موضوع پر بھی توجہ فرمائی اور ایک سو ایک مناظرے کے نام سے فارسی کتاب .... کا ترجمہ کروا کر شایان شان اشاعت کا اہتمام کیا۔ اللہ رب العزت ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور ملت جعفریہ کو علمی خدمت میں ان کی کاوش ہائے فکری و عملی کو دن دگنی رات چوگنی ترقی حاصل ہو۔

نقدِ مناظرہ

علم وحکمت مومن کی گمشدہ میراث ہیں جب وہ انہیں پالیتا ہے تو اس کا دل مسرت سے سرشار اور معرفت کا آئینہ دار ہو جاتا ہے اور علم مناظرہ نہایت وسیع و وقیع علم ہے جو ذہن انسانی کو جلا بخشتا ہے تو قلب انسانی کو ضیاء عطا کرتا ہے اور جب مومن حقائق و معارف کا عرفان حاصل کر لیتا ہے تو ہٹ دھرمی کی بجائے راہ راست کو اپناتا ہے کیونکہ ہر عاقل و دانشمند کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب حق دلائل و براہین کے ساتھ واضح اور عیاں ہو جائے تو وہ غلط راستوں پر فخر و مباہات کی بجائے منہاج الصالحین پر گامزن ہو، قران کریم میں ارشاد رب العزت ہے۔

"جو لوگ بات کو غور سے سنتے ہیں اور پھر بہترین قول کی پیروی کرتے ہیں" (زمر ۱۰۰)

دین حنیف قولِ سدید اور امرِ حمید و مجید ہے۔ ماخذ و منابع عقلیت و منطقیت کے شاہکار ہیں۔ قرآن بجائے خود برھان ہے تو احادیث پیغمبر خرد ساماں۔ تعلیمات آئمہؑ بھی مذہب کی بنیاد عقل پر رکھتی ہیں اور ہر بات کو عقل سے پرکھتی ہیں۔

انبیائے کرام نے حکم خداوندی کے اہل کفر سے مناظرے فرمائے، آئمہ معصومینؑ نے بھی اپنے اپنے ادوار میں اسی روش کو اختیار کیا اور علمائے حقہ نے بھی اسی صراط مستقیم پر اتباع معصومینؑ کی۔ دور حاضر میں یہ مرحلہ اور بھی آسان ہو گیا کیونکہ فلسفہ و سائنس کی ترقی نے معقولات کی ترویج کی تو تاریخ و ادب نے منقولات سے دانشگاہوں اور مکاتب کو مالا مال کر دیا۔ آج فن مناظرہ اپنے عروج پر ہے۔ البتہ یہ مناظرے علمی اور حلمی ہیں۔ ہم خرافات اور بحث برائے بحث کو خارج از علم مناظرہ سمجھتے ہیں۔ علمی مناظرے مشکلات اور پیچیدگیوں کے قاطع اور نئے جذبہ امید کے موجد ہوتے ہیں۔ کشف حجابات سے انسان فکری اعتبار سے توانا اور قلبی اعتبار سے مسرور ہو جاتا ہے۔

کتاب ہذا میں شامل انبیائے کرام، آئمہ اور علماء ہر سہ کے مناظرے علم وحکمت کے سمندر ہیں، جن میں غوطہ زنی کر کے حق وحقانیت کے جواہر تلاش کیے جا سکتے ہیں، اور پھر ان جواہر کو استعمال میں لا کر صاحبان شعور خود بھی جوہری بن جاتے ہیں۔ الہام نزول کرتا ہے، وجدان متحرک ہوتا ہے اور فکر ونظر کو فروغ ملتا ہے۔ علامہ محمد محمدی اشتہاردی نے "صد و یک مناظرہ جالب وخواندنی" کی ترتیب وتدوین سے ایران میں تہلکہ مچا دیا تو مولانا کوثر عباس حیدری نے اس کارواں دوراں، اور

خوبصورت اردو ترجمہ کر کے اردو بولنے والے کروڑوں عوام کیلئے حقیقت شناسی کا سامان مہیا کر دیا۔
ان مناظروں کی ہر کڑی دلنشین اور ہدایت آفرین ہے جو کام تیروں تلواروں سے ناممکن ہے وہ کام لفظوں اور جملوں کے پاکیزہ ہتھیاروں سے لیا گیا ہے جو خوشبو کی طرح مسام جاں میں سما جاتے ہیں۔ عقائد و مذاہب کی قبولیت اور مقبولیت کا انحصار ہمیشہ مناظرہ پر رہا ہے اور اگر کوئی کور باطن ذہن قبول نہ بھی کرے تو علمی وراثت و ثقافت کا فروغ ہی اتمام حجت کا باعث بن جاتا ہے جیسے کہ قران بانگ دھل کہہ رہا ہے۔

"قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين" (البقرہ)

"مخالفوں سے کہو کہ اگر وہ سچے ہیں تو دلائل پیش کریں۔"

فرمان پیغمبرؐ ہے:

"لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے دعوت دو اور ان سے شائستہ انداز میں بحث و تکرار کرو۔"

مختصراً ہمارے ادارے نے علمی ثقافت کے فروغ نیز اتمام حجت اور دعوت حق کے لیے اس کتاب کے اردو ترجمہ کو شایان شان سے شائع کیا ہے۔

الداعی الی الخیر

علامہ ریاض حسین جعفری

سرپرست ادارہ منہاج الصالحین

لاہور

نبی اکرمؐ کے مناظروں کے چند نمونے

قارئین یقیناً اس مبسوط کتاب سے مستفید ہوں گے اور انبیاء آئمہ نیز علماء کے مبنی برحق بلکہ حق آشکار اور باطل شکار مناظروں سے اپنے اذہان وقلوب کو منور کریں گے اور یوں یہ سلسلہ روشنی آگے سے آگے بڑھتا جائے گا جو مذہب حقہ اثناعشریہ کی ترویج وترقی کا ضامن ہوگا۔

محتاج دعا!
شیخ خادم حسین